(پاکستان عطیہ خداوندی ہے انشاء اللہ قائم رہے گا)

اسلام اور پاکستان کے خلاف ایک گھناؤنی سازش

قادیانی فتنہ

بزم رضویہ لاہور

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اسلام اور پاکستان کے خلاف گھناؤنی سازش قادیانی فتنہ

انتخاب وترتیب

محمد امان سیالوی

ناشر

بزم رضویہ

(14/37 داتا نگر لاہور)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سلسلہ نمبر 75

نام کتاب: اسلام اور پاکستان کے خلاف گھناؤنی سازش قادیانی فتنہ

انتخاب وترتیب: محمد امان سیالوی

صفحات: 192

کمپوزنگ: محمد نعیم اصغر

سن اشاعت: محرم الحرام 2011ء

ہدیہ: ایصال ثواب برائے اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم

قیمت برائے مزید اشاعت -/200

ملنے کا پتہ:

بزم رضویہ: 14/37 داتا نگر، بادامی باغ لاہور

دفتر سنی تحریک: نزد پیر مکی شاہ لاہور

سنی فورس لاہور

انجمن فدایان ختم نبوت لاہور

تنظیم اہلسنت لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِ اللّٰہِ

ادارہ کی ہمیشہ سے کوشش ہے کہ عوام اہلسنت کو حقائق پر مبنی لٹریچر فراہم کیا جائے۔ادارہ کی یہ اشاعت سلسلہ نمبر 75 ہے جس کا نام "اسلام اور پاکستان کے خلاف ایک گھناؤنی سازش" پیش کر رہے ہیں جس میں قادیانیت اور دیوبندیت کا لگایا ہو پودا جو اس وقت تناور درخت بن چکا ہے جس کی خونی شاخوں نے پورے پاکستان کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔عوام اہلسنت کو اُن سے آگاہ کرنا ہے۔

اسی طرح کچھ مصنف حضرات قادیانیت کے متعلق کافی لٹریچر شائع کر رہے ہیں۔مگر وہ حقائق پر مبنی نہیں ہوتا آدھی بات بیان کر دیتے ہیں آدھی چھپا لیتے ہیں نہ انجانے کونسی مصلحت آڑے آجاتی ہے۔مثلاً فتنہ قادیانیت کے متعلق یہ عوام کو نہیں بتایا جاتا کہ تحذیر الناس کے مصنف قاسم نانوتوی نے یہ کتاب کس سال لکھی۔اس متنازعہ کتاب نے فرقہ واریت پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا۔اس کتاب کو بنیاد بنا کر مرزا قادیانی نے کس سال نبوت کا اعلان کیا۔مرزا قادیانی نے اپنی زندگی میں کن کن دیوبندی اور اہل حدیث علما سے دوستانہ مراسم قائم کئے۔ان حقائق کو جان بوجھ کر عوام سے اوجھل کر رہے ہیں۔

اور جن علمائے اہلسنت نے فتنہ قادیانیت کے متعلق دن رات مخلصانہ کوششیں کیں اُن کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

اسی طرح عوام اہلسنت نے اُن لوگوں کو اپنا مذہبی رہنما، لیڈر، اپنا آئیڈیل بنایا ہوا ہے۔ جسے یہ کوئی پیر یا لیڈر کسی ولی اللہ سے زیادہ نیک پارسا بلکہ معاذ اللہ، نبی سے بھی بڑا درجہ دے دیتے ہیں۔یہ صرف اپنے پیر، سیاسی لیڈر، اپنے آئیڈیل کا کلمہ نہیں پڑتے۔یہ پیر صاحب، یہ سیاسی لیڈر، یہ نام نہاد آئیڈیل ہیرو ایسے ایسے بیہودہ بیان بازی کرتے ہیں ایسی ایسی تصوف کی آڑ میں بیان بازی کرتے ہیں اللہ کی پناہ مگر یہ سیاسی ورکر، مذہبی ورکر اُن بیہودہ بکواس پر ایسی ایسی دلیلیں

پیش کرتے ہیں کہ دماغ چکرا جاتا ہے بندہ سوچ میں پڑ جاتا ہے۔ اگر کوئی علمائے حق ان حقائق کو بتانے کی کوشش کرتا ہے اُن کو ان کا صحیح چہرہ دیکھانے کی کوشش کرتا ہے تو اُن کے خلاف غلط پروپیگنڈہ کر کے عوام کو اُن کے خلاف کر دیا جاتا ہے۔

حیرت تو اُس وقت ہوتی ہے جب علماء مشائخ بڑے بڑے گدی نشین، بڑے صاحبزدگان بھی اُن نام نہاد سیاسی لیڈروں کو اپنا پیش امام کا درجہ دیتے ہیں، ولی اللہ کا درجہ دیتے ہیں کہ اُن کی ہر بات کو حق سمجھتے ہیں، ہر بات کو قرآن حدیث سمجھتے ہیں، کلمہ حق بیان نہیں کرتے۔ اُن کے ہر بیان کو قرآن اور حدیث سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اُن علمائے مشائخ، صاحبزدگان سے مودبانہ گزارش ہے کہ اپنا مقام پہچانئے۔ اپنے بزرگوں کے نام کو بدنام نہ کریں، اُن عظیم ہستیوں کا مذاق نہ اُڑائیں۔

ہماری عوام اہلسنت سے گزارش ہے کہ آپ نے جس مذہبی اسیاسی پارٹی کی حمایت کرنی ہے۔ جس کو اپنا مذہبی پیشوا بنانا ہے اُس کا خود کا عمل قرآن وسنت پر ہے کہ اپنے مریدین کو اس پر چلنے کا درس دیتا ہے۔ اگر اپنا سیاسی لیڈر بنانا ہے۔ وہ خود پر کتنا عمل کرتا ہے۔ کہیں خود تو اللہ اور رسول مقبول ﷺ کے قانون کی توہین تو نہیں کرتا۔ ملکی قوانین کا مذاق تو نہیں اُڑاتا۔ کیا وہ اپنے ملک اور قوم کے ساتھ کتنا مخلص ہے کہ صرف اپنی لیڈری چمکانے کے لیے صرف نعرے کی حد تک ہے۔

دین اسلام کے خلاف کوئی ایسی حرکات تو نہیں جس میں نبی کریم ﷺ، آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہلسنت سے سب اولیائے کرام سے عقیدت ومحبت میں کوئی فرق تو نہیں۔

کیا عوام کو دھوکا دیا جا رہا ہے۔ جھوٹ بول کر عوام کی ہمدردیاں حاصل کی جا رہی ہیں۔ اسمبلی میں پہنچ کر، اسلام اور پاکستان کے خلاف سازشوں کی نیت تو نہیں کر رہے..... کل یہ نہ ہو یہ سیاسی ومذہبی لیڈر اپنے ذاتی مفادات کی خاطر ہماری غیرت اور ہمارے ایمان کا سودا تو طے نہیں کر رہے۔

پھر یہ نہ ہو آپ توہین رسالت ﷺ کی ترمیم کے خلاف اولیاء اللہ کے مزارات کی بے حرمتی کے خلاف سڑکوں پر احتجاج کر رہے ہوں اور یہ نام نہاد لیڈر اپنے محلوں میں جو غریب عوام

کے خون پسینے کی کمائی، ذخیرہ اندوزی اور ٹیکس چوری سے بنائے محلات میں گہری نیند سو رہے ہوں۔ آخر ہم تمام نے اس فانی دنیا سے جانا ہے آخرت میں سرکار مدینہ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو کیا منہ دیکھائیں گے۔

کیا ہم نے یہ حدیث پاک نہیں سنی کہ جب تک بندہ مومن نہیں بنتا جب تم اپنی جان ومال و اولاد سے زیادہ عزیز نہ سمجھو گے۔ مفہوم

کیا یہ بھی حدیث پاک نہ سنی پڑھی۔ کسی کے ساتھ دوستی دشمنی کا معیار اللہ اور اُس کے حبیب پاک حضرت محمد ﷺ کے لئے ہو۔

لمحہ فکریہ ہے کیا ہم اس معیار پر پورا اُترتے ہیں؟

ہم نے اِس اشاعت میں چند تلخ حقائق بتانے کی کوشش کی ہے اُمید ہے قارئین کرام اس کتاب کو پڑھ کر اپنے معاملات اور اپنے اور پرائے کی پہچان کر سکیں گے۔ آخر میں اپنے اُن تمام دوستوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے اس اشاعت میں ہر طرح سے تعاون کیا۔

اللہ رب العزت کی بارگاہ میں التجا ہے کہ وہ اپنے پیارے حبیب خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے وسیلہ سے حق سچ کا ساتھ دینے کی توفیق فرمائے، ہماری اس کوشش کو ہمارے لئے ذریعہ نجات فرمائے۔

نذرِ عقیدت

اسلام میں ختم نبوت کے سب سے پہلے شہید صحابیٔ رسول حضرت سیّدنا حبیب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ جنھوں نے بھرے دربار میں مسیلمہ (ثمامہ ابن قیس) کذاب کی جھوٹی نبوت کا انکار کیا۔ بدلے میں اُس ملعون نے آپ رضی اللہ عنہ کے جسم کے تمام اعضا باری باری کاٹ ڈالے۔

صحابیٔ رسول حضرت سیّدنا ابوعبداللہ فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اسلامی تاریخ میں نبوت کے سب سے پہلے مدعی اسود عنسی (عبلہ ابن کعب) کذاب کو جہنم واصل کیا۔

ختم نبوت کے سپہ سالارِ اوّل، خلیفۃ الرسول بلافصل، انبیا کے بعد علم و فضل میں تمام انسانیت سے بڑھ کر حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصالِ ظاہری کے بعد مسیلمہ کذاب کے خلاف لشکرِ جرار تیار کر کے اسلام میں ختم نبوت کی پہلی جنگ کا آغاز کیا۔

حضرت سیّدنا وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ جنھوں نے جنگِ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کو اُسی نیزہ سے قتل کیا، جس نیزے سے اُنھوں نے اسلام لانے سے پہلے حضرت سیّد الشہدا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔

حضرت عبداللہ ابن زُبیر رضی اللہ عنہما (نواسۂ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) جنھوں نے مختار ابن ابی عبید ثقفی کذاب کو قتل کیا۔

اور ہزارہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نیز تابعین اور اُن کے بعد کے لوگ جن میں سلاطین، علما، مشائخ، عام مسلمین تھے، نے عقیدۂ ختم نبوت کے خلاف یلغار کرنے والے فتنوں کا قلع قمع کیا۔
اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سب کی قربانیاں اپنی جناب میں مقبول و منظور فرمائیں!

عرباض

فہرست مضامین

اِنتساب

منکرین ختم نبوت اور مدعیانِ نبوت کے خلاف فیصلہ کن جہاد کی روایت کے نام

اور 7 ستمبر 1974ء کا وہ عظیم دِن جب 'اسلامی جمہوریہ پاکستان' میں متنبی مرزا قادیانی اور اُس کے ماننے والوں کو قانونی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔

اور اِس 'تحریک تحفظِ ختم نبوت' کو کام یاب کرانے والے علماء اہل سنت و جماعت

سفیر اسلام قائدِ ملت اِسلامیہ حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری رحمۃ اللہ علیہ

نیز اس سے پہلے 1953ء کی تحفظِ ختم نبوت کی تحریک کے محرکین علما

لسان الہند مولانا عبدالحامد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ

مفتی محمد صاحب داد خاں رحمۃ اللہ علیہ

غازیٔ کشمیر علامہ ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

مجاہدِ ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی رحمۃ اللہ علیہ

غزالیٔ زماں علامہ سیّد احمد سعید شاہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ القرآن مولانا ابوالحقائق عبدالغفور ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

صاحب زادہ سیّد فیض الحسن شاہ آلومہاروی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلام خواجہ قمرالدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش رحمۃ اللہ علیہ

مولانا غلام محمد ترنم رحمۃ اللہ علیہ

مجاہدِ تحریک پاکستان مولانا محمد بخش مسلم رحمۃ اللہ علیہ

اور وہ تمام زندہ دِل مسلمان جو مسلسل فتنۂ مرزائیہ کی سرکوبی کرتے آئے ہیں اور اب بھی کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے آخری نبی حضرت جناب احمد مجتبیٰ ﷺ کے طفیل ہمیں کھرا مسلمان اور ختم نبوت کا سچا مجاہد بنائے! آمین!

عمر باض

دیو بندیت اور قادیانیت ایک ہی سکے کے دو رُخ

قادیان سے ایک مصنوعی پیغمبر کو کھڑا کرنے اور اس کی دعوت کو فروغ دینے کے لیے جہاں انگریزوں نے اپنے سرکاری وسائل کا استعمال کیا وہاں علمی اور فکری طور پر نئی نبوت کا راستہ ہموار کرنے کے لیے دیو بندی اکابر کے علمی اور مذہبی اثرات سے بھی کام لیا۔ شرح اس اجمال کی یہ ہے کہ کسی جدید نبوت کی راہ میں ختم نبوت کا یہ قرآنی عقیدہ ہمیشہ حائل رہا کہ حضور اکرم ﷺ خاتم النبیین ہیں ان کے بعد کوئی نیا نبی نہیں پیدا ہو سکتا۔

اب نئی نبوت کی راہ میں قرآن کی طرف سے جو رکاوٹ کھڑی تھی اسے دور کرنے کے دو ہی راستے تھے یا تو قرآن کی اس آیت ہی کو بدل دیا جائے جس میں حضور انور ﷺ کے لیے صراحت کے ساتھ خاتم النبیین کا لفظ موجود ہے جس کے معنی آخری نبی کے ہیں یا پھر خاتم النبیین کا لفظ جوں کا توں رہنے دیا جائے صرف اس کا مفہوم بدل دیا جائے۔

پہلا راستہ ممکن نہیں تھا کہ روئے زمین پر قرآن کے کروڑوں نسخے اور لاکھوں حفاظ موجود تھے، لفظ کی تحریف چھپائے نہیں چھپ سکتی تھی اس لیے معنوی تحریف کا راستہ اختیار کیا گیا اور طے پایا کہ لفظ خاتم النبیین کے معنی آخری نبی، جو عہد صحابہ سے لے کر آج تک ساری اُمت میں شائع اور ذائع ہے، اسے بدل دیا جائے اور اس لفظ کا کوئی ایسا معنی تلاش کیا جائے جو کسی نئے نبی کے آنے میں رکاوٹ نہ بنے چنانچہ راستے کا یہ پتھر ہٹانے کے لیے دارالعلوم دیو بند کے بانی مولانا قاسم نانوتوی کی خدمت حاصل کی گئیں۔ اپنی طرف سے کوئی الزام عائد نہیں کر رہا ہوں بلکہ خود ایک قادیانی مصنف نے اپنی کتاب ''افادات قاسمیہ'' میں پوری تفصیل کے ساتھ یہ قصہ بیان کیا ہے۔ یہ کتاب سالہا سال سے چھپ رہی ہے لیکن دیو بند سے اب تک اس کی کوئی تردید شائع نہیں ہوئی جس سے سمجھا جاتا کہ قادیانیوں کی طرف سے نانوتوی صاحب کے خلاف جھوٹا الزام عائد کیا

گیا ہے۔

اب قادیانی مصنف ابو العطا جالندھری کی اس عبارت کی ایک ایک سطر خوب غور سے پڑھیے اور ذہن وفکر کے تہہ خانے میں اتر کر چھپی ہوئی سازشوں کا سراغ لگائیے۔

''یوں محسوس ہوتا ہے کہ چودھویں صدی کے سر پر آنے والا مجدد امام مہدی اور مسیح موعود بھی تھا اور اسے ''امتی نبوت'' کے مقام سے سرفراز کیا جانے والا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مصلحت سے حضرت مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی (بانی دار العلوم۔ دیو بند) کو خاتمیت محمدیہ کے اصل مفہوم کی وضاحت کے لیے رہنمائی فرمائی اور آپ نے اپنی کتابوں اور اپنے بیانات میں آنحضرت ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کی نہایت دلکش تشریح فرمائی''۔

بلاشبہ آپ کی کتاب ''تحذیر الناس'' اس موضوع پر خاص اہمیت رکھتی ہے۔

(افادات قاسمیہ مطبوعہ ربوہ پاکستان)

دیکھ رہے ہیں آپ ساحران افرنگ کا یہ تماشا! کتنی خوبصورتی کے ساتھ ایک شرمناک سازش کو الہام کا رنگ دیا جا رہا ہے گویا یہ سارا اہتمام خدائے قدیر کی طرف سے تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوائے نبوت سے پہلے نانوتوی صاحب ''تحذیر الناس'' نام کی ایک کتاب لکھیں اور اس میں خاتم النبیین کے معنی آخری نبی کا انکار کر کے ایک نئے نبی کی آمد کے لیے راستہ ہموار کریں۔ نانوتوی صاحب نے اپنی کتاب ''تحذیر الناس'' میں اس بات کی بھرپور کوشش کی ہے کہ ''سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے'' یعنی خاتم النبیین کے لفظ کا انکار بھی نہ ہو اور نئے نبی کی آمد کے لیے راستہ بھی ہموار ہو جائے۔ تاکہ انگریزوں کا حق نمک بھی ادا ہو جائے اور مسلمانوں کو بھی دھوکے میں رکھ سکیں کہ ہم لوگ ختم نبوت کے منکر نہیں ہیں لیکن خدائے پاک جزائے خیر دے ان علمائے حق کو جنہوں نے تحذیر الناس کے فریب کا پردہ چاک کر کے عقیدہ ختم نبوت کے خلاف ایک گہری سازش کو ہمیشہ کے لیے بے نقاب کر دیا۔

قارئین کرام اگر یہ جاننا چاہتے ہیں کہ تحذیر الناس نامی کتاب میں کیا ہے، قادیانی مصنفین اس کی تعریف میں رطب اللسان کیوں ہیں اور اس کتاب کے ذریعہ نانوتوی صاحب نے نئے نبی کی آمد کے لیے راستہ کس طرح ہموار کیا ہے تو ہر طرح کی عصبیت سے بالاتر ہو کر سنجیدگی کے ساتھ

آنے والی بحث کا مطالعہ کریں۔ سازشوں کی یہ داستان بڑی لمبی اور پُرفریب ہے۔

قصہ تحذیر الناس کی پُرفریب سازش کا

بجائے اس کے کہ ہم اپنی طرف سے کچھ کہیں آپ یہ پورا قصہ قادیانی مصنفین کی زبانی سنیے۔ تمہید کے طور پر ایک قادیانی مصنف اس قصے کا آغاز کرتا ہے:

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ احمدی (یعنی قادیانی) ختم نبوت کے قائل نہیں ہیں اور رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین نہیں مانتے۔ یہ محض دھوکے اور ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ جب احمدی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور کلمہ شہادت پر یقین رکھتے ہیں تو یہ کیوں کر ہوسکتا ہے کہ وہ ختم نبوت کے منکر ہوں اور رسول کریم ﷺ کو خاتم النبیین نہ مانیں۔

قرآن کریم میں صاف طور پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (احزاب ع ۴/۵) یعنی ''محمد رسول اللہ ﷺ تم میں سے کسی جوان مرد کے باپ ہیں نہ آئندہ ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں''۔ قرآن کریم پر ایمان رکھنے والا آدمی اس آیت کا انکار کس طرح کر سکتا ہے۔ پس احمدیوں کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں ہے کہ رسول کریم ﷺ نعوذ باللہ خاتم النبیین نہیں تھے۔ جو کچھ احمدی کہتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ خاتم النبیین کے وہ معنی جو اس وقت مسلمانوں میں رائج ہیں نہ تو قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت پر چسپاں ہوتے ہیں اور نہ ان سے رسول کریم ﷺ کی عزت اور شان اس طرح ظاہر ہوتی ہے، جس عزت اور شان کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ (پیغام احمدیت، ص ۱۰)

اس عبارت میں خط کشیدہ سطروں کو پھر ایک بار غور سے پڑھیے کہ بحث کا یہی حصہ سازشوں کی بنیاد ہے۔ یہیں سے لفظ خاتم النبیین کے اس معنی کے انکار کا راستہ کھلتا ہے، جو نئے نبی کی راہ میں حائل ہے۔

مذکورہ بالا عبارت کی روشنی میں قادیانیوں کا یہ دعویٰ اچھی طرح آپ کے ذہن نشین ہو گیا ہو گا کہ وہ لوگ حضور اکرم ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کا انکار نہیں کرتے بلکہ خاتم النبیین کے اس

معنیٰ کا انکار کرتے ہیں جو عام مسلمانوں میں رائج ہے اور اسی انکار پر انہیں ختم نبوت کا منکر کہا جاتا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ خاتم النبیین کا وہ کون سا معنیٰ ہے جو عام مسلمانوں میں رائج ہے اور سب سے پہلے اُس معنیٰ کا انکار کس نے کیا ہے۔ اتنی تفصیل کے بعد اب ہر طرف سے خالی الذہن ہو کر تحذیر الناس کے مصنف مولانا محمد قاسم نانوتوی کی کارگزاریوں کے متعلق ایک قادیانی مصنف کا یہ بیان پڑھیے اور عقیدہ ختم نبوت کے انکار کے سلسلے میں اصل مجرم کا سراغ لگایئے۔

''تمام مسلمانوں فرقوں کا اس پر اتفاق ہے کہ سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ خاتم النبیین ہیں کیوں کہ قرآن مجید کی نص وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ میں آپ کو خاتم النبیین قرار دیا گیا ہے۔ نیز اس امر پر بھی تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے لفظ خاتم النبیین بطور مدح وفضیلت ذکر ہوا ہے۔ اب سوال صرف یہ ہے کہ لفظ خاتم النبیین کے کیا معنیٰ ہیں۔ یقیناً اس کے معنیٰ ایسے ہی ہونے چاہئیں جن سے آنحضرت ﷺ کی فضیلت اور مدح ثابت ہو۔

اسی بنا پر جناب مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی مدرسہ دیو بند نے عوام کے معنوں کو نادرست قرار دیا ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں۔ عوام کے خیال میں تو رسول اللہ ﷺ کا خاتم ہونا بایں معنیٰ ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے زمانے کے بعد ہے اور آپ سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم اور تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ پھر مقام مدح میں وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ فرمانا اس صورت میں کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے۔ (تحذیر الناس، ص۳)''

(رسالہ خاتم النبیین کے بہترین معنیٰ، صفحہ۴، شائع کردہ قادیان)

آسان لفظوں میں نانوتوی صاحب کی اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ لفظ خاتم النبیین کے معنیٰ آخری نبی قرار دینا یہ ناسمجھ عوام کا خیال ہے جو کسی بھی طرح قابل التفات نہیں ہے۔ اہل فہم طبقہ اس لفظ کے معنیٰ آخری نبی کے نہیں سمجھتا۔ کیونکہ زمانے کے اعتبار سے کسی کا پہلے ہونا یا آخر میں ہونا کچھ خاص مدح اور فضیلت کی چیز نہیں ہے۔ اس لفظ کے معنیٰ آخری قرار دینے میں چونکہ حضور ﷺ کی کوئی خاص فضیلت نہیں نکلتی اس لیے یہ معنیٰ اگر مراد لیا جائے تو مقام مدح میں وَلٰکِنْ

رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ کا ذکر کرنا لغو ہو جائے گا۔

غور فرمایئے! ڈیڑھ ہزار برس کی لمبی مدت میں جس عہد صحابہ سے لے کر آج تک کتاب و سنت کی روشنی میں ساری امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خاتم النبیین کے لفظ کے معنیٰ آخری نبی کے ہیں۔ اس لفظ سے اگر حضور کو آخری نبی نہ مانا جائے تو نئے نبی کی آمد کا راستہ کس دلیل سے بند کیا جا سکتا ہے؟

قاسم نانوتوی نے انگریزوں کا حق نمک ادا کرنے کے لیے حضور ﷺ کو آخری نبی ماننے سے انکار کیا ہے تاکہ قادیان سے ایک نئے نبی کی آمد کے لیے راستہ صاف ہو جائے۔

نانوتوی صاحب کے حامیوں کا منہ بند کرنے کے لیے میں اس مسئلے میں ان ہی کے گھر کی ایک مضبوط شہادت پیش کرتا ہوں۔ دیو بندی جماعت کے معتمد وکیل مولوی منظور نعمانی اپنی کتاب ''ایرانی انقلاب'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''یہ عقیدہ کہ ختم نبوت کا سلسلہ ختم نہیں ہوا، رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی کوئی نبی آ سکتا ہے، اُن آیات قرآنی اور احادیث متواترہ کی تکذیب ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کا خاتم النبیین اور آخری نبی ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔ (ایرانی انقلاب، ص۸۱)

یہ عبارت چیخ رہی ہے کہ جو حضور ﷺ کو آخری نبی نہیں مانتا وہ آیات قرآنی اور احادیث متواترہ کا انکار کرتا ہے اور دوسرے لفظوں میں وہ نئے نبی کی آمد کا دروازہ کھلا رکھنا چاہتا ہے۔

یہی وہ گراں قدر خدمت ہے جس کے صلے میں قادیانی جماعت کی طرف سے مولانا قاسم نانوتوی کو خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ایک قادیانی مصنف لکھتا ہے۔

جماعت احمدیہ خاتم النبیین کے معنوں کی تشریح میں اسی مسلک پر قائم ہے جو ہم نے سطور بالا میں جناب مولوی محمد قاسم نانوتوی کے حوالہ جات سے ذکر کیا ہے۔

(افادات قاسمیہ، ص۱۶)

ایک معمولی ذہن کا آدمی بھی اتنی بات آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی مخالف کے مسلک پر قائم رہنے کا عہد ہرگز نہیں کر سکتا۔ پیچھے چلنے کا پر خلوص جذبہ اسی شخص کے دل میں پیدا ہو سکتا ہے جسے اپنا ہم سفر اور مقتدا سمجھا جائے۔

ایک ہی تصویر کے دو رُخ

پچھلے اوراق میں خاتم النبیین کے معنی کے سلسلے میں قادیانی مصنفین کی عبارتیں آپ کی نظر سے گزر چکیں اور مولانا قاسم نانوتوی کی وہ تحریر بھی آپ نے پڑھ لی جسے اپنی حمایت و تائید میں قادیانی مصنف نے تحذیر الناس سے نقل کیا ہے۔ اب ان نتائج پر غور فرمایئے جو ان عبارتوں کے تجزیہ کے بعد سامنے آتے ہیں تاکہ یہ حقیقت آپ پر اچھی طرح واضح ہو جائے کہ دیوبند اور قادیان کے درمیان فکر اور استدلال کی کتنی گہری یکسانیت ہے اور دیوبند صرف وہابیت ہی کا نہیں قادیانیت کا بھی محسن اعظم ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ مولانا قاسم نانوتوی کی صراحت کے مطابق خاتم النبیین کے الفاظ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی سمجھنا یہ معاذ اللہ ناسمجھ عوام کا شیوہ ہے۔ اُمت کا سمجھ دار طبقہ خاتم النبیین کے لفظ سے آخری نبی مراد نہیں لیتا۔ ان ہی سمجھ دار لوگوں میں ایک سمجھ دار مولانا قاسم نانوتوی بھی ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ خاتم النبیین کے اجماعی معنی کو مسخ کر کے حضور کے آخری نبی ہونے کا انکار سب سے پہلے مولانا قاسم نانوتوی نے کیا ہے۔ کیونکہ قادیانیوں نے اگر انکار میں پہل کیا ہوتا تو وہ ہرگز یہ اعلان نہ کرتے کہ لفظ خاتم النبیین کے معنی کی تشریح کے سلسلے میں جماعت احمدیہ مولانا نانوتوی کے مسلک پر قائم ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ خاتم النبیین کے معنی آخری نبی کے انکار کے سلسلے میں مرزا غلام احمد قادیانی اور مولانا نانوتوی کے انداز فکر اور طریقہ استدلال میں پوری یکسانیت ہے۔

چنانچہ قادیانیوں کے یہاں بھی خاتم النبیین کے اصل مفہوم کو مسخ کرنے کے لیے حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کا سہارا لیا گیا ہے اور نانوتوی صاحب بھی مقدم مدح کہہ کر آخری نبی کے معنی کے انکار کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان ہی کو بنیاد بنا رہے ہیں۔

وہاں بھی کہا گیا ہے کہ خاتم النبیین کے لفظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی سمجھنا یہ معنی عام مسلمانوں میں رائج ہیں اور یہاں بھی کہا جا رہا ہے کہ یہ معنی عوام کے خیال میں ہیں۔

اتنی عظیم مطابقتوں کے بعد اب کون کہہ سکتا ہے کہ اس مسئلے میں دونوں کا نقطہ نظر الگ

ہے۔ دنیا سے انصاف اگر رخصت نہیں ہو گیا تو اب اس انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ قادیان اور دیوبند ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں یا ایک ہی منزل کے دو مسافر ہیں کوئی پہنچ گیا ہے۔ کوئی راہ گزر میں ہے۔

پس خاتم النبیین بمعنی آخری نبی کے انکار کی بنیاد پر اگر قادیانی جماعت کو منکر ختم نبوت کہنا امر واقعہ ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اسی انکار کی بنیاد پر دیوبندی جماعت کو بھی منکر ختم نبوت نہ قرار دیا جائے۔

شاید صفائی میں کوئی یہ کہے کہ قادیانی جماعت کے لوگ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عملاً ایک نیا نبی مان چکے ہیں اس لیے انہیں منکر ختم نبوت کہنا واقعہ کے عین مطابق ہے۔ میں جواباً عرض کروں گا کہ عقیدے کی حد تک یہی مسلک تو دیوبندی جماعت کا بھی ہے جیسا کہ ان کی کتاب تحذیر الناس میں لکھا ہے:

اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور قائم رہتا ہے۔ (تحذیر الناس، ص ۱۲)

اگر بالفرض بعد زمانہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ (ص ۲۸)

غور فرمایئے جب دیوبندی جماعت کے یہاں بھی بغیر کسی قباحت کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی پیدا ہو سکتا ہے، تو قادیانیوں کا اس سے زیادہ اور قصور ہی کیا ہے کہ جو چیز اہل دیوبند کے یہاں جائز و ممکن تھی اسے انہوں نے واقع کر لیا۔ اصل کفر تو نئے نبی کے جواز و امکان سے وابستہ تھا۔ جب وہی کفر نہ رہا تو اب کسی نئے مدعی نبوت کو اپنے دعوے سے باز رکھنے کا ہمارے پاس ذریعہ کیا رہا؟

کیوں کہ اس راہ میں عقیدے کی جو سب سے مضبوط دیوار حائل تھی وہ تو یہی تھی کہ قرآن و حدیث کی نصوص اور اجماع اُمت کی روشنی میں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی نیا نبی ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا، لیکن جب دیوبندی جماعت کے نزدیک حضور آخری نبی بھی نہیں ہیں اور کسی نئے نبی کے آنے کی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت میں بھی کوئی فرق نہیں آ سکتا تو آپ ہی انصاف کیجئے کہ اب آخر کس بنیاد پر کسی نئے مدعی نبوت کو اپنے دعوے سے

باز رکھا جائے گا اور کس دلیل سے کسی نئے نبی پر ایمان لانا کفر قرار پائے گا۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ بنیادی سوال کے لحاظ سے دیوبندی جماعت اور قادیانی جماعت کے درمیان قطعاً کوئی جوہری فرق نہیں ہے۔

میری اس مدلل رائے سے اگر دیوبندی مذہب کے علماء کو اختلاف ہو تو وہ کھلے بندوں یہ اعلان کردیں کہ تحذیر الناس ان کی کتاب نہیں ہے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو تحذیر الناس میں کتاب و سنت اور اجماع اُمت سے ثابت شدہ جن دو بنیادی عقیدہ کا انکار کیا گیا ہے اور جس کے نتیجے میں حضور خاتم پیغمبراں صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نئے نبی کے آنے کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اس کے خلاف فتوے کی زبان میں اپنی مذہبی بیزاری کا صاف صاف اعلان کریں۔

واضح رہے کہ ان کے دو بنیادی عقیدے جن کا تحذیر الناس میں انکار کیا گیا ہے، یہ ہیں:

پہلا عقیدہ..... خاتم النبیین کے معنی آخری نبی کے ہیں۔

دوسرا عقیدہ..... کسی نئے نبی کے آنے کی صورت میں حضور کی خاتمیت باقی نہیں رہ سکتی۔

لیکن مجھے یقین ہے کہ دیوبندی علماء تحذیر الناس کے خلاف یہ اعلان ہرگز نہیں کریں گے۔ کیونکہ انہوں نے اسلام کے ان دو بنیادی عقیدوں کو اب تک تسلیم ہی نہیں کیا ہے۔ بہر حال کوئی وجہ بھی ہو اگر وہ ایسا کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں تو اسلامی دنیا کا جو الزام قادیانی جماعت پر ہے وہی الزام دیوبندی جماعت پر بھی عائد کیا جائے گا۔

ختم نبوت کا انکار وراثت میں

عقیدہ ختم نبوت کے انکار کا جو سنگ بنیاد مولانا قاسم نانوتوی نے رکھا تھا، اسے بعد کے آنے والوں نے صرف محفوظ نہیں رکھا بلکہ اس پر عمارت بھی کھڑی کر دی۔ اس سلسلے میں قاری طیب صاحب سابق مہتمم دار العلوم کی کارگزاری خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ انہوں نے اپنے دادا جان کے اس نظریہ کی تبلیغ و اشاعت میں ایسے ایسے گل بوٹے کھلائے ہیں کہ سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔

نمونے کے طور پر ان کی تقریر کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے جسے مفتیان دیوبند نے انکشاف نامی کتاب میں نقل کیا ہے فرماتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم امکاں میں سرچشمۂ علوم و کمالات ہیں۔ حتیٰ کہ انبیاء علیہم

السلام کی نبوتیں بھی فیض ہیں خاتم النبیین کی امت کا۔ درحقیقت حقیقی نبی آپ ہیں۔ آپ کی نبوت کے فیض سے انبیاء بنتے چلے گئے۔ (انکشاف مطبوعہ دیوبند ص ۲۶۴)

جب حقیقی نبی آپ ہیں تو ظاہر ہے کہ دوسرے انبیاء مجازی اور ظلی نبی ہوں گے۔ یہی وہ فارمولا ہے جسے مرزا غلام احمد قادیانی نے ظلی نبی، بروزی نبی اور اُمتی نبی کے نام سے اپنے لیے ایجاد کیا ہے۔

تقریر کے علاوہ "آفتاب نبوت" کے نام سے اسی عنوان پر انہوں نے ایک کتاب بھی لکھی ہے جو پاکستان سے شائع ہوئی ہے اس میں ایک جگہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان محض نبوت ہی نہیں نکلتی بلکہ نبوت بخش بھی نکلتی ہے کہ جو بھی نبوت کی استعداد پایا ہوا فرد آپ کے سامنے آ گیا، نبی ہو گیا"۔ (آفتاب نبوت، ص ۱۹)

اس عبارت پر مدیر تجلی آنجہانی مولانا عامر عثمانی کا یہ تبصرہ ملاحظہ فرمائیے یہ تبصرہ نہیں ہے بلکہ دیوبندی جماعت کی پشت پر قہر الٰہی کا ایک عبرت ناک تازیانہ ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

"قادیانیوں کو اس سے استدلال ملا کر روح محمدی تو بہر حال فنا نہیں ہوئی وہ آج بھی کہیں نہ کہیں موجود ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ پہلے اس نے ہزاروں انسانوں کو نبوت بخشی تو اب نہ بخشے۔" (تجلی دیوبند نقد و نظر نمبر، ص ۷)

اب اسی کے ساتھ تجلی کے حوالے سے مرزا غلام احمد قادیانی کا یہ دعویٰ بھی پڑھ لیجئے تاکہ یہ حقیقت بالکل کھل کر سامنے آجائے کہ مہتمم صاحب نے آفتاب نبوت لکھ کر در پردہ کس کا حق نمک ادا کیا ہے۔

اللہ جل شانہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم بنایا یعنی آپ کو افاضۂ کمال کے لیے مہر دی جو کسی اور نبی کو نہیں دی گئی۔ اس وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا۔ یعنی آپ کی پیروی کمالات نبوت بخشی ہے۔ اور آپ کی توجہ روحانی "نبی تراش" ہے اور یہ قوت قدسیہ کسی اور کو نہیں ملی۔ (حقیقۃ الوحی بحوالہ تجلی نقد و نظر نمبر، ص ۷۳)

اب عین دوپہر کے اجالے میں مہتمم صاحب کا اصل چہرہ دیکھنا چاہتے ہوں تو مہتمم صاحب موصوف اور مرزا صاحب دونوں کی تحریروں کو ایک چوکھٹے میں رکھ کر مدیر تجلی کا یہ دھماکہ خیز بیان پڑھیے۔

حضرت مہتمم صاحب نے حضور کو ''نبوت بخش'' کہا تھا مرزا صاحب ''نبی تراش'' کہہ رہے ہیں۔ حرفوں کا فرق ہے معنی کا نہیں! (تجلی نقد و نظر نمبر، ص ۴۷)

کیا سمجھے آپ؟ دراصل کہنا یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح مرزا قادیانی کا عقیدہ ہے کہ نبوت کا دروازہ بند نہیں ہوا ہے بلکہ آج بھی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی توجہ نبوت کی استعداد رکھنے والے کسی شخص پر پڑ جائے تو وہ نبی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح مہتمم صاحب بھی حضور کو ''نبوت بخش'' کہہ کر بالکل اسی طرح مہتمم صاحب بھی حضور کو ''نبوت بخش'' کہہ کر بالکل اسی عقیدے کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ الفاظ و بیان میں فرق ہو سکتا ہے لیکن مدعا دونوں کا ایک ہے۔

درحقیقت حقیقی نبی آپ ہیں۔ آپ کی نبوت کے فیض سے انبیاء بنتے چلے گئے۔

غلط جذبۂ پاسداری سے بالاتر ہو کر انصاف کیجئے کہ یہ بالکل مرزا قادیانی کی زبان ہے یا نہیں؟

''درحقیقت حقیقی نبی آپ ہیں'' کا مدعا سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ کے سوا دوسرے تمام انبیاء مجازی اور ظلی نبی ہیں۔ یہی مرزا قادیانی نے بار بار کہا ہے اور یہی بات مہتمم صاحب فرما رہے ہیں۔ دونوں کے درمیان لفظوں کا فرق ہو سکتا ہے، معنی کا نہیں۔

''آپ کی نبوت کے فیض سے انبیاء بنتے چلے گئے'' یہ فقرہ بھی قادیانیوں کے اس دعوے کو تقویت پہنچاتا ہے کہ جب آپ کی نبوت کے فیض سے پہلے بھی انبیاء بنتے رہے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اب یہ سلسلہ بند ہو جائے۔

تصویر کا رُخ زیبا

مدرسہ دیوبند کے سربراہوں کے ذریعے قادیانی مذہب کو کتنی تقویت ملی، اُسے پھولنے پھلنے کے کتنے مواقع میسر آئے اور ذہن کی فضا سازگار بنانے کے کیسے کیسے ایمان سوز نوشتے ہاتھ آئے، اس کی قدر تفصیل پچھلے اوراق میں آپ کی نگاہ سے گزر چکی، اب بریلی کے مرکز رُشد و ہدایت کا بھی ایک جلوہ ملاحظہ فرمائیے۔

وہ تاج برطانیہ جس کی حدود مملکت میں سورج نہیں غروب ہوتا تھا، نہ وہ بریلی کا قلم خرید سکا، نہ اس فتنے کی سرکوبی کے سلسلے میں حکومت کی سطوت و جبروت کا کوئی خطرہ وہاں حائل ہو سکا۔ ادھر فتنہ نے جنم لیا اور اُدھر سرخیل کاروان سنت، مجدد دین و ملت حضرت امام احمد رضا کے قلم کی تلوار بے

نیام ہو گئی۔ یہ پوری کہانی مولانا ابوالحسن علی ندوی کی زبانی سنیے کہ اسے دوست کا نہیں دشمن کا اعتراف کہا جائے گا۔

موصوف اپنے پیر و مرشد شاہ عبدالقادر رائے پوری کا ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''حضرت نے مرزا صاحب کی تصنیفات میں کہیں پڑھا کہ ان کو خدا کی طرف سے الہام ہوا کہ اُجِیْبُ کُلَّ دُعَائِکَ اِلَّا فِیْ شُرَکَائِکَ (میں تمہاری ہر دُعا قبول کروں گا سوا ان دعاؤں کے جو تمہارے شرکت داروں کے بارے میں ہوں)۔

حضرت نے مرزا قادیانی کو اسی الہام اور وعدہ کا حوالہ دے کر افضل گڑھ سے خط لکھا جس میں تحریر فرمایا کہ میری آپ سے کسی طرح کی بھی شرکت نہیں ہے اس لیے آپ میری ہدایت اور شرح صدر کے لیے دُعا کریں۔ وہاں سے بھی عبدالکریم صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا جواب ملا کہ تمہارا خط پہنچا، تمہارے لیے خوب دُعا کرائی گئی۔ تم کبھی کبھی اس کی یاد دہانی کر دیا کرو۔ حضرت فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں ایک پیسہ کا کارڈ تھا۔ میں تھوڑے وقفے کے بعد ایک کارڈ دعا کی درخواست کا ڈال دیتا۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے ایک دفعہ مرزائیوں کی کتابیں منگوائی تھیں اس غرض سے کہ ان کی تردید کر دیں گے۔ میں نے بھی دیکھیں قلب پر اتنا اثر ہوا کہ اس طرف میلان ہو گیا اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ سچے ہیں۔ (سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری، ص ۵۶،۵۵) (مرتبہ مولانا ابوالحسن علی ندوی)

اسی کتاب میں لکھا ہے کہ کچھ دنوں شاہ عبدالقادر صاحب اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بھی تھے لیکن دین میں اعلیٰ حضرت کی سختی انہیں پسند نہیں آئی اور وہ دوسری جگہ چلے گئے۔

اسی عبارت میں ایک طرف مرزا غلام احمد قادریانی کے ساتھ مولانا ابوالحسن علی ندوی کے پیر و مرشد کا کردار ملاحظہ فرمائیے کہ ایک کذاب مدعی نبوت کے ساتھ کتنی خوش عقیدگی ہے اور دوسری طرف اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کے ایمان و یقین کی بصیرت، حق کا عرفان اور باطل شکنی کا حوصلہ ملاحظہ فرمائیے کہ دشمن سے لڑنے کے لیے ہتھیار جمع کر رہے ہیں۔

رئیس التحریر: حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ

تحذیر الناس اور ختم نبوت

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

امابعد: مودودی صاحب پر کسی نے سوال کیا جس کو انہوں نے ''رسائل و مسائل'' حصہ اول میں ''ختم نبوت'' کے عنوان سے درج کیا اور جواب بھی تحریر کیا۔ سوال یہ تھا: ''مرزائی حضرات لفظ ''خاتم'' کے معنی نفیٔ کمال کے لیتے ہیں، نفیٔ جنس کے نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خاتم کا لفظ کہیں بھی نفیٔ جنس کے ساتھ استعمال نہیں ہوا اگر ہوا ہو تو مثال کے طور پر بتایا جائے ...... نفیٔ کمال کی مثالیں وہ یہ دیتے ہیں کہ مثلاً کسی کو خاتم الاولیاء کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ولایت اس پر ختم ہوگئی بلکہ حقیقی مطلب یہ ہوتا ہے کہ ولایت کا کمال اس پر ختم ہوا۔ اقبال کے اس فقرے کو بھی وہ نظیر میں پیش کرتے ہیں: آخری شاعر جہاں آباد کا خاموش ہے

اس کا مطلب یہ نہیں کہ جہاں آباد میں اس کے بعد کوئی شاعر پیدا نہیں ہوا، بلکہ یہ ہے کہ وہ جہاں آباد کا آخری باکمال شاعر تھا۔ اسی قاعدے پر وہ خاتم النبیین کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کمالاتِ نبوت ختم ہوگئے نہ یہ کہ خود نبوت ہی ختم ہوگئی۔'' (رسائل و مسائل، حصہ اوّل، صفحہ ۲۳، مطبوعہ اسلامک پبلی کیشنز، شاہ عالم مارکیٹ لاہور) اس سے پہلے کہ مودودی صاحب کا جواب نقل کروں، دارالعلوم دیوبند کے مدرس (المعروف بانی) مولوی محمد قاسم نانوتوی کے رسالہ ''تحذیر الناس'' سے ابتدائی پیرا نقل کر رہا ہوں، جس کا مفہوم سمجھانے کے بعد مودودی صاحب کا جواب نقل کروں گا۔ انشاء اللہ العزیز۔ مولوی محمد قاسم نانوتوی ایک استفتاء کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بعد حمد و صلوٰۃ کے قبل عرض جواب یہ گزارش ہے کہ اوّل معنی خاتم النبیین معلوم کرنے چاہئیں تاکہ فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو۔ سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ، انبیائے سابق کے زمانے کے بعد، اور آپ سب میں

آخری نبی ہیں، مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ پھر مقامِ مدح میں وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔ ہاں اگر اس وصف کو اوصافِ مدح میں سے نہ کہیئے اور اس مقام کو مقامِ مدح قرار نہ دیجئے تو البتہ خاتمیت باعتبار تاخر زمانی صحیح ہوسکتی ہے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ اہل اسلام میں سے کسی کو یہ بات گوارا نہ ہوگی کہ اس میں ایک تو خدا کی جانب نعوذ باللہ زیادہ گوئی کا وہم ہے، آخر اس وصف میں اور قد و قامت و شکل و رنگ و حسب و نسب و سکونت وغیرہ اوصاف میں، جن کو نبوت یا فضائل میں کچھ دخل نہیں، کیا فرق ہے جو اس کو ذکر کیا، اوروں کو ذکر نہ کیا۔ دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب نقصانِ قدر کا احتمال، کیونکہ اہل کمال کے کمالات ذکر کیا کرتے ہیں اور ایسے ویسے لوگوں کے اس قسم کے احوال بیان کیا کرتے ہیں۔ اعتبار نہ ہو تو تاریخوں کو دیکھ لیجئے۔ باقی یہ احتمال، کہ یہ دین آخری دین تھا اس لیے سدِ باب اتباعِ مدعیانِ نبوت کیا ہے، جو کل کو جھوٹے دعوے کرکے خلائق کو گمراہ کریں گے۔ البتہ فی حد ذاتہ قابل لحاظ ہے۔ پر یہ جملہ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ اور جملہ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ط میں کیا تناسب تھا جو ایک کو دوسرے پر عطف کیا اور ایک کو مستدرک منہ اور دوسرے کو استدراک قرار دیا اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی بے ربطی و بے ارتباطی خدا کے کلام معجز نظام میں متصور نہیں۔ اگر سدِ باب مذکور منظور ہی تھا تو اس کے لیے اور بیسیوں موقع تھے ...... بلکہ بناء خاتمیت اور بات پر ہے جس سے تاخر زمانی اور سدِ باب مذکور خود بخود لازم آجاتا ہے اور فضیلت نبوی دوبالا ہوجاتی ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہوجاتا ہے۔'' (تحذیر الناس، صفحہ ۳۲ تا ۳۴، مکتبہ حفیظیہ گوجرانوالہ)

مفتی محمد شفیع دیوبندی (صاحب تفسیر معارف القرآن) کراچی نے اپنی کتاب ''ختم نبوت'' میں سینکڑوں دلائل سے (قرآن و حدیث اور اجماع اُمت سے) ایک ہی بات ثابت کی ہے کہ ''خاتم النبیین'' کے معنٰی صرف اور صرف آخری نبی کے ہیں، دُوسرے کوئی معنٰی نہیں۔ یہ سینکڑوں دلائل نانوتوی صاحب کو نظر کیوں نہیں آئے جو انہوں نے استفتاء کے جواب میں پہلی سطر سے ہی لکھنا شروع کیا کہ ''اوّل معنٰی خاتم النبیین معلوم کرنے چاہئیں'' جب خاتم النبیین کے معنٰی میں اجماع قائم ہو چکا ہے اور پوری اُمت ایک ہی معنٰی ''آخری نبی'' پر قائم ہے تو نانوتوی

صاحب کو اس کا معنیٰ سمجھانے کی ضرورت کیوں پیش آ گئی۔ اُنہوں نے لکھا "معلوم کرنے چاہئیں" گویا پہلے معلوم نہ تھے؟ معلوم تھے مگر نانوتوی صاحب نے ظلم یہ ڈھایا کہ قرآن وحدیث اور آئمہ اُمت کے وہ سینکڑوں دلائل، جن کو مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کراچی نے اپنی کتاب "ختمِ نبوت" میں نقل کیا ہے، بیک بینی و دو گوش عوام کا خیال قرار دے دیا۔ جبکہ نانوتوی صاحب کے مجوزہ اہل فہم اس کے قائل نہیں۔ اُن کے نزدیک تو زمانے کے اعتبار سے آخری ہونا کسی بھی فضیلت کا باعث نہیں۔ "بالذات" کا لفظ تو محض دھوکہ ہے جس کو آڑ بنا کر وکیلانِ صفائی اپنی آخرت برباد کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں۔ محض اس لیے کہ امام احمد رضا خان بریلوی کو مورد الزام ٹھہرانے میں کہیں ہم نہ پیچھے رہ جائیں اور شاباش ہے ان کو کہ اس "جہادِ اکبر" میں انہوں نے جان کی بازی نہیں، آخرت کی بازی لگا دی ہے، اور واقعی وہ اس معرکے میں "کامیابی در کامیابی" حاصل کرتے چلے جا رہے ہیں۔ مان لیا کہ کم پڑھے لکھے حضرات مذکورہ بالا نانوتوی صاحب کے نقل کردہ پیرے کو نہ سمجھ سکتے ہوں گے مگر کیا جید کہلاتے والے علمائے دیوبند بھی اس کا مطلب سمجھنے سے قاصر ہیں؟ نہیں میں نہیں مانتا کہ وہ حقیقت نہ جان چکے ہوں مگر بُرا ہو تعصب، ضد اور ہٹ دھرمی کا، کہ ان کی موجودگی میں جادۂ مستقیم پر آنا، ہدایتِ خداوندی کے بغیر ممکن نہیں۔
"بالذات" کا لفظ مطلق مہمل ہے مگر وہ اسے گھسیٹ کر درمیان میں ضرور لاتے ہیں اسی طرح نانوتوی صاحب کے ایک جملے "اور اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔" میں وکیلانِ صفائی کبھی کہتے ہیں کہ اس جملے میں لفظ "بالفرض" ہے جس سے پتہ چلا کہ یہ عبارت محض فرضی ہے۔ اور کبھی "خاتمیتِ محمدی" کی تاویل "خاتمیتِ مرتبی" کی کرتے ہیں۔ کہ اس سے مراد خاتمیت مرتبی ہے خاتمیتِ زمانی نہیں۔ اور بڑے بڑے نامور، بُخاوری اور خرانٹ قسم کے مولوی بھی اس کو قضیۂ فرضیہ بنانے کو قرآن کریم سے مثالیں لے آتے ہیں جبکہ اس تحذیر الناسی جُملے اور قرآنِ مجید و فرقانِ حمید کی آیاتِ مقدسہ کا آپس میں کوئی ربط اور جوڑ نہیں بنتا۔ لیکن کیا کیا جائے منطق پڑھانے والے بڑے بڑے تجربہ کار دیوبندی اُستاد بھی اس معاملہ میں مُہر بہ لب ہیں۔ اگر وہ واقعی حق پرست ہیں تو بولتے کیوں نہیں؟ ممکن ہے کچھ حضرات بات نہ سمجھ پا رہے ہوں میں پہلے قرآنِ حکیم کی وہ آیتِ مقدسہ پیش کرتا ہوں جس کو جناب ڈاکٹر خالد محمود دیوبندی مانچسٹروی بڑی شد و مد سے پیش کرتے ہیں اور اُن کی

اتباع کو لازم خیال کرتے ہوئے اُن کے معتقد بھی اس آیت کا نقل کرنا فرض عین سمجھتے ہیں۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا "اگر ہوتے دونوں (زمین و آسمان) میں اور معبود، سوائے اللہ کے، تو دونوں خراب ہو جاتے۔" علمائے دیوبند کہتے ہیں کہ یہاں بھی "لَوْ" بالفرض کے معنوں میں ہے (یعنی تحذیر الناس کے وکیلانِ صفائی)، اس لئے علمائے اہل سنت، دیوبندیوں پر اعتراض کیوں کرتے ہیں، قرآن کریم پر بھی کریں۔ اس کے متعلق اپنے ہی مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کراچی کو سُنیے۔ "لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ" والی حدیث نقل کر کے وہ لکھتے ہیں "لفظ لَوْ عربی زبان میں اسی غرض کے لیے آتا ہے کہ شرط موجود نہ ہونے کی وجہ سے مشروط بھی موجود نہیں۔" (ختم نبوت کامل صفحہ ۲۳۹)

آیئے مفتی صاحب کے بتائے ہوئے کُلیے کے مطابق دیکھتے ہیں کہ نانوتوی صاحب والا جملہ "اور اگر بالفرض بعد زمانہ...... الخ" اور قرآنِ مقدس کی آیت کریمہ کا منطق کے لحاظ سے کوئی جوڑ بنتا ہے؟ پہلے قرآنِ حکیم کا تجزیہ کرتے ہیں۔

☆ زمین و آسمان کا خراب ہونا اس شرط پر موقوف ہے کہ کوئی اور بھی خدا موجود ہوں۔ چونکہ زمین و آسمان میں کوئی اور خدا موجود نہیں اس لیے زمین و آسمان برباد بھی نہیں۔ لہٰذا شرط موجود نہ ہونے کی وجہ سے مشروط بھی موجود نہیں یعنی آیت کے پہلے حصے میں مشروط ہے اور وہ یہ ہے کہ زمین و آسمان برباد ہو چکے ہوتے۔

تو چونکہ اب جبکہ دوسرا معبود کوئی نہیں لہٰذا زمین و آسمان برباد بھی نہیں بلکہ سلامت ہیں۔

اب نانوتوی صاحب کے جُملے کا تجزیہ کرتے ہیں۔

"اور اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا" یعنی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آنا اس شرط پر موقوف ہے کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی پیدا ہو۔

یہاں معاملہ اُلٹا ہو گیا ہے اور تجزیہ ناممکن۔ اس لیے کہ اگر حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی آئے تو خاتمیتِ محمدی میں فرق آتا ہے جبکہ نانوتوی صاحب کے مطابق کچھ فرق نہیں آتا۔ اب ہے کوئی علامۃ الدہر جو اس جُملے کا تجزیہ علم منطق کے بتائے گئے اصولوں پر کر کے اس کو درست اور صحیح ٹھہرا سکے۔ قیامت کا سورج طلوع ہو سکتا ہے مگر کوئی مائی کا لال اس جُملے کو صحیح نہیں ٹھہرا سکتا۔ ہاں اگر

جملہ یوں ہوتا تو معیار پر پورا اُترتا۔

''اور اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ کوئی نبی پیدا ہو تو پھر خاتمیتِ محمدی میں فرق آجاتا ہے۔'' یعنی خاتمیتِ محمدی میں فرق آنا اس شرط پر موقوف ہے کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی پیدا ہو۔ چونکہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی پیدا ہو ہی نہیں سکتا اور نہ ہوا اس لیے خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق بھی نہیں آیا۔ لہٰذا شرط موجود نہ ہونے کی وجہ سے مشروط بھی نہیں۔ مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کے بتائے گئے کُلیے کے مطابق قرآنِ مجید کی آیتِ مقدسہ کا مطلب و مفہوم تو بالکل بجا ہے کہ وہ خدائی کلام ہے، جس کا نقطہ نقطہ سچا اور برحق ہے مگر بدقسمتی ہے بانی دارالعلوم دیوبند کا تحذیر الناسی فقرہ اس معیار پر پورا نہیں اُتر سکتا۔ ممکن ہی نہیں۔ لہٰذا دیوبندی وکیلانِ صفائی کے علم کا بھرم اسی مقام پر کُھل جاتا ہے۔ لیکن پھر وہی بات، کہ تعصب، ضد اور ہٹ دھرمی سیدھی راہ پر آنے نہیں دیتی۔ ایمان ہاتھ سے جاتا ہے سو بار جائے، اپنے مولوی کا نام اُونچا رہے۔ اس سے بڑی اور جہالت کیا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ایسے رویئے سے محفوظ و مامون رکھے۔ اور یہ جہالت تو پہلے سے بھی کئی گنا بڑھ کر ہے کہ جملے کا قضیہ فرضیہ ہونا بھی بتاتے ہیں اور خاتمیتِ محمدی کی ''خاتمیتِ مرتبی'' ہونا تاویل بھی کرتے ہیں۔ انہیں کوئی اپنا مولوی بھی نہیں بتاتا کہ جب تم نے خاتمیتِ محمدی سے خاتمیتِ مرتبی مراد لے لی تو اب جملہ شرطیہ نہ رہا اور نہ یہ قضیہ و فرضیہ ہوا۔ یعنی ان لوگوں نے صفحے کے صفحے اس بات پر سیاہ کر دیئے ہیں اور ہم مظلوم اہلِ سُنّت پر خوب گرجے، برسے، دھاڑے ہیں کہ یہ خاتمیتِ محمدی کو خاتمیتِ مرتبی نہیں کہتے، زمانی کہتے ہیں یہ سُنّی عبارت پر بڑا ظلم کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ تو اب یہی تو عرض کیا ہے کہ خاتمیتِ محمدی سے مراد اگر مرتبی خاتمیت ہے تو جملہ شرطیہ نہ رہا۔ پھر معنٰی یہ ہوگا کہ واقعی خاتمیتِ مرتبی میں فرق نہیں آئے گا۔ اور یہ معنٰی بڑے دھڑے سے مان رہے ہیں۔ دیکھ لیجئے ڈاکٹر خالد محمود صاحب کا مقدمہ تحذیر الناس، جو مکتبہ حفیظیہ گوجرانوالہ سے چھپی ہے۔ تو اب کوئی دیوبندی مولوی ڈاکٹر خالد سے کیوں نہیں پوچھتا کہ جب تم نے خاتمیتِ محمدی سے مراد حقیقتاً خاتمیتِ مرتبی لیتے ہو تو دوسری جانب جملے میں ''بالفرض'' کی آڑ لے کر اس کو فرضی عبارت کس لیے ثابت کرتے ہو اور استدلال میں قرآنی آیات کس لیے پیش کرتے ہو۔ ڈاکٹر خالد صاحب کو کیوں نہیں بتاتے کہ قرآنی آیات تو علم منطق کی رُو سے واقعی فرضیہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ مگر نانوتوی کا تحذیر الناسی فقرہ قضیہ فرضیہ کے درجے پر پہنچنے سے

معذور ہے۔ درحقیقت یہ لوگ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ٥ (سورۃ یٰسٓ) ''اور ہم نے ان کے آگے دیوار بنا دی اور ان کے پیچھے ایک دیوار، اور انہیں اُوپر سے ڈھانک دیا تو انہیں کچھ نہیں سوجھتا'' کا مصداق بن کر رہ گئے ہیں۔ تحذیر الناسی فقرے کو فرضی مانیں تو ختمِ زمانی کا عقیدہ گیا یعنی فرض کریں کہ حضور ﷺ کے بعد نبی پیدا ہو تو...... خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ اسی طرح ختمِ نبوت کا انکار ہوا۔ اور اگر اس خوف سے خاتمیتِ مرتبی کے معنوں میں لیں تو پھر فقرہ فرضی نہ رہا بلکہ معنٰی یہ ہوا کہ ''فرض کریں اگر حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی پیدا ہو تو...... خاتمیتِ مرتبی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔'' حالانکہ خاتمیتِ مرتبی میں بھی فرق آتا ہے۔ اس میں آپ کی کسرِ شان ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی پیدا ہو کیونکہ پھر تو آپ قیامت تک کے نبی نہیں ہوں گے بلکہ اُمّت اُس پیدا ہونے والے نبی سے منسوب ہو جائے گی اور پھر تو نئے دین اور کسی نئی آسمانی کتاب کا امکان بھی نکل آتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ کتنا خطرناک اور ایمان شکن یہ عقیدہ ہے کہ ''حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی پیدا ہو تو آپ کی خاتمیتِ مرتبی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔'' اور ڈاکٹر خالد محمود تو مقدمہ تحذیر الناس میں کُھل کر کہتے ہیں ''واقعی کچھ فرق نہیں آتا'' جبکہ مفتی محمد شفیع دیوبندی کراچی لکھتے ہیں: ''آپ کی نبوت قائم ہوتے ہوئے کسی کو عہدۂ نبوت دینا آپ کی کسرِ شان ہے'' (ختمِ نبوت صفحہ ۲۳۹) فیروز اللغات میں ''کسرِ شان'' کے یہ معنٰی درج ہیں: ''خلافِ شان، وہ بات جس سے آدمی کی عزت و آبرو میں فرق آجائے۔'' تو اس طرح جب آپ کے مرتبہ میں فرق آگیا تو خاتمیتِ مرتبی بھی باقی نہ رہی کیونکہ تحذیر الناس کے حاشیے میں حافظ عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی لکھتے ہیں: ''خاتمیت کا دارومدار آپ کے مرتبہ پر ہے۔'' (حاشیہ تحذیر الناس صفحہ ۳۳ مکتبہ حفیظیہ گوجرانوالہ)

جب خاتمیت کا دارومدار آپ کے مرتبہ پر ہے تو کسی نئے نبی کے پیدا ہونے سے وہ مرتبہ باقی نہیں رہتا۔ اس میں آپ کی کسرِ شان ہے، عزت و آبرو میں فرق آتا ہے۔ لہٰذا آپ کی خاتمیتِ مرتبی میں بھی فرق آئے گا۔ ان بے چاروں کے دونوں طرف دیوار، اُوپر سے ڈھکنا اور نیچے زمین، چاروں طرف سے بند اور لَا يُبْصِرُوْنَ بھی، نظر بھی کچھ نہیں آتا۔ کوئی علامہ پی۔ ایچ۔ ڈی ہے کوئی ایم۔ اے اسلامیات، ایل ایل بی ہے اور مناظرِ بے بدل، مگر

ع کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

اس موضوع پر بڑی تفصیل سے بے شمار دلائل کے ساتھ مضمون آ رہا ہے۔ انشاء اللہ العزیز

اب رہ گئی "بالذات" کی بات۔ تو یہ بھی لفظ "بالعرض" کی طرح مطلق مہمل ہے۔ بڑی سیدھی سی بات ہے کہ پہلے نانوتوی صاحب نے کہا: "تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔" دیوبندیوں کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ ہمارے حضرت صرف بالذات فضیلت کی نفی کر رہے ہیں۔ بالعرض فضیلت کی نہیں۔ لیکن متصل اگلے الفاظ میں بالعرض فضیلت کی بھی نفی کر دی۔ ملاحظہ فرمائیے، پہلے کہا۔

"تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں" یا "تقدم یا تاخر زمانی میں بالعرض فضیلت ہے" یعنی آخری نبی ہونے میں بالذات فضیلت نہیں۔ بالعرض فضیلت ہے۔ اسی کے پیش نظر کہا جاتا ہے کہ امام احمد رضا خاں نے بڑی خیانت کی اور یہاں "اصلاً" لکھ کر مطلق فضیلت کا انکار کر دیا، لیکن تھوڑی سی بھی عقل رکھتے تو امام احمد رضا پر یہ الزام نہ رکھتے۔ اس لیے کہ اگلے ہی جملے میں نانوتوی صاحب نے بالعرض فضیلت کی بھی نفی یہ کہہ کر، کر دی:

"پھر مقام مدح میں ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے (یعنی خاتم کا معنیٰ آخری نبی ماننے کی صورت میں) ہاں اگر اس وصف کو (یعنی آخری نبی ہونے کے وصف کو) اوصاف مدح میں سے نہ کہئے اور اس مقام (ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین) کو مقام مدح قرار نہ دیجئے تو البتہ خاتمیت اعتبار تاخر زمانی صحیح ہو سکتی ہے" معلوم ہوا آخری نبی ہونا کوئی مدح یا فضیلت کی بات نہیں، کیونکہ لائق فضیلت وہی ہے جو لائق مدح ہو۔ جو لائق مدح نہیں وہ لائق فضیلت کہاں رہی۔ لہٰذا جب آخری نبی ہونا مقام مدح میں ذکر کرنا صحیح نہیں تو ثابت ہوا کہ اس میں نہ بالذات فضیلت ہے نہ بالعرض۔ دونوں فضیلتوں کی نفی ہو گئی۔ البتہ آخری نبی کو اوصاف مدح سے خارج کر دیجئے (کسی قسم کی فضیلت باقی نہ رکھئے) اور دوسرے یہ کہ مقام آیت کو بھی مقام مدح سے نکال دیجئے۔ تب جا کر "آخری نبی" کے معنیٰ صحیح ہو سکتے ہیں۔ اس کا حل نانوتوی صاحب نے یہ بتایا ہے کہ بناء خاتمیت اور بات پر ہے اور وہ یہ ہے کہ "موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہو جاتا ہے۔" تو نانوتوی صاحب کا مطلب یہ ہوا کہ مقام مدح میں کسی وصف کے ذکر کے لیے اُس وصف کا بالذات ہونا ضروری ہے۔ بالذات نہ ہو تو وہ وصف کسی بھی فضیلت کا حامل نہیں اور نہ مقام مدح میں بیان کرنے کے لائق۔ سوچئے اور خوب سوچئے کہ

نانوتوی صاحب "آخری نبی" کے معنیٰ میں اگر بالعرض فضیلت کے قائل ہوتے تو یہ ہرگز نہ کہتے کہ "مقام مدح میں ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین فرمانا اس (آخری نبی اور بالعرض فضیلت ہونے کی) صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے"۔ یہاں بالعرض فضیلت کی بھی نفی ہوئی یا نہ؟ اسی لیے امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے لکھا کہ "لَا فَضْلُ فِیْهِ اَصْلاً" یعنی نانوتوی کے نزدیک "آخری نبی" کے معنیٰ میں مطلقاً اور اصلاً کوئی فضیلت نہیں۔ البتہ دیوبندی ایک اور بات کہہ سکتے ہیں کہ نانوتوی صاحب آخری نبی کے معنیٰ میں بالعرض فضیلت کے قائل ہیں لیکن وہ اس کے بھی قائل ہیں کہ یہ آیت مقامِ مدح ہے اور "آخری نبی" بالعرض فضیلت کا وصف رکھنے کے باوجود اس مقام پر بیان کرنے کے قابل نہیں۔ کیوں قابل نہیں؟...... اس کا جواب نانوتوی صاحب نے اگلے الفاظ میں خود ارشاد فرما دیا ہے۔

آپ فرماتے ہیں: "(اس وصف کو) نبوت یا فضائل میں کچھ دخل نہیں" یعنی آخری نبی ہونے کو جو بقول علمائے دیوبند بالعرض فضیلت کا حامل ہے، نبوت یا فضائل میں کچھ دخل نہیں رکھتا۔ یعنی کسی بھی ("کچھ" کے معنیٰ کسی بھی) فضیلت کے لائق نہیں۔ اب یہ معمہ دیوبندی ہی حل کر سکتے ہیں کہ ایک شے بالعرض فضیلت کی حامل بھی ہے اور وہی شے کچھ فضیلت نہیں بھی رکھتی۔ دونوں میں کون سی بات درست ہے؟ فضیلت ہے بھی، اور نہیں بھی۔

ع اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا

اگر "بالعرض فضیلت" مقامِ مدح میں ذکر کرنے کے لائق نہیں تو بقول نانوتوی صاحب دیگر تمام انبیاء کرام کی فضیلتیں بالعرض ہیں، پھر انہیں اللہ تعالیٰ نے کلامِ پاک میں جگہ جگہ فضائل کے طور پر کیوں بیان فرمایا ہے؟

درحقیقت تحذیر الناس تضاد کا ایسا مجموعہ ہے اور حق کا اس شدت سے بطلان ہے (چند مقامات کو چھوڑ کر) کہ انسان تضاد ڈھونڈتے اور بطلان تلاش کرتے تھک جائے مگر تضادات اور بطلانِ حق ختم ہونے میں نہ آئیں۔ اُوپر جو شروع میں تحذیر الناس کا ابتدائی پیرا نقل کیا گیا ہے۔ اس میں نانوتوی صاحب نے خاتم کے معنیٰ "آخری نبی" کو سولہ طریقوں سے ردّ کیا ہے اور اُس کی خرابیاں بیان کی ہیں۔ (جس کو تفصیلاً ہم نے ایک اور مضمون میں بیان کر دیا ہے)۔ اگر کوئی دیوبندی مولوی اس کا انکار کرے تو اُسے کہیں کہ اس پیرے کا ایک ایک جملہ الگ الگ نقل کرے

اور آگے اُس کو آسان معنوں اور آسان مطلب میں لکھتا جائے اور جہاں جہاں راقم السطور یعنی بندۂ ناچیز نے الفاظ کو خط کشیدہ کیا ہے، اُن کی وضاحت کرتا چلا جائے۔ یہ لوگ پیرا نقل کر کے آخر میں مجموعی طور پر اپنا مطلب اپنی مرضی کے مطابق بیان کر دیتے ہیں جن کا تحذیر الناس میں نام و نشان بھی نہیں ہوتا۔ اس لیے ان سے ایک ایک جملے کا الگ الگ مفہوم و مطلب سمجھا جائے۔ یعنی لکھوایا جائے تاکہ جہاں ڈنڈی ماریں فوراً پکڑے جائیں۔ مولوی محمد قاسم نانوتوی اس شروع کے پیرے میں خاتم کے معنٰی ''آخری نبی'' ہونے کی مذمت کرتے نظر آتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ اس پیرے کا آسان مطلب یہ ہے ''اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور حضور ﷺ پر درود شریف بھیجنے کے بعد جواب سے پہلے گزارش یہ ہے کہ پہلے قرآنی الفاظ ''وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ'' کا ''خاتم'' ہونا ان معنوں میں ہے کہ آپ کا زمانہ، گزرے ہوئے پہلے نبیوں کے زمانے کے بعد، اور آپ سب نبیوں میں آخری نبی ہیں، مگر خاص عقل رکھنے والے جانتے ہیں کہ زمانے کے اعتبار سے پہلے آنا یا زمانے کے اعتبار سے آخری ہونا ذاتی طور پر کوئی فضیلت نہیں رکھتا۔ جب معاملہ یہ ہے تو پھر مدح و تعریف کے مقام میں وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ فرمانا ''آخری نبی'' کے معنوں میں جو کہ عوام کا خیال ہے اور جس میں کوئی فضیلت نہیں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے ہاں اگر اس وصف یعنی ''آخری نبی'' کے معنٰی کو کسی خوبی اور تعریف کے لائق نہ جانیں (کہ آخری نبی ہونا کوئی کمال اور خوبی کی بات نہیں) اور دوسرے یہ بھی کہ اس آیت والے مقام کو تعریف کی جگہ قرار نہ دیں تو البتہ خاتمیت یعنی زمانے کے اعتبار سے آخری نبی ہونا، صحیح ہو سکتا ہے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ اہل اسلام میں سے کسی کو یہ بات گوارا نہ ہو گی کہ خاتم کا معنٰی ''آخری نبی'' کرنے میں، کہ جو کسی تعریف و فضیلت کے لائق ہی نہیں، ایک تو خدا کی جانب، نعوذ باللہ، فضول بات کا وہم ہے، آخر اس ''آخری نبی'' ہونے کے وصف میں اور قد، قامت، شکل، رنگ، حسب، نسب اور سکونت وغیرہ اوصاف میں، جن کو نبوت یا فضائل میں کچھ بھی دخل نہیں، اور کیا فرق ہے جو اس ''آخری نبی'' ہونے کے معنٰی کو بیان کر دیا اور قد، قامت، شکل، رنگ اور حسب و نسب کو ذکر نہ کیا۔ یعنی جس طرح ایک نبی شکل، رنگ، حسب و نسب اور قد و قامت میں کوئی فضیلت نہیں رکھتا، اسی طرح ''آخری نبی'' ہونا بھی کوئی فضیلت نہیں رکھتا۔ تو اللہ تعالیٰ کو چاہیے تھا کہ جہاں اُس نے ایک بے فضیلت وصف ''آخری نبی'' کا ذکر کیا، دوسرے بھی ذکر کر دیتا، تو کیا وجہ ہے کہ ایک کو ذکر کیا اوروں کا ذکر نہ کیا (گویا یہاں خاتم

کا معنٰی ''آخری نبی'' نہیں ہے) دوسرا یہ ہے کہ ''آخری نبی'' معنٰی لینے سے حضور ﷺ کی شان کم کرنے کے مترادف ہے، کیونکہ ہمیشہ صاحبِ کمال لوگوں کے کمالات بیان کئے جاتے ہیں نہ کہ ''آخری نبی'' جیسا بے فضیلت وصف، البتہ ایسے ویسے یعنی ایرے غیرے جو لوگ ہوتے ہیں، جن کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، اُن کے اس قسم کے احوال کہ جن کو فضائل میں کچھ دخل نہیں ہوتا، بیان کئے جاتے ہیں اعتبار نہ ہو تو تاریخ کی کتب دیکھ لیجئے (تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں حضور ﷺ کی شان میں تعریف کی جگہ پر ایک ایسا معنٰی بیان کرے، ''آخری نبی'' جو کسی قسم کی فضیلت کے لائق ہی نہ ہو)۔ باقی یہ گمان کرنا کہ یہ دین آخری دین تھا اس لیے ''زمانے کے لحاظ سے آخری نبی'' کا معنٰی کر کے نبوت کے جھوٹے دعوے داروں کی قطعی طور پر راہ روک دی ہے۔ جو کل کو مخلوقِ خدا کو گمراہ کریں گے البتہ اپنی ذات کی حد تک قابل لحاظ ہے۔ پر (یہ بات بھی قابل قبول نہیں) آخر مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ اور جملہ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ میں کیا مناسبت تھی جو ایک کو دوسرے کے حکم میں شامل کیا۔ ایک کو مستدرک منہ اور دوسرے کو استدراک قرار دیا یعنی پہلے جملے میں فرمایا۔ ''محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں'' اس جملے سے جو وہم پیدا ہوتا تھا وہ وَلٰكِنْ جو استدراک کہلاتا ہے، لگا کر دور کر دیا اور فرمایا ''ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے'' تو (بقول نانوتوی) ''آخری نبی'' کا معنٰی پہلے جملے کے وہم کو دور نہیں کرتا اس لیے دونوں جملوں میں کیا مناسبت تھی جو ایک کو دوسرے پر عطف کیا۔ اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی بے ربطی و بے ضبطی کہ ''آخری نبی'' کا معنٰی بنتا نہیں اور لا کر رکھ دیا جائے، خدا کے معجزانہ کلام میں اس کا کوئی تصور نہیں۔ اگر جھوٹی نبوت کے دعوے داروں کی راہ روکنی ہی تھی تو اس کے لیے اور بیسیوں موقع تھے، یہ آیت جھوٹے نبیوں کی راہ روکنے کے لیے نہیں کہ اس کا معنٰی زمانے کے لحاظ سے ''آخری نبی'' کیا جائے بلکہ خاتمیت کی بنیاد ''آخری نبی'' کے معنٰی پر نہیں اور بات پر ہے۔ جس سے آپ کا زمانے کے لحاظ سے آخری ہونا بھی ثابت اور مدعیانِ نبوتِ کاذبہ کے لیے بھی سدِ باب ہے۔ اس طرح فضیلتِ نبوی دوبالا ہو جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ خاتمیت کا دار و مدار آپ کے مرتبہ پر ہے ''آخری نبی'' ہونے پر نہیں۔ یعنی وہ یہ کہ ''موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہو جاتا ہے'' یعنی آپ کی نبوت ذاتی ہے اور باقی نبیوں کی نبوت عرضی ہے یعنی اس معنٰی میں یا اس وصف (بالذات) میں ایک کمال ہے۔ ایک مرتبہ ہے ایک

شان ہے اور ایک فضیلت ہے۔ جبکہ "آخری نبی" ہونے میں کوئی مرتبہ اور شان نہیں۔"

یہ ہے تحذیر الناس کے اُس پہلے پیرے کا آسان مطلب جو ہم نے مضمون کے شروع میں نقل کیا۔ پیرے کا ایک ایک لفظ گواہی دے رہا ہے کہ نانوتوی صاحب "خاتم" کا معنیٰ "آخری نبی" لینے کے قائل نہیں۔ وہ اس کے رڈ میں بھرپور دلائل دے رہے ہیں۔ لفظ "بالذات" مطلق یہاں مہمل ہے۔ کیونکہ اگلے ہی جملے وہ تاخر زمانی یعنی "آخری نبی" ہونے پر ہر قسم کی فضیلت کا انکار کر رہے ہیں۔ وہ کتنا کھل کر کہہ رہے ہیں کہ ہاں اگر اس وصفِ تاخر زمانی کو اگر اوصافِ مدح سے خارج کر دیا جائے اور آیت کریمہ کو بھی مقامِ مدح قرار نہ دیا جائے، تب البتہ خاتمیت باعتبار تاخر زمانی صحیح ہو سکتی ہے۔ جب اس کو اوصافِ مدح سے خارج کر دیں گے تو اس میں "بالعرض فضیلت" کو بھی خارج کرنا پڑے گا ورنہ مدح ہو جائے گی۔ لیکن نانوتوی صاحب اس میں خاتمیت باعتبار تاخر زمانی اُس وقت مانتے ہیں جب اس میں کسی قسم کی فضیلت نہ مانی جائے، لیکن فوراً کہہ اُٹھتے ہیں "مگر میں جانتا ہوں کہ اہلِ اسلام میں سے کسی کو یہ بات گوارا نہ ہوگی" کہ خاتم کا معنیٰ فقط آخری نبی کیا جائے۔ یہاں سے وہ اس کی ایک ایک خرابی گنوانا شروع کرتے ہیں اور تان اس بات پر ٹوٹتی ہے کہ درحقیقت بنائے خاتمیت "تاخر زمانی" پر نہیں بلکہ کسی اور بات پر ہے اور وہ بات ہے کہ آپ بالذات نبی ہیں۔ نانوتوی صاحب نے خاتمیت کی بنیاد مراتب و درجات اور فضائل و کمالات پر رکھی ہے۔ کیونکہ اُن کے نزدیک ذاتی نبی ہونا کمالات سے ہے۔ آخری نبی ہونا نہیں اسی لیے وہ واضح طور پر لکھتے ہیں۔ "چنانچہ اضافت الی النبیین بایں اعتبار کہ نبوت منجملہ اقسامِ مراتب ہے یہی ہے کہ اس مفہوم کا مضاف الیہ وصفِ نبوت ہے زمانۂ نبوت نہیں۔"

(تحذیر الناس صفحہ ۴۴ مکتبہ حفیظیہ گوجرانوالہ جون ۸۴ء)

مزید لکھتے ہیں: "شایانِ شانِ محمدی ﷺ خاتمیت مرتبی ہے، نہ زمانی" (ایضاً صفحہ ۴۴)

حاشیہ صفحہ ۴۳ میں خاتم النبیین کا پہلا معنیٰ لکھا گیا ہے "بلندی رُتبہ میں سب سے بلند اور آخری رُتبہ پانے والے" اور صفحہ ۳۳ پر حاشیہ میں لکھا گیا "خاتمیت کا دار و مدار آپ کے مرتبہ پر ہے۔" جب نانوتوی صاحب نے خاتم النبیین کے معنیٰ "آخری نبی" کو توڑ دیا اور صاف صاف لکھ دیا کہ خاتم کا مُضاف الیہ (یعنی خاتم کی نسبت جو نبیوں کی طرف کی گئی ہے) انبیاء کرام کا مرتبہ ہے، زمانہ نہیں، یعنی آپ اوصافِ نبوت کے خاتم ہیں، زمانۂ نبوت کے نہیں اور حضور ﷺ کے شایانِ شان مراتب

کا خاتم ہونا ہے، زمانے کا خاتم ہونا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نانوتوی صاحب برسرِ عام کہہ اُٹھے:

"بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔" (تحذیر الناس صفحہ ۷۶ مکتبہ حفیظیہ جون ۸۴ء)

نانوتوی صاحب اور اُن کے وکیلانِ صفائی علمائے دیوبند کے عقیدے کے مطابق فرق اس لیے نہیں آئے گا کہ حضور ﷺ مراتب نبوت کے خاتم ہیں، زمانۂ نبوت کے نہیں یعنی اب حضور ﷺ کے بعد بھی اگر کوئی اللہ تعالیٰ کا نبی پیدا ہو جائے تو وہ بالفرض نبی ہوگا، آپ سے مرتبے اور درجے میں کم ہوگا، ذاتی نبی ہونے کی بناء پر افضلیت آپ کی جانب ہی رہے گی۔ یہ ہمارا ذاتی خیال یا کوئی ملاوٹ بناوٹ نہیں بلکہ خود نانوتوی صاحب لکھتے ہیں:

"یعنی کمالاتِ اصل میں جو تشبیہ تھی وہی نسبت کمالاتِ عکوس میں بھی محفوظ رہے۔ اس صورت میں اگر اصل و ظل میں تساوی بھی ہو (یعنی حضور ﷺ اور نانوتوی صاحب کے تجویز کردہ دیگر خاتمین میں برابری بھی ہو) تو کچھ حرج نہیں کیونکہ افضلیت بوجہ اصلیت پھر بھی ادھر (حضور کی جانب) رہے گی" (صفحہ ۸۲، ایضاً)

نانوتوی صاحب اس فقرے میں بھی خاتم بمعنیٰ افضل النبیین کا تصور دے کر اور آپ کو مراتب نبوت کا خاتم ٹھہرا کر ختم نبوت زمانی کا انکار کیا گیا ہے۔ بلکہ صفحہ ۷۵ پر بھی واضح طور پر لکھ دیا کہ سات زمینوں کے سات خاتم تو کیا، لاکھوں زمینوں کے لاکھوں خاتم موجود ہوں تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا کیوں کہ اُن سب کی نبوت عرضی ہوگی جبکہ آپ بالذات نبی ہیں اور یہ صفت آپ کو سب سے افضل ٹھہراتی ہے اور کسی نبی کا حضور ﷺ سے پہلے ہونا یا بعد میں آنا، کچھ معنیٰ نہیں رکھتا کیونکہ زمانہ تو اپنے اندر کچھ فضیلت نہیں رکھتا یعنی "تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔"

نانوتوی صاحب کے ذہن میں خاتم بمعنیٰ بالذات نبی یا افضل النبیین سما گیا تھا اس لیے انہوں نے حضور ﷺ کو مراتب کا خاتم ٹھہرایا، زمانے کا خاتم نہیں۔ اور "آخری نبی" ہونے کو کسی لائق نہ سمجھا اور اِس معنیٰ کو پہلے پیرے میں سولہ طریقوں سے رڈ کر دیا۔ پوری تحذیر الناس کا تانا بانا اس معنیٰ یعنی بالذات نبی پر بُنا گیا ہے کہ وہ ذاتی نبی ہونے کی بناء پر کہ وہ براہِ راست اللہ کے نبی ہیں۔ جبکہ باقی انبیاء کی نبوت عرضی ہے اور یہ آپ کی اتنی بڑی شان اور فضیلت ہے کہ اگر آپ

کے بعد بھی کوئی نبی آ جائے تو ختم نبوت پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ اس لیے کہ آپ زمانۂ نبوت کے خاتم ہیں ہی نہیں، آپ تو انبیاء کے مراتب کے خاتم ہیں۔ یہی بولی ڈاکٹر خالد محمود دیوبندی مانچسٹروی بول رہے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی مقدر مانا جائے تو اُسے بھی حضور ﷺ کے آفتاب نبوۃ سے مُستنیر (روشنی طلب کرنے والا) مقدر مانا جائے گا اور اسے حضور ﷺ کی خاتمیت مرتبی میں واقعی کچھ فرق نہیں آئے گا۔'' (مقدمہ تحذیر الناس، صفحہ ۱۷، مطبوعہ جون ۸۴ء) خاتمیت زمانی میں فرق آنے کا اقرار تو ڈاکٹر صاحب کرتے ہیں مگر گہری جہالت اور اندھی عقیدت کے باعث خاتمیت مرتبی میں فرق نہیں سمجھتے۔ حالانکہ مفتی محمد شفیع دیوبندی لکھتے ہیں: ''اگر آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی یا رسول آتا ہے تو آپ کی امتیازی فضیلت باقی نہیں رہتی، آپ کی اُمت پھر اُس نبی کی اُمت کہلائے گی جو بعد میں مبعوث ہوا۔'' (ختم نبوت کامل، صفحہ ۱۴۴، ادارۃ المعارف کراچی)

ایک حوالہ دیوبندیوں کے سرخیل انور شاہ کشمیری کا بھی ملاحظہ کرتے جائیں۔ لکھتے ہیں:

''حضرت خاتم النبیین ﷺ کے بعد سلسلۂ نبوت کا جاری رہنا آپ کی فضیلت و منقبت کو ظاہر نہیں کرتا بلکہ اس سے آپ کی تنقیص ہوتی ہے کہ سب سے اعلیٰ و افضل ہونے کے باوجود آپ مقاصدِ نبوت کی تکمیل نہیں کر سکے تبھی تو مزید انبیاء کے بھیجنے کی ضرورت لاحق ہوئی۔''

(خاتم النبیین، صفحہ ۱۶۲ از انور شاہ کشمیری، ترجمہ و تشریح مولوی محمد یوسف لدھیانوی)

کاش! کوئی دیوبندی جرأت کرے اور یہ حوالے ڈاکٹر خالد محمود کے سامنے رکھ کر پوچھے کہ ان کا جواب کیا ہے۔ جواب یہ ہوگا کہ تک تک دیدم دم نہ کشیدم۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ دین اسلام کے مسلمہ احکام کو جان بوجھ کر جو ٹھکرائے، محض مسلکی بنیاد پر، اپنے مولوی کو بچانے کی خاطر اور باطل تاویلات سے دفاع کی کوشش کرے، ایسے کو اللہ کریم عزوجل بھی توبہ کی توفیق نہیں دیتا۔ اور معاملہ جب رحمۃ اللعالمین، ختم المرسلین، باعثِ تخلیقِ کائنات، فخر موجودات حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کا ہو تو ہدایت کی راہیں کچھ اور بھی دور ہو جاتی ہیں کہ اپنے مولوی کی عزت کو اُن کی عزت پر ترجیح دے رہا ہے۔ یہاں مجھے اپنے جدّ امجد، مولائے کائنات حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا قول مبارک یاد آ گیا ہے کہ ''جب آنکھیں بند ہوں گی تو پھر آنکھیں کھل جائیں گی۔'' ...... مگر پھر چڑیاں کھیت چگ چکی ہوں گی اور پانی سر سے گزر چکا ہوگا۔ وہ دار العمل نہیں، دار الجزا ہوگا۔ تیار

رہیے۔ (قارئین ذہن نشین کر لیں کہ ایسے متعدد دلائل حقہ ہمارے ایک دوسرے مضمون میں آ رہے ہیں جو تحذیر الناس کے متعلق ہے۔ انشاء اللہ العزیز)

مضمون کے شروع میں ہم نے مودودی صاحب کے ''رسائل و مسائل'' سے بات شروع کی تھی کہ سوال مرزائیوں کی طرف سے یہ پوچھا گیا کہ خاتم کا لفظ کہیں بھی نفیِ جنس (یعنی نفیِ نبوت) کے ساتھ استعمال نہیں ہوا، نفیِ کمال کے لیے آیا ہے۔ مثلاً کسی کو خاتم الاولیاء کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ولایت اس پر ختم ہو گی بلکہ حقیقی مطلب یہ ہوتا ہے کہ ولایت کا کمال اس پر ختم ہوا۔ اسی قاعدے پر وہ (مرزائی) خاتم النبیین کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ پر کمالاتِ نبوت ختم ہو گئے نہ یہ کہ خود نبوت ہی ختم ہو گئی۔

نانوتوی صاحب کی عبارات بھی آپ نے ملاحظہ فرما لیں۔ یہاں پھر کہا جا سکتا ہے کہ نانوتوی صاحب تاخرِ زمانی کے قائل ہیں اور اس کے منکر کو کافر سمجھتے ہیں جبکہ مرزائیہ بالفعل مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مان چکے ہیں۔ عوام الناس تو اس بات کو سمجھنے سے معذور ہیں، حیرت اُن دیوبندیوں اور صلح کلیوں پر ہے جو عالم کہلا کر بھی تحذیر الناس کی عبارت کا مفہوم سمجھنے سے قاصر رہے۔ ایک ہوتا ہے امکان، یہ امکان ۱۸۷۲ء میں تحذیر الناس لکھ کر پیدا کیا گیا۔ مرزے کے دعوئ نبوت کاذبہ سے ۲۸، ۳۰ سال پہلے۔ اس میں یہی بات کہی گئی کہ زمانے کے اعتبار سے آخری نبی ہونا کچھ فضیلت کی بات نہیں بلکہ بنائے خاتمیت ایسے وصف پر ہے جس سے عظمت و شان اور مرتبہ و درجہ اور فضل و کمال کا اظہار ہوتا ہے۔ اور یہ ہے بالذات نبی، یعنی افضل النبیین، حضور ﷺ مراتب کے خاتم ہیں یعنی کمالاتِ نبوت آپ پر ختم ہو گئے۔ نانوتوی صاحب کے عقیدے میں اس معنٰی کے اعتبار سے اگر حضور ﷺ کے بعد بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی یا خاتمیت مرتبی گویا آپ کی عظمت و شان میں کوئی فرق نہیں آئے گا اس لیے کہ کمالاتِ نبوت میں آپ ہی افضل و اعلیٰ ہوں گے بعد میں آنے والا نبی مرتبے میں بالعرض نبی ہونے کی وجہ سے کم مرتبہ ہوگا لہٰذا خاتمیت بوجہ افضلیت حضور کی جانب ہی رہے گی۔ یہاں پہنچ کر دونوں کا نقطۂ نظر ایک ہو گیا ہے۔ اب محض امکان مانا جائے یا بالفعل تسلیم کر لیا جائے۔ فتویٰ دونوں پر ایک جیسا ہوگا۔ البتہ اس جرم پر عائد ہونے والے فتوے کو جو پہلے سے تسلیم کیے بیٹھا ہے۔ اُس پر اقبالی ڈگری ہو گی کہ جس پر یہ فتویٰ دیتا ہے اُس کا امکان مانتا بھی ہے۔ راستہ تو امکان کا روکنا تھا جس

طرح قرآن وحدیث اور اجماعِ اُمّت نے روکا ہے۔ جب کسی نے امکان پیدا کر لیا تو بالفعل ماننے والا اور وہ دونوں برابر ہو گئے۔ امکان والا کہتا ہے نبی آ جائے تو فرق نہیں پڑتا، بالفعل والا کہتا ہے میں نے فلاں کو نبی مان لیا، دونوں میں فرق بتایئے؟

خیر بات یہ ہو رہی ہے کہ نانوتوی صاحب بھی خاتم النّبیّین کا معنیٰ افضل النّبیّین کرتے ہیں اور شایانِ شانِ محمدی ﷺ خاتمیت مرتبی ہی کو مانتے ہیں۔ اور کھل کر مختلف الفاظ کے ساتھ کہتے ہیں کہ خاتم کا معنیٰ یہی ہے کہ کمالاتِ نبوت آپ پر ختم ہو گئے۔ یعنی نفی جنس کے بجائے نفی کمال کو لیتے ہیں کہ اور کسی کو اب یہ کمال و مرتبہ نہیں مل سکتا، نہ یہ کہ نبوت نہیں مل سکتی۔ اور نانوتوی صاحب بھی کہتے ہیں (بلکہ اُن سے ۲۸ سال پہلے کہا) کہ میں نے جو چودہ سال کے اجماعی معنیٰ کو توڑ کر نشانے پر یہ تیر مارا ہے کہ آپ مراتب و کمالات کے خاتم ہیں اور یہ ایسا معنیٰ ہے کہ آپ کے بعد بھی لاکھوں نبی آتے چلے جائیں حضور ﷺ ہی پھر بھی خاتم رہیں گے۔ بلکہ شان میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ اور اس کے لیے اُنہوں نے مثالیں بھی دی ہیں کہ ایک زمین کا بادشاہ اُس شان کا مالک نہیں جتنی شان کا مالک سات سلطنتوں والا ہوتا ہے لہٰذا ایک خاتم کیا لاکھوں خاتم کا خاتم جب آپ کو مانا جائے تو شان بہت بڑھ جائے گی اور فضیلت نبوی کہیں دو بالا ہو جائے گی۔ (دیکھئے تحذیر الناس، صفحہ ا، مکتبہ حفیظیہ جون ۸۴ء) اور نانوتوی صاحب کے اس عقیدے کو ڈاکٹر خالد محمود صاحب اور دیگر علماء دیوبند بھی مانتے ہیں کہ آپ کے بعد بھی اگر کوئی نبی پیدا ہو تو آپ کی خاتمیت مرتبی میں واقعی کچھ فرق نہیں آئے گا۔ جبکہ مفتی محمد شفیع دیوبندی اور سیّد انور شاہ کشمیری دیوبندی نے ان کا یہ راستہ بھی یہ کہہ کر بند کر دیا ہے کہ اس میں تو حضور ﷺ کی تنقیص اور کسرِ شان ہے۔ تو جس عقیدے سے حضور ﷺ کی کسرِ شان اور تنقیص لازم آ رہی ہو وہ عقیدہ بالاتفاق کفریہ ہے۔ اب کیا فرماتے ہیں ڈاکٹر خالد محمود مانچسٹری اور دیگر تحذیر الناس کے وکیلانِ صفائی؟ اب قارئین ہی سوچیں کہ یہ بڑی بڑی ڈگریوں والے نام نہاد علماء درحقیقت کس مقام پر ہیں اور ان کا انجام کیا ہے۔ خیر! بہت سارے دیکھ چکے ہوں گے اور اب بہت سارے دیکھنے والے ہیں۔ مولویانہ ٹھاٹ باٹ نہ جائیں، ایمان جاتا ہے تو بلا سے جائے۔ اللہ کریم ہمیں ایسے عقیدوں سے محفوظ و مامون رکھے۔

خاتم کا معنیٰ بالذات نبی یعنی آپ کمالاتِ نبوت کے خاتم ہیں، یہ معنیٰ نانوتوی صاحب کا

ہے۔ مودودی صاحب نے اسی مفہوم کا ردّ کیا ہے کہ خاتم کا معنیٰ یہ ہرگز نہیں ہو سکتے، جو کسی نے مرزائیوں کے حوالے سے بصورتِ سوال اُنہیں بھیجا۔ اگرچہ مودودی صاحب سے ہمارا کوئی تعلق نہیں مگر دیوبندیوں کے ردّ میں اُن کا اور ہمارا مؤقف ایک ہو گیا ہے اگرچہ اُن کا جواب مرزائیوں کو ہے۔ لیجئے مودودی صاحب کا جواب ملاحظہ کیجئے۔

جواب: آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۳ رمارچ ۵۰ء مجھے یہاں یکم اپریل کو ملا۔ جواب میں مزید تاخیر اس لیے ہوئی کہ میرے پاس خط لکھنے کا کاغذ نہ تھا امید ہے کہ میری مجبوری کو پیش نظر رکھ کر تاخیر جواب سے درگزر فرمائیں گے۔

قرآن مجید کی کسی آیت کے متعلق اگر کوئی سوال پیدا ہو تو سب سے پہلے خود قرآن ہی سے اس کا مفہوم معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس کے بعد تحقیق کرنا چاہئے کہ کوئی حدیث صحیح بھی اس کی توضیح کرتی ہے یا نہیں۔ اگر ان دونوں ذرائع سے کوئی جواب نہ ملے (جس کا امکان بہت ہی کم ہے) تو البتہ دوسرے ذریعہ کی طرف رجوع کرنا درست ہو سکتا ہے۔

ختم نبوت کا ذکر سورہ احزاب میں آیا ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ عرب میں منہ بولے بیٹے کو بالکل حقیقی بیٹے کی حیثیت دے دی گئی تھی۔ وہ حقیقی بیٹے کی طرح میراث پاتا تھا۔ منہ بولے باپ کی بیوی اور بیٹیوں سے اسی طرح خلا ملا رکھتا تھا جس طرح ماں بیٹے اور بھائی بہنوں میں ہوا کرتا ہے اور متبنّیٰ بن جانے کے بعد وہ ساری حرمتیں اس کے اور منہ بولے باپ کے درمیان قائم ہو جاتی تھیں جو نسبی رشتے کی بنا پر قائم ہوا کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس رسم کو توڑنا چاہتا تھا۔ اس نے پہلے حکم دیا کہ ”منہ سے کسی کو بیٹا کہہ دینے سے کوئی شخص حقیقی بیٹا نہیں ہو جاتا۔“ (سورہ احزاب، آیت ۴-۵) لیکن دلوں میں صدیوں کے رواج کی وجہ سے حرمت کا جو تخیل بیٹھا ہوا تھا وہ آسانی سے نہیں نکل سکتا تھا۔ اس لیے ضروری تھا کہ اس رسم کو عملاً توڑ دیا جائے۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں یہ واقعہ پیش آ گیا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے (جو نبی ﷺ کے منہ بولے بیٹے تھے) حضرت زینب کو (جو ان کے نکاح میں تھیں) طلاق دے دی۔ نبی ﷺ نے محسوس فرمایا کہ یہ موقع ہے اس سخت قسم کی جاہلی رسم کو توڑنے کا، جب تک آپ خود اپنے متبنّیٰ کی مطلقہ بیوی سے نکاح نہ کریں گے متبنّیٰ کو حقیقی بیٹے کی طرح سمجھنے کا جاہلی تخیل نہ مٹ سکے گا۔ لیکن آپ یہ بھی جانتے تھے کہ مدینہ کے منافقین اور اطراف مدینہ کے یہود اور مکہ کے کفار اس فعل پر ایک طوفان عظیم برپا کر دیں گے

اور آپ کو بدنام کرنے اور اسلام کی رسوا کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے۔ اس لیے آپ عملی اقدام کی طرف ضرورت محسوس کرنے کے باوجود ہچکچا رہے تھے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا اور آپ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے نکاح میں لے لیا۔ اس پر جیسا کہ اندیشہ تھا اعتراضات اور بہتان طرازی اور افترا پردازی کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا اور خود مسلمان عوام کے دلوں میں بھی طرح طرح کے وسوسے پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ انہی اعتراضات اور وسوسوں کو دور کرنے کے لیے سورہ احزاب کے پانچویں رکوع کی آیات ۳۷-۴۰ نازل ہوئیں۔

ان آیات میں پہلے تو اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ یہ نکاح ہمارے حکم سے ہوا ہے اور اس لیے ہوا ہے کہ مومنوں کے لیے اپنے متبنٰی لڑکوں کی بیوہ اور مطلقہ بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہ رہے۔ پھر فرماتا ہے کہ ایک نبی کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ کا حکم بجالانے میں وہ کسی کے خوف سے ہچکچائے۔ اس کے بعد اس بحث کو ختم اس بات پر فرماتا ہے کہ:

''محمد ﷺ تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔''

اس موقع پر یہ فقرہ جو ارشاد فرمایا گیا کہ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ معترضین کے جواب میں تین دلائل دینا چاہتا ہے:

اول یہ کہ نکاح بجائے خود قابل اعتراض نہیں ہے، کیونکہ جس شخص کی مطلقہ بیوی سے نکاح کیا گیا ہے وہ محمد ﷺ کا واقعی بیٹا نہ تھا اور آپ اس کے حقیقی باپ نہ تھے۔

دوسرے اگر تم کو یہ شبہ ہو کہ نکاح جائز ہی سہی مگر اس کا کرنا کیا ضرور تھا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ محمد ﷺ کے لیے اس جائز کام کو کرنا فی الواقع ضروری تھا کیونکہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور رسول کو لازم ہے کہ وہ خدا کے قانون کو عملاً جاری کرے اور جو چیزیں بے جا رسم کے طور پر حرام کر دی گئی ہیں ان کی حرمت توڑ دے۔

تیسرے یہ کام اس لیے اور بھی زیادہ ضروری تھا کہ محمد ﷺ محض نبی ہی نہیں بلکہ آخری نبی ہیں۔ اگر اب آپ کے ہاتھوں یہ جاہلانہ رسم نہ ٹوٹی تو پھر قیامت تک نہ ٹوٹ سکے گی۔ آپ کے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں ہے کہ جو کسر آپ سے چھوٹ جائے اسے وہ آ کر پورا کر دے۔

اب آپ خود دیکھ لیجیے کہ اس سلسلہ بیان میں ختم کا حقیقی مفہوم کیا ہے۔ اگر اسے نفی کمال کے

معنی میں لیا جائے تو یہاں یہ لفظ بالکل ہی بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ موقع و محل صاف تقاضا کر رہا ہے کہ یہاں اس کے معنی سلسلہ نبوت کے قطعی انقطاع ہی کے ہونے چاہئیں۔ اس سیاق و سباق میں یہ کہنے کا آخر مطلب ہی کیا ہو سکتا ہے کہ محمد ﷺ نے یہ شادی اس لیے کی ہے کہ نبوت کے کمالات ان پر ختم ہو چکے ہیں۔ یہ بات کہی گئی ہوتی تو معترضین فوراً پلٹ کر کہتے کہ خوب ہے یہ کمالِ نبوت جو ایک عورت سے شادی کرنے کا تقاضا کرتا ہے!

اس کے بعد حدیث کو دیکھئے۔ نبی ﷺ نے خود ختم نبوت کی جو تشریح فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ ''میری اور انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک محل تھا جس کی عمارت بہت حسین بنائی گئی تھی مگر اس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی۔ اب وہ جگہ میں نے آ کر بھر دی اور عمارت مکمل ہو گئی۔'' یہ بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے۔ آپ کو مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین میں مل جائے گی۔ اس تشریح کی رو سے نبوت کی عمارت مکمل ہو چکی ہے۔ آخری اینٹ کی جگہ بھی بھر چکی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کوئی نئی اینٹ آ کر کہاں لگے گی؟ عمارت کے اندر یا اس کے باہر؟

اس کے بعد لغت کی طرف آیئے۔ عربی زبان کی کسی مستند لغت کو اٹھا کر لفظ ختم کے معنی دیکھ لیجئے، آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ جو تاویل میں نے اوپر قرآن اور حدیث کی روشنی میں بیان کی ہے، عربی زبان بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ ختم کے اصل معنی مہر لگانے، بند کرنے اور کسی چیز کا سلسلہ منقطع کر دینے کے ہیں۔ ختم الاناء کے معنی ہیں ''برتن کا منہ بند کر دینا۔'' ختم الکتاب کے معنی ہیں خط پورا کر کے اس پر مہر لگا دی۔ خود قرآن میں منکرین حق کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ ختم اللہ علیٰ قلوبھم۔ ''خدا نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔'' یعنی ان کے دل قبول حق کے لیے بند کر دیئے گئے ہیں، نہ ایمان ان کے اندر جا سکتا ہے، نہ کفر ان میں سے نکل سکتا ہے۔ پس حضور کو خاتم النبیین کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں کا سلسلہ مکمل کر کے آپ کو اس پر مہر کے طور پر نصب کر دیا ہے۔ اب اس سلسلہ میں کوئی نیا نبی داخل نہیں ہو سکتا۔ (نیو سنٹرل جیل ملتان ۶ اپریل ۵۰ء)

(رسائل و مسائل، حصہ اوّل، صفحہ ۲۴ تا ۲۷)

❖ ❖ ❖

اسلام اور وطن کے غدار

تاریخ عالم اٹھا کر دیکھئے، کفر نے اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے ہمیشہ ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے۔ وہ کون سا جال ہے جو اسلام کو مقید کرنے کے لیے استعمال نہ کیا گیا۔ وہ کون سی خطرناک سازش ہے، جو اسلام کی گردن کاٹنے کے لیے تیار نہ کی گئی۔ وہ کون سا ننگ انسانیت حربہ ہے، جو اسلام کے تار و پود بکھیرنے کے لیے استعمال نہ کیا گیا، وہ کون سی درندگی ہے جس کی مشق سینہ اسلام پر نہ کی گئی، وہ کون سے ہولناک مظالم ہیں جو اسلام کے نام لیواؤں پر روا نہ رکھے گئے۔ کفر نے اسلام پر ایک نیا، نرالا اور اچھوتا حملہ کیا۔ ایک خوفناک سازش تیار ہوئی۔ ایک بھیانک منصوبہ بنا، جس کے تحت اسلام کو اسلام کے نام پر لوٹنے کا پروگرام بنا۔ نبی اکرم جناب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے نام پر لوٹا جائے۔ قرآن کو قرآن کے نام پر لوٹا جائے۔ احادیث کو احادیث کے نام پر لوٹا جائے۔ حج کو حج کے نام پر لوٹا جائے۔ مکہ اور مدینہ کو مکہ اور مدینہ کے نام پر لوٹا جائے۔ اسی طرح دیگر اسلامی شعائر و اصطلاحات کو انہی کے نام پر غارت کیا جائے۔ کفر نے اپنے خاص ایکشن کو ''قادیانی ایکشن'' کا نام دیا اور اس کی قیادت ایک ننگ دین، ننگ وطن، ننگ انسانیت اور تاریخ انسانیت کے بدترین شخص مرزا قادیانی کو سونپ دی گئی۔ کفر نے اپنا کفریہ لباس اتارا، کفریہ ہتھیار توڑے، چہرے سے کفریہ نشان مٹائے، کفریہ عادات و اطوار ترک کئے، کفریہ چال اور کفریہ رنگ ڈھنگ ختم کیا۔ کفر نے اُجلا اسلامی لباس پہنا، چہرے پر داڑھی سجائی، ماتھے پر محراب ابھارا، سر پر عمامہ رکھا، ہاتھ میں تسبیح پکڑی، لبوں پر قرآن کی آیات سجائیں، زبان پر اسلامی وعظ جاری کی اور بغل میں دو دھاری چھری رکھی اور مسلمانوں میں گھس گیا اور ایسا گھل مل گیا کہ پہچان مشکل ہوگئی۔

پھر کفر نے اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ کفر مختلف جگہوں پر اسلامی جلسے اور دینی اجتماع کرنے لگا۔ عیسائیوں اور ہندوؤں سے مناظرے ہونے لگے۔ اسلامی کتابیں چھپنے لگیں۔ اسلامی

لٹریچر پورے ہندوستان میں تقسیم ہونے لگا۔ اور اس کے ساتھ ہی سادہ لوح مسلمان مرزا قادیانی کو ایک اسلامی رہنما سمجھ کر اس کے گرد اکٹھے ہونے لگے۔ یعنی مرزا قادیانی کی دکان نبوت پر پیشاب کی بوتل میں آب زمزم کا لیبل لگ کر بکنے لگی، کتے کا گوشت بکرے کے گوشت کے نام پر فروخت ہونے لگا، زہر تریاق کے نام پر بکنے لگا، شیطنت رحمانیت کے نام پر فروخت ہونے لگی اور جہنم جنت کے نام پر بکنے لگی۔

لٹیروں نے جنگل میں شمع جلا دی
مسافر یہ سمجھا کہ منزل یہی ہے
اللہ رے دیکھئے اسیریٔ بلبل کا اہتمام
صیاد عطر مل کے چلا ہے گلاب کا

جھوٹی نبوت کے موجد انگریز نے 1947ء میں سرزمین ہندوستان سے انتقال کیا لیکن بانی پاکستان محمد علی جناح کی وفات کے بعد گورے انگریز کے جانشین کالے انگریزوں نے کاروبار حکومت سنبھال لیا۔ انہوں نے پاکستان میں قادیانیت کو نئی بنیادوں پر استوار کیا اور قادیانیوں کے مشن ارتداد کو چلانے کے لیے راستہ ہموار کیا، انہیں کلیدی عہدوں پر بٹھایا گیا اور ہر طرح کی مراعات دی گئیں۔

1974ء میں قادیانیوں نے ربوہ ریلوے سٹیشن پر نشتر میڈیکل کالج ملتان کے طلباء پر ختم ''نبوت زندہ باد'' کے نعرے لگانے پر حملہ کر دیا۔ طلباء نے اپنی الگ بوگی بک کرا رکھی تھی اور یہ طلباء شمالی علاقہ جات کی سیر سے واپس آ رہے تھے۔ قادیانی غنڈوں نے طلباء کی بوگی کے دروازے اور کھڑکیاں توڑ کر انہیں جانوروں کی طرح گھسیٹتے ہوئے باہر نکالا اور ان پر وحشیانہ تشدد کیا۔ یہ خبر ملک میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور پورے ملک میں قادیانیوں کے خلاف زبردست تحریک اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس تحریک میں عاشقان رسول عربی نے عشق و محبت کے ایسے باب رقم کیے جنہیں زمانے کی گردش لیل و نہار کبھی نہ مٹا سکے گی۔ مسئلہ قومی اسمبلی میں پہنچا۔ قائد اہل سنت علامہ شاہ احمد نورانی کی تحریک پر قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔ 7 ستمبر کو مسلمانوں نے ایسی خوشی منائی کہ ایسی خوشی شاید انہوں نے گزشتہ پوری صدی میں نہ منائی ہو۔

قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو کافر قرار دے دیا۔ گویا اب قادیانی آئینی کافر بھی بن گئے۔

لیکن قادیانی نہ پارلیمنٹ کے فیصلے کو مانتے ہیں اور نہ آئین کو۔ وہ آج بھی بڑی ڈھٹائی سے خود کو مسلمان اور مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں۔ ملک کے کلیدی عہدوں پر قابض ہیں۔ پورے وطن میں این جی اوز کی صورت میں ان کا جال پھیلا ہوا ہے۔ تعلیم، صحت، معاشی مراعات اور فلاح عامہ کے نام پر مسلمانوں کو مرتد بنایا جارہا ہے۔ پاکستان کے راز پاکستان کے دشمنوں کو پہنچانا ان کا فرض اولین اور نعوذ باللہ پاکستان کا ختم ہوجانا ان کا مذہبی عقیدہ ہے۔ اسی لیے مصور پاکستان حضرت علامہ محمد اقبال کے مزار سے یہ صدا آرہی ہے:

قادیانی اسلام اور وطن کے غدار ہیں

غدار تو ایک ہی کافی ہوتا ہے۔ یہ کلیدی عہدوں پر بیٹھے ہزاروں غدار کیا گل کھلا رہے ہیں؟ یہ ایک ہولناک اور خوفناک باب ہے۔

اہل وطن! جب چمنستان وطن میں جگہ جگہ سانپوں کی بلیں بنی ہوں اور ہر بل کا کنکشن اسرائیل، بھارت اور امریکہ سے جاملتا ہو، تو پھر اہل وطن تم کس طرح سلامت رہ سکتے ہو؟

مسلمانو! ہر قادیانی کا مذہبی عقیدہ ہے کہ پاکستان ٹوٹ جائے گا، اکھنڈ بھارت بنے گا۔ اس لیے ہر قادیانی پاکستان کا غدار ہے۔ ہر قادیانی کا وجود پاکستان کے لیے خطرہ ہے۔ جب تک پاکستان میں قادیانی موجود ہیں......

پاکستان کو استحکام نہیں مل سکتا
پاکستان میں امن وسکون قائم نہیں ہوسکتا
پاکستان میں فرقہ واریت کی جنگ ختم نہیں ہوسکتی
پاکستان میں اسلامی نظام قائم نہیں ہوسکتا
پاکستان میں دہشت گردی ختم نہیں ہوسکتی
پاکستانی بیرونی طاقتوں کے ہاتھوں کھلونا بننے سے نہیں بچ سکتا......

کسی گاؤں کے کنویں میں کتا مرگیا۔ لوگ گاؤں کے مولوی صاحب کے پاس آئے اور سارا ماجرا سنایا۔ مولوی صاحب نے لوگوں سے کہا کہ کنویں کا سارا پانی نکال دو۔ لوگوں نے سارا پانی نکال دیا۔ پانی نکالنے کے بعد لوگ دوبارہ مولوی صاحب کے پاس آئے اور انہیں بتایا کہ ہم نے سارا پانی نکال دیا ہے اور کنویں میں جو نیا پانی آیا ہے، اس میں سے یہ پیالہ بھر کر آپ کے لیے

لائے ہیں کہ سب سے پہلے آپ پانی پئیں اور اس کے بعد ہمیں پینے کی اجازت دیں۔ مولوی صاحب نے پانی پینے کے لیے پیالہ منہ کے قریب کیا تو انہوں نے دیکھا کہ پیالے میں کتے کے بال تیر رہے ہیں۔ مولوی صاحب نے پیالہ پرے رکھ دیا اور لوگوں سے پوچھا۔ ''کیا تم نے کنویں کا سارا پانی نہیں نکالا تھا؟''

''سارا پانی نکال کر باہر پھینک دیا تھا؟'' سب نے جواب دیا۔

''کتا کہاں پھینکا تھا؟'' مولوی صاحب نے پوچھا۔

''کتا تو کنویں میں ہی پڑا ہے۔ کتے کے بارے میں تو آپ نے کچھ کہا ہی نہیں تھا۔'' سادہ لوح لوگوں نے جواب دیا۔

مولوی صاحب ان کی اس سادہ لوحی پر پیچ وتاب کھا کر رہ گئے۔

عزیز مسلمانو! انگریز جاتے ہوئے پاکستان کے کنویں میں ''قادیانیت'' کا کتا پھینک گیا ہے۔ جس سے پورے ملک کی آب وہوا میں بدبو وتعفن پھیلا ہوا ہے۔ ہم بار بار بدبو سے تنگ آکر کنویں کا سارا پانی تو بار بار نکالتے ہیں، لیکن قادیانیت کا کتا نہیں نکالتے۔ ہم ہزار جتن کرلیں، جب تک یہ کتا پاکستان کے کنویں سے نہیں نکلے گا، پاکستان کی آب وہوا کبھی صاف نہیں ہوگی۔

اپنے اسلاف کی یاد تازہ کرتے ہوئے قادیانی کتے کو وطن عزیز سے نکالنے کے لیے......

الحمدللہ کنز الایمان سوسائٹی نے اس عظیم کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اس سلسلے میں اہل سنت کے مختلف مدارس کے اندر ''تحفظ ختم نبوت اور رد قادیانیت'' کے حوالے سے مختلف پروگرامز کا انعقاد کیا جارہا ہے۔ اب تک لاہور کے مختلف مدارس، مساجد، سکول اور کالجز کے اندر تقریباً 27 پروگرامز کیئے جا چکے ہیں۔ اور آئندہ انشاء اللہ پورے ملکی پیمانے پر ان پروگرامز کو کیا جائے گا۔ تاکہ وہ طبقہ جسے کل کو منبر ومحراب کا وارث بننا ہے اس کو عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت اور فتنہ قادیانیت کے بارے میں مکمل آگاہی ہو۔ اسی طبقے کے ذریعے جب یہ شعور عوام وخواص تک منتقل ہوگا تو انشاء اللہ ملک پاکستان میں قادیانیت دم توڑ دے گی۔ ماہنامہ ''کنزالایمان'' کا زیر نظر ''ختم نبوت نمبر'' بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، یہ ایک مکمل دستاویز ہے۔ تحفظ ختم نبوت کا کام کرنے والے چاہے علماء کرام ہوں، چاہے عوام الناس ہوں یا زندگی کے کسی بھی شعبے سے تعلق رکھنے والے افراد ہوں ''ختم نبوت نمبر'' سے انہیں اتنی معلومات کا خزانہ مل جائے گا کہ جو انہیں اس سلسلے کی سینکڑوں کتابوں سے

بے نیاز کر دے گا۔ عقیدۂ ختم نبوت اور فتنۂ قادیانیت کے بارے میں جتنے بھی مضامین اس نمبر میں شامل کیے گئے ہیں، کوشش کی گئی ہے کہ وہ سب اپنے قاری کو عقیدے کا تحفظ، عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی چنگاری، معلومات اور انکشافات کی لڑی اور فکر کی راہ ہموار کریں۔

اب جس کے جی میں آئے وہی پائے روشنی
ہم نے تو دل جلا کے سر عام رکھ دیا

مسلمانو! آؤ وعدہ کریں کہ ہم گستاخان رسول قادیانیوں کو اس دھرتی پر زندہ نہیں رہنے دیں گے۔ ہم ان پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قہر بن کر گریں گے۔ ہم ان پر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا جلال بن کر گریں گے اور انہیں جلا کر خاک سیاہ کر دیں گے۔ ہم خالد کی شمشیر لے کر نکلیں گے، ہم وحشی کا نیزہ لے کر آئیں گے، ہم معاذ اور معوذ کا جذبہ لے کر ان پر ٹوٹ پڑیں گے۔ شہداء یمامہ کی داستان عشق و وفا دہرائیں گے۔ ختم نبوت زندہ باد کے فلک شگاف نعرے لگائیں گے۔ عالم کی فضاؤں میں ''لا نبی بعدی'' کا پرچم لہرائیں گے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی کی جرات کے گیت گائیں گے۔ حضرت پیر مہر علی شاہ کی محبت کے چراغ جلائیں گے۔ حضرت ابوالحسنات شاہ کی محبت رسول کے قصے ساری دنیا کو سنائیں گے۔ باغیان ختم نبوت کو خشکی سے بھگائیں گے اور پھر انہیں پکڑ کر جہاز میں لاد کر بحر اوقیانوس کی گہرائیوں میں غرق کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کا نام و نشان مٹائیں گے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ انہیں جہنم کے دردناک عذاب کا مزا چکھائے گا، ان شاء اللہ۔

محمد نعیم طاہر رضوی / مدیر اعلیٰ ماہنامہ ''کنز الایمان'' لاہور

❖❖❖

تحذیر الناس کا تاریخی پس منظر

قاسم نانوتوی کی پیدائش 1832ء میں ہوئی۔
مرزا قادیانی کی پیدائش 1839ء میں ہوئی۔
دار العلوم دیوبند کا قیام 30 مئی 1867ء میں ہوا۔
قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس 1872ء میں لکھی۔
دیوبندی حکیم الامت اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب ''قصص الاکابر'' میں لکھا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جب قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس لکھی تو سب نے اُن کی مخالفت کی سوائے مولانا عبدالحئی کے۔

تحذیر الناس شائع ہونے کے بعد علماء اہلسنت اس کا مسلسل رد لکھنا شروع کیا اور مناظر کے چیلنج بھی دیئے۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

تحذیر الناس کے رد میں لکھی جانے والی کتابیں

مفتی حافظ محمد بخش بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے 1874ء میں اس کا رد بنام ''تنبیہ الجہال'' لکھا۔ حضرت علامہ فصیح الدین بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے 1875ء کو رد لکھا جس کا نام قول الفصیح تھا۔
تحذیر الناس پر دہلی میں قاسم نانوتوی کا حضرت شاہ محمد پنجابی رحمۃ اللہ علیہ سے مناظرہ ہوا۔
بمبئی میں تحذیر الناس کے رد میں ایک رسالہ شائع ہوا جس پر مولانا عبدالحئی لکھنوی، مولانا ارشاد رامپوری، مولانا عبدالقادر بدایونی، مولانا محب احمد بدایونی، مولانا فصیح الدین بدایونی، مولوی عبداللہ امام مسجد جامع دہلی کے دستخط میں رسالہ کا نام ''ابطال اغلاط قاسمیہ'' تھا۔

اعلیٰ حضرت امام اہل اہل سنت مولانا الشاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے 1899ء، 1902ء، 1906ء، 1908ء، فتاویٰ الحرمین "المصعہد المعتمد"، "اعلام الاعلام"، "حسام الحرمین" کتب میں تحذیر الناس کا ردلکھا۔

علامہ مولانا حامد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے تحذیر الناس کا رد 1897ء میں لکھا۔

مولانا مصطفیٰ رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے اشد الباس علی عابد الخناس نے تحذیر الناس کا رد لکھا۔

حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے 1899ء، 1900ء، 1917ء کو رد لکھا۔

حضرت مولانا امام الدین گجراتی رحمۃ اللہ علیہ نے 1901ء کو رد لکھا۔

حضرت مولانا حیدر اللہ خاں رحمۃ اللہ علیہ نے 1901ء کو رد لکھا۔

حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ نے 1901ء کو رد لکھا۔

1904ء سے 1907ء میں بھی دیگر علماء کرام نے تحذیر الناس کا رد کیا ہے۔

مرزا غلام قادیانی 1839ء یا 1840ء کو ایک گاؤں قادیان کی ایک گندی کوٹھڑی میں پیدا ہوا۔

1886ء میں مرزا غلام قادیانی مختلف دعوے کرتا رہا۔

علماء و مشائخ مرزا قادیانی کے جھوٹے دعوؤں کے بارے میں اس کو چیلنج کرتے رہے۔

مرزا غلام قادیانی کتاب رجال نے دعویٰ سے 1880ء سے 1884ء براہین احمدیہ چھپوا چکا تھا۔

آخر کار مرزا غلام قادیانی نے جھوٹا دعویٰ نبوت 1901ء میں کیا۔

علماء و مشائخ نے پھر مناظرہ کا اس کو چیلنج دیا اور ہمیشہ کی طرح مرزا قادیانی بھاگتا گیا۔ اور آخر کار لیٹرین میں 26 مئی 1908ء کو واصل جہنم ہوا۔

تحریک ختم نبوت کا آغاز 1953ء میں ہوا۔

علماء اہلسنت تحریک ختم نبوت میں بھی تحذیر الناس اور مرزا غلام قادیانی کا مسلسل رد لکھتے رہے۔

غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی نے "التبشیر" اور "التبشیر پر اعتراضات کا علمی جائزہ"

کے نام سے تحذیر الناس کا رد لکھا۔

علامہ غلام علی اوکاڑوی علیہ الرحمۃ نے "التنویر" کے نام سے تحذیر الناس کا رد لکھا۔

مولانا منظر اسلام ازہری نے "تنبیہ الناس من انکار اثر ابن عباس" کے نام سے تحذیر الناس کا رد لکھا۔

مولانا مطیع الرحمٰن صاحب (انڈیا) عبارات تحذیر الناس پر مناظرہ میں دیوبندی مولوی.......... کو شکست فاش دے چکے ہیں۔ جس کی روداد کتابی صورت میں "روداد مناظرہ کٹھیار" کے نام سے انڈیا سے شائع ہو چکی ہے۔

مولانا سید محمد مدنی میاں نے "نظریہ ختم نبوت اور تحذیر الناس" کے نام سے تحذیر الناس کا رد لکھا ہے۔

آخر علماء اہلسنت کی تحریک ختم نبوت اپنے انجام کو پہنچی اور قومی اسمبلی نے 1974ء کو قادیانیوں کو کافر قرار دلوا دیا۔

ایک اہم بات

مولوی قاسم نانوتوی دیوبندی نے 1872ء میں تحذیر الناس لکھی تو اس وقت سب علماء ہندوستان نے اس کا رد کیا اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد پیر کرم شاہ ازہری کو نہ جانے کیا ہوا کہ اپنی کتاب "تحذیر الناس میری نظر میں" میں لکھ دیا کہ "میں یہ کہنا درست نہیں سمجھتا کہ مولانا نانوتوی ختم نبوت کے منکر تھے۔" گویا کہ جسٹس پیر کرم شاہ صاحب کے بقول معاذ اللہ اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مجدد دین و ملت مولانا الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ سمیت تمام علماء و مشائخ جنہوں نے "حسام الحرمین" اور "الصوارم الہندیہ" میں تحذیر الناس کی عبارات کو منافی ختم نبوت قرار دے کر قاسم نانوتوی دیوبندی کی تکفیر کی وہ سب کے سب ناسمجھ اور غلط تھے۔ (معاذ اللہ)

حالانکہ سید بادشاہ تبسم 1997ء کو جسٹس پیر کرم شاہ کو خط لکھ کر تحذیر الناس حوالہ سے علماء اہلسنت کا موقف سے آگاہ کیا مگر اس کو نظر انداز کر دیا گیا۔ جس پر علماء اہلسنت میں شدید بے چینی اضطراب پایا جاتا ہے۔

تحذیر الناس کے متعلق ادارہ معارف نعمانیہ شاد باغ لاہور کی سلسلہ اشاعت نمبر 173 ضیاءُ الامت کی ضیاء پاشی یا ضیاع کاری کا مطالعہ ضروری ہے۔ جس میں بڑی عملی انداز میں بحث کی گئی ہے۔ جس میں علمائے اہلسنت اور پیر کرم شاہ صاحب کے ادارہ ضیاء القرآن کے نگران اعلیٰ جناب محترم محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب کی بارگاہ میں مودبانہ عرض کی گئی ہے۔

علمائے اہلسنت کا عجیب رویہ

کچھ معزز علمائے اہلسنت، پیر صاحب کے اس رویے سے سخت نالاں ہیں اور وہ پیر صاحب سے کوئی میل جول نہیں رکھتے۔ لیکن حیرت یہ ہے کہ ان کی کئی کتب اہل باطل کے خلاف شائع ہو رہی ہیں مگر پیر صاحب کے اس رویے پر کسی نے ایک لفظ تک تحریر نہیں فرمایا۔ کچھ علمائے اہل سنت اور گدیوں کے سجادہ نشین یہ واقفیت رکھتے ہوئے بھی پیر محمد کرم شاہ صاحب سے بھرپور روابط قائم رکھے ہوئے ہیں۔ یہ معزز طبقہ تجاہل عارفانہ، بے جا رواداری اور چشم پوشی کا مرتکب ہو رہا ہے جو کہ اس کے شایان شان نہیں۔ تیسرا طبقہ وہ ہے جو ان مسائل سے سرے سے آگاہ نہیں، اگر ہے بھی تو بس سرسری اور محض واجبی سا، یہ طبقہ پیر صاحب کے خلاف ایک لفظ تک سننا گوارا نہیں کرتا۔ سمجھانے کی کوشش پر جواب ملتا ہے کہ تم زیادہ پڑھے لکھے ہو یا پیر کرم شاہ صاحب جو الازہر کے فارغ التحصیل ہیں۔ مجھے ان ہر دو طبقوں سے سخت شکوہ ہے۔ کیا یہ رویہ عجیب سے عجیب تر نہیں کہ تحذیر الناس اور اس کی حمایت کرنے والے دیوبندیوں کے خلاف ہمارے زبان و قلم شعلے اگلیں مگر جب پیر صاحب کی بات آجائے تو اپنا کہہ کر دونوں کی نوک زباں پر مہر سکوت لگ جائے۔ کیا پیر صاحب اس لحاظ سے اپنے ہیں کہ وہ میلاد و عرس اور گیارہویں کے قائل ہیں؟ کیا دیوبندیوں سے ہمارا اختلاف میلاد و گیارہویں پر ہے؟ دیوبندی تحذیر الناس کی حمایت کریں تو مفتیوں کی مسندوں اور علماء کے سٹیجوں سے ان کے خلاف تحریروں، تقریروں اور فتووں کے انبار لگ جائیں اور پیر کرم شاہ صاحب بھیروی تحذیر الناس کی حمایت کریں تو یہی مفتی و عالم انہیں "ضیاء الامت" کے خطاب سے نوازیں۔

این چہ بوالعجبی است

اگر ہم سنی بریلوی علماء کا یہی رویہ رہا تو کل کون کہہ سکے گا کہ دیوبندیوں سے ہمارا اختلاف

اصولی ہے اور اس اصولی اختلاف کی بنیاد تحذیر الناس و براہین قاطعہ وغیرہ ہیں؟

اس مختصر سے مضمون میں خدا کے فضل و کرم سے بندہ ناچیز نے دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ مولوی محمد قاسم نانوتوی ختم نبوت کے منکر تھے اور ان پر امام احمد رضا بریلوی اور علمائے حرمین شریفین کا فتویٰ قطعی طور پر درست ہے۔ پیر صاحب تو مجھے انتہائی غیر معروف اور کم علم سمجھ کر توجہ نہیں فرمائیں گے مگر میں سنی علماء و مفتی صاحبان اور گدیوں کے سجادہ نشینوں سے عاجزانہ اپیل کرتا ہوں کہ آپ لوگ ہی مل بیٹھ کر پیر صاحب کو سمجھائیں۔ مان جائیں تو اللہ کا لاکھ لاکھ شکر، نہ مانیں تو پھر دینی غیرت اور مذہبی حمیت کا تقاضا یہ ہے کہ ان سے میل جول اور اختلاط باقی نہ رکھا جائے۔ البتہ یہ بات معلوم طلب ہے کہ گدیوں کے سجادہ نشینوں اور معزز علمائے کرام کو خود بھی تحذیر الناس کی کفریہ عبارات سے متعلق کچھ آگاہی ہے یا نہیں۔

پیر کرم شاہ صاحب ہزاروں لاکھوں بار محبت رسول اور عشق مصطفیٰ ﷺ کا دم بھریں اور ان سے بے پناہ ادب و احترام کا والہانہ اظہار کریں مگر تحذیر الناس وغیرہ کی حمایت نے ان کی تمام خدمات جلیلہ پر پانی پھیر دیا ہے۔ وہابی مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ یعنی حرمین شریفین میں بیٹھ کر کیا اللہ اللہ نہیں کرتے جن سے خود پیر صاحب بھی شدید اختلاف رکھتے ہیں اور عموماً کہتے نظر آتے ہیں کہ مدعیان توحید کو ان حقائق کی ہوا تک نہیں لگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت کی روشنی عطا فرمائے۔

نانوتوی صاحب کو اپنے گھر سے مار

نانوتوی صاحب نے خاتم النبیین کے اجماعی معنی "آخری نبی" کو عوام کو خیال قرار دیا اور کہا:

"بعد حمد و صلوٰۃ کے قبل عرض جواب یہ گزارش ہے کہ اول معنی خاتم النبیین معلوم کرنے چاہئیں تاکہ فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو۔ سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ ﷺ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔" (تحذیر الناس، صفحہ: 41، طبع دوم، گوجرانوالہ)

یہ جملہ لائق توجہ ہے "عوام کے خیال میں تو رسول اللہ ﷺ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں" عوام کو اہل فہم کے مقابلے میں لایا گیا ہے۔

یعنی جو نافہم ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ خاتم النبیین کا معنی آخری نبی ہے۔ پھر یہ بات بھی کہ ''تقدیم یا تاخر زمانی'' کو بھی ''آخری نبی'' کے مقابلے میں لایا گیا ہے۔ یعنی اہل فہم کے نزدیک اول و آخر میں کوئی فضیلت نہیں۔ یہ بات ذہن میں بیٹھ گئی ہے تو اب دیوبندی مذہب کے مفتی اعظم محمد شفیع دیوبندی کراچی کی سنیئے، لکھتے ہیں:

''خلاصہ یہ ہے کہ آیت خاتم النبیین کے معنی جو خود نبی کریم ﷺ نے ہمیں بتلائے وہ یہی ہیں کہ آپ ﷺ سب انبیاء میں آخری نبی اور تمام انبیاء کے ختم کرنے والے ہیں۔''

(ختم نبوت کامل، صفحہ: 84)

نانوتوی صاحب کا عقیدہ:

خاتم النبیین کا معنی ''آخری نبی'' عوام کا خیال ہے۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی کا عقیدہ:

خاتم النبیین کا معنی ''آخری نبی'' خود نبی کریم ﷺ نے بتلایا ہے۔

نتیجہ

مفتی صاحب کی تحریر کے مطابق نانوتوی صاحب نے نبی کریم ﷺ کو عوام اور نافہم کہا۔

(العیاذ باذ باللہ ثم العیاذ باللہ و نقل کفر کفر نباشد)

نانوتوی صاحب نے خاتمیت کی بنیاد ''آخری نبی'' پر نہیں بلکہ ''مراتب نبوت'' پر رکھی ہے اور آخری نبی کو خیال عوام کہہ کر اس کا رد کرتے ہوئے لکھا۔ ''بلکہ بنا خاتمیت اور بات پر ہے۔''

(صفحہ: 42)

حاشیے میں اس کی تشریح حافظ عزیز الرحمٰن دیوبندی نے یہ کی:

''خاتمیت کا دار و مدار آپ کے مرتبہ پر ہے کہ آپ کو نبوت براہ راست بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے حاصل ہے'' معلوم ہوا کہ نانوتوی صاحب نے خاتم النبیین میں خاتمیت کا دار و مدار ''آخری نبی'' کی بجائے مراتب نبوت پر رکھی ہے اور لفظ خاتم کے معنی ''آخر اور ختم کرنے والے'' کی بجائے ''خاتم مرتبی'' کئے۔ اب ذرا مفتی صاحب کی سنیئے:

''از روئے لغت عرب آیت مذکورہ میں خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتے اور لفظ خاتم کے معنی آیت میں آخر اور ختم کرنے والے کے علاوہ ہرگز مراد نہیں بن سکتے۔''

(خاتم نبوت کامل، صفحہ: 70)

نانوتوی صاحب کا عقیدہ:

خاتم کے معنی آخر اور ختم کرنے والے ہرگز نہیں ہو سکتے۔

مفتی صاحب کا عقیدہ:

خاتم کے معنی آخر اور ختم کرنے والے ہیں، اس کے علاوہ دوسرا معنی ہرگز نہیں ہو سکتا۔

نانوتوی صاحب نے اپنا عقیدہ خود بیان کیا ''شایان شان محمدی ﷺ خاتمیت مرتبی ہے۔''

(صفحہ: 53)

نانوتوی صاحب ''آخری نبی'' کا معنی عوام کا خیال قرار دیتے ہیں۔ خود یہ معنی ہرگز نہیں لیتے۔ بلکہ وہ تو خاتمیت کا معنی ختم ذاتی یا ختم مرتبی یا بالذات نبی کرتے ہیں۔ سب کا مفہوم ان کے نزدیک ایک ہی ہے۔ اگر پھر بھی کسی کو اعتراض ہو کہ نانوتوی صاحب نے اپنی طرف سے کوئی معنی نہیں کیا تو پھر ان جملوں کا مطلب کیا ہوگا۔

1- ''غرض اختتام اگر بایں معنی تجویز کیا جاوے جو میں نے عرض کیا......'' (صفحہ: 65)

2- ''ہاں اگر خاتمیت بمعنی اتصاف ذاتی بوصف نبوت لیجئے، جیسا اس ہیچمدان نے عرض کیا۔'' (صفحہ: 84)

3- ''باقی رہی یہ بات کہ بڑوں کی تاویل کو نہ مانیے تو ان کی تحقیر نعوذ باللہ لازم آئے گی۔ یہ انہی لوگوں کے خیال میں آ سکتی ہے جو بڑوں کی بات از راہ بے ادبی نہیں مانا کرتے...... اگر بوجہ کم التفاتی بڑوں کا فہم کسی مضمون تک نہ پہنچا ہو تو ان کی شان میں کیا نقصان آ گیا اور کسی طفلِ نادان نے کوئی ٹھکانے کی بات کہہ دی، تو کیا اتنی بات سے وہ عظیم الشان ہو گیا۔'' (صفحہ: 85-86)

معلوم ہوا کہ نانوتوی صاحب نے خاتم النبیین کے کوئی معنی اپنی طرف سے ضرور کئے ہیں اور جو معنی کئے ہیں انہیں صحیح ٹھہرانے کے لئے کوئی نہ کوئی تاویل و تخصیص ضروری ہے۔ اب ذرا مفتی محمد شفیع دیوبندی کی سنیئے:

''خوب سمجھ لو کہ تمام امت نے خاتم النبیین کے الفاظ سے یہی سمجھا ہے کہ یہ آیت یہ بتلا رہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد نہ کوئی نبی ہے نہ رسول، اور اس پر بھی اجماع و اتفاق ہے کہ نہ اس

آیت میں کوئی تاویل ہے اور نہ تخصیص اور جس شخص نے اس آیت میں کسی قسم کی تخصیص کے ساتھ کوئی تاویل کی، اس کا کلام ایک بکواس و ہذیان ہے اور اس کے اوپر کفر کا حکم کرنے سے روک نہیں سکتی، کیونکہ وہ اس نص صریح کی تکذیب کرتا ہے جس کے متعلق اُمت محمدیہ ﷺ کا اتفاق ہے کہ اس میں کوئی تاویل نہیں ہے۔'' (ختم نبوت، صفحہ: 101)

''قرآنِ عزیز اور احادیث نبویہ اور اجماعِ صحابہ اور اقوالِ سلف نے اس کا قطعی فیصلہ کر دیا ہے کہ خاتم النبیین اپنے حقیقی اور ظاہری معنی پر محمول ہے، نہ اس میں کوئی مجاز ہے، نہ مبالغہ اور نہ تاویل و تخصیص۔'' (ختم نبوت کامل، ص: 114)

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کو ہدیہ تبریک

میں محترم محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب (فرزند ارجمند پیر کرم شاہ صاحب) کو پوری سنی قوم کی طرف سے ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں کہ جو وہابیوں، دیوبندیوں کے رد میں اپنے ادارہ کی جانب سے ایمان افروز کتب انتہائی خوبصورت انداز سے شائع کر رہے ہیں۔ اللہ کرے زور اشاعت اور زیادہ ہو۔

دیوبندیوں کی گستاخانہ عبارات سمجھنے کے لیے اس ادارہ کی کتب ''تعارف علمائے دیوبند''، ''دیوبند سے بریلی'' اور ''سفید و سیاہ'' خاص طور پر پڑھنے کے لائق ہیں علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی کی کتاب ''سفید و سیاہ'' کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے۔ کتابچہ ''جہانس برگ سے بریلی'' کے دیوبندی مصنف کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''رشید احمد گنگوہی، محمد قاسم نانوتوی، خلیل احمد انبیٹھوی اور اشرف علی تھانوی وغیرہ نے اگر غلطی کی ہے، کفر کیا ہے تو آپ کفریہ عبارات لکھنے والوں کے حامی نہ بنیں اور ان کی کفریہ عبارات کے قائل اور قابل بن کر اپنے لیے کفر جمع نہ کریں۔'' (سفید و سیاہ، صفحہ: 165، اشاعت اول 1989ء)

میں پیر صاحب کے صاحبزادگان محترم کی توجہ اس گھمبیر اور انتہائی سنجیدہ مسئلے کی جانب دلانا چاہوں گا کہ تحذیر الناس کی عبارات کو زیر نظر مضمون میں دلائل حقہ سے ایک بار پھر ہم نے کفریہ ثابت کر دیا ہے (علمائے دیوبند ایک اور زبردست دھوکہ دیتے ہیں کہ امام احمد رضا بریلوی نے تحذیر الناس کے مختلف صفحات سے جملے لے کر انہیں جوڑ کر کفریہ عبارت بنائی۔ گویا عبارت کا کفر

علمائے دیوبند نے بھی تسلیم کر لیا، لیکن میں ڈنکے کی چوٹ پر بتا دینا چاہتا ہوں کہ وہ تین عبارات علیحدہ علیحدہ بھی مستقل طور پر کفریہ ہیں اور زیر نظر مضمون میں یہ دعویٰ دلائل حقہ کے ساتھ پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے)۔ اب انہیں اس پر غور کرنا چاہئے کہ کفریہ عبارات کی حمایت کرنے والوں کا انجام کیا ہوگا؟ انہیں سوچنا چاہئے اور مفتیوں سے پوچھنا چاہئے کہ صریح کفریہ عبارات کی طرف داری اور حمایت سے عقیدہ ایمان باقی رہتا ہے یا نہیں، بلکہ مسئلے کا احساس کرتے ہوئے اولین فرصت میں انہیں کوئی فیصلہ کرنا چاہئے۔ بندہ ناچیز نے جو کچھ تحریر کیا اور جہاں کہیں بھی قلم کی سختی اور شدت دکھائی دیتی ہے۔ یہ سب الحب للہ و البغض اللہ کے جذبے کے تحت کیا ہے۔ کوئی ذاتی پرخاش نہیں اور جہاں سخت الفاظ میں گرفت کی ہے وہ بھی اس لیے

کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کار تریاقی

☆ اگر قادیانیت کے فکری پس منظر پر غور کیا جائے تو بادی النظر یہ تاثر ابھرتا ہے کہ اس خطۂ ارض پر ابتداً تحریک وہابیہ نے جنم لیا اور اُس کے اثرات یوں پھیلے کہ متاثرہ افراد کے دلوں سے دانائے راز ختم الرسول مولائے کل ﷺ کی ذات مبارکہ سے والہانہ محبت اور جذباتی تعلق کمزور ہوگیا۔ حسن عقیدت کی جلوہ باری اور بادہ عشق و مستی کی کیفیت موجود نہ رہی۔ ہزار بار مشک و گلاب سے منہ دھو کر اپنے آقا و مولا کا نام لینے اور پھر بھی بے ادبی خیال کرنے کا رنگ ان کے دلوں سے نکل گیا۔ یہ سوال آج بھی جواب طلب ہے کہ قادیانی تحریک احمدیہ، علمائے دیوبند کی صدائے بازگشت تھی یا دیوبندی مسلک وہابیوں کے خمیر سے اٹھا۔ لیکن یہ اَمر مسلمہ حقیقت ہے کہ جماعت اسلامی، نیچریت، چکڑالویت، پرویزیت اور دہریت ان ہی کا ثمر ہے۔

میں نے ربوہ میں کیا دیکھا

ہر شخص کے ماضی میں یادوں کا ایک جہاں آباد ہوتا ہے۔ ذہن کا کمپیوٹر آن ہوتے ہی بیتے دنوں کا لمحہ لمحہ نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔ میرے ایامِ رفتہ بھی یادوں سے بھرے پڑے ہیں۔ بے شمار تلخ و شیریں یادیں بھلائے نہیں بھولتیں۔ پھر قدرت نے انتہائی کمال کا حافظہ دیا ہے کہ اک ذرا غور کی دیر ہے، گئے دنوں کی ہر بات یوں یاد آنے لگتی ہے جیسے مسافت سمٹ گئی ہو اور گزرا زمانہ لوٹ آیا ہو۔ بچپن کی یادیں تو ویسے بھی لاشعور کے نہاں خانوں میں ایسے جاگزیں ہوتی ہیں کہ انسان زندگی میں جب خواب دیکھتا ہے تو خود کو اسی گھر میں دیکھتا ہے، جہاں اس نے بچپن گزارا ہوتا ہے۔

میرا بچپن اور لڑکپن کفر کی بستی ''مرزائیل'' میں گزرا جسے ربوہ کہا جاتا ہے۔ مرزائیوں اور یہودیوں میں ہر اعتبار سے اس قدر مماثلت ہے کہ ربوہ کو اسرائیل کے ہم وزن مرزائیل کہنا انتہائی موزوں لگتا ہے۔ ''احمقوں کی جنت'' کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مسلمان جنت کے لیے اعمال، اوصاف اور افعال کو باکمال بناتا ہے جبکہ مرزائی پیغمبر کی جنت کے ٹکٹ کے خواہش مند کو اپنی منقولہ و غیر منقولہ جائیداد کے ایک چوتھائی حصہ کے برابر رقم جماعت کو دینا پڑتی ہے۔ لہٰذا اعمال کی بجائے مال سے جنت حاصل کرنے والوں کے شہر کو ''احمقوں کی جنت'' ہی کہا جا سکتا ہے۔

1965ء میں میرے والد گرامی سرکاری ملازمت کے سلسلہ میں ربوہ تبدیل ہوئے تو ہمیں اپریل 1965ء سے اگست 1969ء تک ربوہ میں رہنا پڑا۔ بعد ازاں اگرچہ قیام چنیوٹ میں رہا، تاہم تعلیمی تعلق کے حوالے سے دسمبر 1975ء تک مرزائیل سے ہی وابستگی رہی۔ اسی دوران وہاں کی شہری، شخصی، سماجی زندگی اور مرزائی روایات کے بے شمار مشاہدات سامنے آئے۔

مرزائی قوم ایک جھوٹے نبی کی امت ہونے کے باعث مسلمانوں کے لیے جس قدر ناپسندیدہ اور مکروہ ہے، اس سے کہیں زیادہ ان کی زندگی میں پھیلے ہوئے اخلاقی اور سماجی طاعون کو

دیکھ کر سر چکراتا ہے اور ذہن سوچتا ہے کہ یہ لوگ ہیں کیا اور خود کو پیش کیا کرتے ہیں۔ اخلاق کی چادر اوڑھے یہ گروہ یہود و نصاریٰ سے بھی بدتر خصائل کا مظاہرہ کر رہا ہے۔

قیام ربوہ کے دوران بے شمار مرزائیوں سے ملاقات ہوئی۔ کئی دوست بنے، لاتعداد کلاس فیلو بھی تھے۔ ان کے مذہبی اجتماعات بھی دیکھے۔ کئی مرزائی بے زاروں سے مرزائی امت کے اربابِ حل و عقل کی داخلی زندگی کے رنگین و سادہ قصے بھی سنے۔ ''جنت و دوزخ'' اور ''حور و غلمان'' کی کہانیاں بھی معلوم ہوئیں لیکن ان سب سے ایک ہی نتیجہ اخذ کیا کہ مرزائیوں میں مسلمانوں کے لیے تعصب اور تنفر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔

چند برس پہلے ایک روز اپنے جاننے والے کے گھر بیٹھا تھا۔ ان کے ہاں ڈش نصب تھی۔ ٹیلی ویژن آن تھا۔ چینل بدلتے ہوئے اچانک ''احمدیہ ٹیلی ویژن نیٹ ورک'' آ گیا جس پر مرزا طاہر کا نام نہاد جمعہ کا خطبہ نشر ہو رہا تھا۔ موصوف کا کہنا تھا کہ ''پاکستان میں ہم جن قابلِ تعزیر جرائم کی زد میں آتے ہیں، ان میں ہمارے گھروں سے قرآن کا برآمد ہونا، کسی کو السلام علیکم کہنا یا نماز پڑھنا شامل ہے۔ جبکہ پاکستانی علماء اغواء، بدفعلی، زیادتی اور ناجائز اسلحہ رکھنے کے جرائم میں دھرے جاتے ہیں۔ موازنہ کیا جائے تو قصوروار اور جرم دار کون ہے۔

مرزا طاہر کی طرف سے جس ڈھٹائی سے خود کو معصوم اور پاکستانی علمائے کرام کو مطعون کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی، اسے سن کر میری سوئی ہوئی یادوں نے انگڑائی لی اور قیام ربوہ کے دوران دیکھے ہوئے مرزائیوں کے کئی ''کالے کرتوت'' یاد آنے لگے اور بے اختیار چاہا کہ کاش یہ شخص میرے سامنے ہوتا تو میں اس کا اور اس کی امت کا کچا چٹھا اس کے سامنے کھول کر رکھ دیتا۔ میرے پاس کوئی پلیٹ فارم نہیں تھا۔ چنانچہ یہ خواہش دل ہی دل میں رہ گئی۔ لیکن قدرت کو شاید میرے جذبے پر کچھ زیادہ ہی پیار آ گیا۔ اس لیے اس نے مرزائیوں کو آئینہ دکھانے کے لیے مجھے جلد موقع فراہم کر دیا۔

1965ء کے شروع کی بات ہے...... ہم ساہیوال ضلع سرگودھا میں رہتے تھے کہ ابا جی کا تبادلہ ربوہ میں ہو گیا۔ وہ محکمہ زراعت میں ملازمت کرتے تھے۔ ہمارا آبائی شہر بھیرہ ضلع سرگودھا ہے۔ بھیرہ جہاں اولیاء خیز سرزمین ہے، وہاں مرزائیوں کا گڑھ بھی ہے۔ مرزا قادیانی کا پہلا خلیفہ حکیم نور الدین بھی بھیرہ کا ہی رہنے والا تھا۔ جس نے مرزا غلام احمد کی جھوٹی نبوت کو چار چاند

لگائے۔ انہی دنوں ہماری پھوپھی زاد بہن کی شادی تھی، جس میں شرکت کے لیے ہم ساہیوال سے بھیرہ آئے تو وہاں کے مرزائیوں نے ہمارے گھر میلہ لگا دیا۔ ان لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ ہم ربوہ جا رہے ہیں تو ان کی خوشیاں دیدنی تھیں۔ حافظ اشرف، اماں خدیجہ، مبارک بک سیلر، بشارت چکی والا، مبارکہ درزن ...... غرض ہر مرزائی شخص ہمیں ملنے آیا۔ یہ لوگ یوں مل رہے تھے جیسے ہم حج یا عمرہ کرنے دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم جا رہے ہیں۔ تب مجھے معلوم نہیں تھا کہ ان مرزائیوں کی اس وارفتگی کی غایت کیا ہے۔ لیکن بعد میں پتہ چلا کہ ان کے پاؤں زمین پر اس لیے نہیں ''ٹک'' رہے کہ ان کے خیال میں ربوہ جا کر ہم لوگ مرزائی ہو جائیں گے۔

محکمہ ٹیلیفون کا ایک ملازم فضل احمد ربوہ میں رہتا تھا۔ راولپنڈی کے ایک شخص کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھی۔ اس کے بیٹے منور کو مرزائیت سے سخت نفرت تھی۔ چنانچہ وہ باپ سے ناراض ہو کر اپنی مسلمان پھوپھی کے ہاں پنڈی میں مقیم ہو گیا۔ فضل احمد نے بیٹے کو گھر واپس لانے اور مرزائیت میں داخل کرنے کے لیے سرتوڑ کوششیں کیں مگر ناکام رہا۔ فضل احمد نے اس سلسلے میں ایک مرزائی مبلغ جمیل الرحمٰن رفیق سے مدد طلب کی۔ موصوف فضل احمد کے گھر آیا اور یقین دہانی کرائی کہ وہ اس کے بیٹے کو دوبارہ مرزائی کر لے گا۔ لیکن بجائے اس کے کہ جمیل الرحمٰن رفیق، منور کو مرزائی کرتا، وہ خود فضل احمد کی بیٹی ناصرہ پر لٹو ہو گیا۔ خوبصورت ناصرہ جمیل الرحمٰن رفیق کو اپنا انکل سمجھ کر اس کی خوب خاطر مدارت کرتی رہی مگر انکل کچھ اور نکلا اور چند روز بعد ہی اس نے فضل کو شادی کے لیے پیغام بھجوا دیا۔ مرزائی مرکز کی طرف سے بھی جمیل الرحمٰن رفیق کی سفارش ہوئی لہٰذا بیچارہ فضل احمد انکار نہ کر سکا۔ چنانچہ اسے اپنی لڑکی کی شادی دگنی عمر کے شخص سے کرنی پڑ گئی۔ جمیل الرحمٰن رفیق ناصرہ کو لے کر چلتا بنا جو اب اس کی کئی بیٹیوں کی ماں ہے۔ یوں فضل احمد بیٹے کو مرزائی بنانے کے چکر میں بیٹی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔

ربوہ میں مرزائی نے ارتداد کے عجیب و غریب طریقے اختیار کر رکھے تھے۔ یہ لوگ دیہات کے غریب لڑکوں کو تعلیم دلوانے کا جھانسہ دے کر شیشے میں اتار لیتے تھے اور بعد میں بارِ احسان تلے دبے ہوئے یہ لڑکے مرزائی ہو جاتے۔ ان مرزائی لڑکوں کو مسلمان خاندانوں کے سامنے غیر مرزائی ظاہر کر کے ان کی شادی مسلمان لڑکیوں سے کر دی جاتی تھی۔ ایک مولوی صاحب کا تو یہ باقاعدہ کاروبار تھا۔ وہ جماعت سے فنڈز لیتا۔ دیہاتی غرباء لڑکوں کو تعلیم و ملازمت دلواتا، پھر ان کے

رشتے مسلمان گھرانوں میں کر دیتا۔ اس شخص نے ایک نہایت شریف اور خدا رسیدہ شخص کے ساتھ ایسا ہی دھوکہ کیا اور اپنے ایک پروردہ ''جنگلی'' کو ایک مسلمان کی تعلیم یافتہ بیٹی کے ساتھ بیاہ دیا۔ دو بچوں کے بعد مذکورہ مسلمان خاندان پر حقیقت کھلی تو وہ سر پیٹ کر رہ گئے مگر اب تو چڑیاں کھیت چگ چکی تھیں۔

اسی طرح مرزائی لڑکوں کی ڈیوٹی تھی کہ وہ مسلمانوں کی لڑکیوں کو شیشے میں اتاریں اور پھر انہیں اپنی زوجیت میں لائیں۔ یہاں ایک واقعہ جو لطیفہ بن گیا، قابل ذکر ہے۔ ایک مرزائی عبدالواسع نے ''مری'' میں سیر کے دوران ایک لڑکی کے ساتھ مراسم استوار کر لیے۔ وہ بہت خوش تھا کہ ایک مسلمان لڑکی پھنس گئی، جس کے عوض اسے مرکز سے بھاری معاوضہ ملے گا۔ مگر بعد میں اس پر انکشاف ہوا کہ وہ لڑکی چنیوٹ کے سردار عبدالقادر قادیانی کی بیٹی نجمی ہے جو مسلمان نہیں مرزائی ہے بلکہ وہ بھی جماعت کی طرف سے مسلمان مرد مرزائی بنانے پر مامور ہے اور اس نے مذکورہ شخص کو مسلمان لڑکا سمجھ کر لفٹ کرائی تھی۔ مرزائیوں کے مسلمان عورتوں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کا گھناؤنا منصوبہ اس قدر عام رہا ہے کہ ایک مرزائی اسلم چودھری نے ایک مسلمان عورت زرینہ عرف بلو سے دوستی کر لی جس کا خاوند تلاش معاش کے سلسلے میں ملک سے باہر تھا۔ بعد ازاں اس عورت سے مرزائی امت کے اس سپوت نے جس کو خدا سے ہم کلام ہونے کا دعویٰ ہے، ایک ناجائز بیٹا پیدا ہو گیا جو اب جوان ہو چکا ہے۔ اس کا نام ارسلان ہے۔

ازل سے آج تک دنیا کے ہر معاشرے میں تین قوتوں کی حکمرانی رہی ہے جن میں حکام، مذہبی اکابرین اور طبیب شامل ہیں۔ تینوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ مذہبی اکابر حکام کی ہر سچی جھوٹی بات کی تائید کر کے انہیں من مانی کا موقع دیتے ہیں جبکہ حکام اہل مذہب کو مالی امداد فراہم کرتے ہیں اور طبیب دونوں فریقوں کو جسمانی، ذہنی اور جنسی طور پر صحت مند رہنے کے لیے نسخے اور کشتے مہیا کرتے ہیں۔ انگریز کو ہندوستان پر پورا تسلط حاصل ہونے کے باوجود بھی مسلمانوں سے ہمیشہ خطرہ رہا ہے۔ خود کو مضبوط کرنے اور مسلمانوں میں دراڑیں ڈالنے کے لیے اس نے جب کسی مذہبی حوالے اور دھڑے کی شدت سے ضرورت محسوس کی تو مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی بنا کر لا کھڑا کیا۔ ان دونوں قوتوں کو شیطان دوستی میں مزید آگے لے جانے کے لیے بھیرہ نژاد حکیم مولوی نور الدین نے اپنی تمام تر ذہنی اور طبی صلاحیتیں صرف کر کے ایک مرزائی

معاشرے کو جنم دیا۔ مرزائیت کے قیام کو دوام بخشنے کے لیے مرزا غلام قادیانی اس کے برگ و بار اور خلفاء کو مرزائی علماء نے دلائل و براہین سے سچا ثابت کیا اور انگریز سے دولت کے ڈھیر سمیٹے جبکہ ان دونوں حلقوں کی ذہنی جسمانی اور جنسی آبیاری کے لیے طبیبوں اور ویدوؤں کے ٹولے نے اپنی اپنی خدمات انجام دیں۔ ربوہ شہر میں دیسی علاج کرنے والے حکماء کی بکثرت دکانیں ہیں۔ کہنے والوں کے مطابق حکیم نور الدین کا مرزائی خاندان نبوت اور امت پر بڑا احسان ہے۔ اس کی ادویہ نے مرزا غلام احمد کی ڈھلتی ہوئی جنسی قوتوں کو سنبھالا دیا اور نسخہ ''زد جام عشق'' کے زور سے مرزا محمود احمد اور مرزا بشیر احمد ایم اے پیدا ہوئے۔

گول بازار میں دواخانہ خدمت خلق، دواخانہ حکیم نظام جان اور خورشید یونانی دواخانہ بہت بڑے دیسی ادویہ کے مراکز ہیں۔ اس کے علاوہ شہر میں کئی چھوٹے چھوٹے مطب بھی موجود تھے جن میں حکیم رانجھا اور حکیم عبدالحمید سنیاسی کا مکتبہ فیض عام بہت مشہور تھے۔ کھلنڈرے لڑکے اکثر ''فیض عام'' کو ''قبض عام'' کہہ کر حمید سنیاسی کو چھیڑتے اور مادر و خواہر کی مغلظات سنا کرتے تھے۔

مذکورہ دواخانوں میں زیادہ تر قوت مردی میں اضافے کی ادویہ فروخت ہوتی تھیں۔ ہر دوسری دوا پر ''نسخہ حضرت خلیفہ اول'' تحریر کر دیا جاتا، جس کی کشش سے دوا کی خریداری میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ مرزا غلام احمد کے بارے میں مشہور ہے کہ ان پر جنسی قوت بڑھانے کا خبط سوار تھا۔ ان کی تقلید میں مرزائی امت کے مرد بھی ہر وقت جنسی کمزوری دور کرنے اور قوت مردمی بڑھانے کے چکر میں رہتے ہیں۔ یہ انہی نسخوں کا ہی اعجاز و اکرام ہے کہ مرزائی تعدد ازدواج اور کثرت اولاد کے دلدادہ ہیں۔ حکماء کا خاصا ہے کہ وہ جب بھی کوئی ''بم'' قسم کا نسخہ تیار کرتے ہیں تو پہلے خود استعمال کرتے ہیں۔ اسی بنا پر دواخانہ خدمت خلق کے حکیم بشیر اور دواخانہ نظام خاں کے حکیم نذیر کے گھروں میں بچوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ دیگر حکماء بھی اپنے اپنے کشتوں کی برکت سے خاصے عیالدار تھے۔ جنسی ادویہ کے علاوہ نور کا جل، محبوب کا جل اور سرمہ نور بھی مولوی نور الدین کے نسخے قرار دیئے جاتے اور ان سے چاندی حاصل کی جاتی۔ حکیم نذیر کی پیٹ درد کے لیے تیار کی گئی دوا ''ہاضمون'' بہت مشہور تھی، جس کے لیے انہوں نے ایک نظم بھی لکھی تھی۔

ہاضمون کیا خوب دوائی ...... ربوے وچ حکیم بنائی

بڑے بڑے مگر مچھ قسم کے حکماء کو ''مرزائی خاندان'' کی سرپرستی حاصل تھی لیکن نچلی سطح کے طبیب نہایت تنگ دست تھے، جنہیں دو وقت کی روٹی کے لالے پڑے رہتے تھے۔ حکیم صدیق نے اباجی سے اپنی کسمپرسی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ہم پر تو کوئی ایسا عذاب الٰہی نازل ہے کہ کسی کو مفت دوا دیں تو فوراً آرام آ جاتا ہے، لیکن مول دوا لینے والوں کو معمولی افاقہ بھی نہیں ہوتا۔ بعض اوقات تو لوگوں کو دوا کی قیمت واپس کرنی پڑتی ہے۔ بڑے حکیموں کے بھی اکثر نسخے ناکام تھے۔ مگر ان کا ''کلا'' بہت مضبوط تھا۔ دواخانہ خدمت خلق کا کیل مہاسوں سے نجات دلانے والا ''بیوٹی لوشن'' انتہائی خطرناک تھا۔ ایک بار ایک خاتون نے استعمال کیا تو وہ خطرناک الرجی کا شکار ہو گئی جو بمشکل اور بسیار ڈاکٹری علاج سے ٹھیک ہوئی مگر اس کے چہرے پر نشان عمر بھر موجود رہے۔

جہاں ربوہ میں ایک طرف حکیم راج تھا تو دوسری طرف زچہ بچہ کے بھی کئی چھوٹے بڑے کلینک کھلے ہوئے تھے جنہیں عطائی قسم کی دائیاں چلاتی تھیں۔ دو کلینک بہر حال بڑے اور مشہور تھے، جن میں ایک ''اقبال زنانہ دواخانہ'' تھا جو محلہ دار الرحمت وسطی میں کچے بازار اور پرائمری سکول کے قریب واقع تھا۔ ربوہ میں طبقاتی فرق ملک بھر میں سب سے زیادہ تھا جس کی بنا پر اعلیٰ درجے کے گھرانوں کی خواتین تو اپنے زچگی کے مراحل بڑے شہروں کے بڑے ہسپتالوں میں سر کیا کرتی تھیں۔ درمیانے، سفارشی اور منہ لگے طبقے کی خواتین کے لیے فضل عمر ہسپتال میں بھی مراعات و سہولیات میسر تھیں۔ لیکن نچلا اور تیسرے درجے کا طبقہ بہر حال روایتی دائیوں اور مذکورہ دواخانوں کے سہارے چلتا تھا۔ ان دواخانوں میں زچگی کے امور کے علاوہ اسقاط حمل کے کیس بھی نمٹائے جاتے تھے۔ اقبال زنانہ دواخانہ کی مالک رضی اقبال اپنے بیٹے کی معاونت سے یہ کلینک چلا رہی تھی۔ اس کے بیٹے کی رحمت بازار میں جوتوں کی دکان ''نعیم پمپی ہاؤس'' تھی۔ اس کے علاوہ گول بازار کے ریلوے پھاٹک سے ملحقہ پہاڑیوں کے دامن میں ایک مختاری دائی کا میٹرنٹی ہوم تھا۔ یہاں بھی خواتین اپنے زچگی کے مراحل سے گزرتی تھیں۔ اس کے علاوہ بہت سے بالا بلند اور نام نہاد شرفاء شبینہ مشاغل سے پیدا ہونے والے مسائل کے ازالہ کے لیے بھی ان کلینیوں سے رجوع کرتے تھے۔ دار الرحمت وسطی میں ہمارا ایک کلاس فیلو ذبر علی رہتا تھا۔ سیاہ رنگ کا یہ مرزائی بے زار انسان باتیں کھری کھری کرتا تھا۔ اس نے رضی اقبال کے بارے میں بتایا کہ موصوفہ اگرچہ ایک غیر مستند دائی ہے لیکن قادیان کی ظلی نبوت کی پیداوار تختہ مشق بنائی ہوئی

''امتی'' عورتوں کی مشکلات بہرحال آسان کر دیا کرتی ہے۔ اس کے بدلے میں اس نام نہاد ڈاکٹرنی کو ستم رسیدگان سے فیس اور ''اوپر والوں'' سے انعام بھی ملتا ہے۔

طلاق ربوہ میں جس قدر عام تھی، اس کی مثال کسی اور معاشرے میں بہت ہی کم ملتی ہے۔ یہاں مرد اور عورتیں دونوں طلاق کو مرضی کے مطابق استعمال کر لیتے تھے۔ ہمارے سکول کے ایک ٹیچر اسماعیل صاحب کے فلاسفی کے پروفیسر بیٹے مبارک احمد کی شادی ہوئی تو سہاگ رات کو ہی لڑکی نے لڑکے کے ساتھ رہنے سے انکار کر دیا اور اگلے ہی روز دونوں میں طلاق ہو گئی اور اسی ہفتے دونوں کی نئی شادیاں کر دی گئیں۔ طلاق کے بعد خواتین میں عدت گزارنے کا بھی کوئی تصور نہیں تھا۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے اپنی منکوحہ افتخار بیگم کو محض اس بنا پر طلاق دے دی کہ اس کو کسی اور لڑکی سے محبت تھی جبکہ اس کا باپ اس لڑکی کو صرف اپنے اغراض و مقاصد کے لیے ''بہو'' بنا کر لانا چاہتا تھا۔ اس شخص نے اپنی منکوحہ کو طلاق کے ساتھ تحریر کیے جانے والے خط میں لکھا۔ ''ہمارے معاشرے میں سسر کا بہو کے ساتھ تعلقات استوار کر لینا معمول کی کارروائی ہے، لہٰذا میں آپ کو اپنے باپ کے چنگل سے بچانے کے لیے بچانے کے لیے طلاق دے رہا ہوں۔'' یہ واقعہ بھی محلہ دارالرحمت شرقی کی ایک مکین لڑکی سے پیش آیا۔

طلاق اور خلع کے معاملات کو حل کرنے والی ربوہ کی متعلقہ انتظامیہ کا خاصہ ہے کہ وہ ایک ہی نشست میں طلاق کا فیصلہ کر دیتی اور کھڑے پاؤں لڑکی اور لڑکے کے لیے نئے رشتے تجویز کر دیتی جنہیں فریقین اکثر قبول کر لیتے۔ یہی وجہ ہے کہ طلاق کے مضر اثرات کو محسوس کیا جاتا اور نہ ہی اس سے بچاؤ کے لیے عملی اقدامات کیے جاتے تھے۔

اکثر مرزائی عورتیں شوقیہ طلاق بھی لے لیتی تھیں۔ ایسی کئی مثالیں دیکھی گئی ہیں۔ ایک شخص عبدالواسع کی بہن نے جب کسی ٹھوس وجوہ کے بغیر طلاق لے لی تو ہمارے ایک کلاس فیلو محمود نے اس بارے میں بتایا کہ مذکورہ خاتون ازدواجی بندھن کی قائل نہیں تھی۔ اس نے گھر والوں کے مجبور کرنے پر شادی کی اور ایک بچہ حاصل کرنے کے بعد شوہر اور سسرال سے چھٹکارا حاصل کر لیا۔ محمود کے مطابق ربوہ سے وابستہ اکثر تعلیم یافتہ خواتین میں یہی رجحان پایا جاتا ہے۔ وہ صرف بچہ حاصل کرنا چاہتی ہیں تاکہ معاشرے میں ان سے ''تنہا عورت'' کا لیبل اتر جائے۔ اس مقصد کے

لیے وہ کسی بھی عام شخص سے شادی کر لیتی ہیں اور مقصد حاصل ہوتے ہی کسی بھی بات کو جواز بنا کر نجات حاصل کر لیتی ہیں۔

ربوہ میں طلاقوں کی ایک اور وجہ بھی ہے جس پر مرزائی بے زار افراد کی اکثریت پوری طرح متفق ہے۔ ان لوگوں کے مطابق مرزائی امت کے مرد حضرات اپنے پیشواؤں اور ان کی آل کے نقش قدم پر چلتے ہوئے 'سدومیت' کے اس قدر رسیا ہیں کہ وہ بیویوں کو بھی تختہ مشق بننے پر مجبور کرتے ہیں۔ بعض خواتین اپنی مجبوریوں کے باعث سر تسلیم خم کر لیتی ہیں جب کہ اکثریت اس پر طلاق کو ترجیح دیتی ہیں۔ ہمارے محلہ میں ایک خاتون بشریٰ نے محض اس وجہ سے طلاق لے لی کہ وہ شوہر کی یہ خواہشات پوری کرنے سے قاصر تھی۔

ہمارے سکول کے ایک استاد کی شادی بھی ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ خاتون سے ہوئی جو پائے کی ریاضی دان تھی۔ اس نے موصوف سے شادی کے کچھ ہی عرصہ بعد طلاق لے لی۔ اس کے بارے میں بھی سننے میں آیا کہ خاتون اپنے شوہر نامدار کی جنسی خواہشات کو پورا نہیں کر سکتی تھی جو وہ اس کے ساتھ اپنی امت کی مسلمہ روایت کے طور پر ادا کرنا چاہتا تھا۔

جھوٹ وہ معاشرتی بیماری ہے جو کسی بھی معاشرے کی تمام اچھی اقدار کو گھن کی طرح چاٹ جاتی ہے۔ قادیانی نبوت کی بنیاد ہی جھوٹ ہے۔ لہٰذا یہ امت ہمہ وقت جھوٹ بولنا اپنا ایمان سمجھتی تھی۔ بڑے بڑے اکابرین اپنی کہی ہوئی باتوں سے یوں مکر جاتے ہیں جیسے وہ بات کہی گئی ہی نہیں تھی۔ ایک شخص چودھری نذیر خان ایک بار ہمارے گھر آیا اور کہنے لگا کہ ''میرا بھائی مختار احمد ایاز اور بھابی صالح بیگم جماعت کے مبلغ ہیں اور دونوں نے میرے حصے کی جائیداد ہتھیا کر اپنے نام کرا لی ہے۔ ان کا موقف ہے کہ یہ جائیداد موروثی نہیں بلکہ ان کی اپنی خریدی ہوئی ہے۔ ابا جان نے ان سے کہا۔ ''تم اس بارے میں کوئی ثبوت پیش کرو کہ جائیداد کے تم بھی وارث ہو۔'' کہنے لگا، ان لوگوں نے باپ کی بیماری کے زمانے میں ہر چیز اپنے نام کرا لی تھی۔ اب ثبوت تو میرے پاس ہے نہیں، بات قسم کی ہے مگر یہ لوگ جھوٹی قسم کھانے سے دریغ نہیں کرتے۔

ہماری گلی میں ایک حکیم صدیق آف میانی والے قیام پذیر تھے۔ ان کا بیٹا شریف صدیقی ایک بے روزگار نوجوان تھا۔ اس کو گھر میں کوئی وقعت حاصل تھی نہ گھر سے باہر اس کی کوئی عزت کرتا تھا۔ اس کا ہینڈ رائٹنگ بہت عمدہ تھا۔ وہ اباجی کا بے حد احترام کرتا تھا۔ چنانچہ جب بھی سکول

کے لیے چارٹ بنوانا ہوتا، اسے کہا جاتا۔ وہ بنا دیتا تھا۔ ایک بار میں نے اس سے پوچھا۔ ''آپ کو نوکری کیوں نہیں ملتی؟''
کہنے لگا۔ ''بھیا! میں نوکری حاصل کرنے کے قابل نہیں۔''
میں نے پوچھا۔ ''آپ پڑھے لکھے ہیں، پھر کیا وجہ ہے نوکری نہ ملنے کی؟''
کہنے لگا۔ ''ربوہ میں نوکری حاصل کرنے کے لیے منافقت کی ڈگری ہونا ضروری ہے، زہر کو قند کہنے کا فن جسے آتا ہو، وہ شجر احمدیت کے اثمار سے فیض یاب ہو سکتا ہے۔ میری مجبوری ہے کہ میں احمدی ہو کر بھی اپنی آل نبوت اور امت کے ساتھیوں کی برائیوں اور خطاؤں سے چشم پوشی نہیں کرتا۔ اپنے والدین، متعصب بھائیوں، محلے کے صدر اور جماعت کے اکابرین کے سامنے غلط کو غلط کہتا ہوں اور یہ چیز ان لوگوں کے لیے ناقابل برداشت ہے۔ لہٰذا مجھ سے میرے گھر والے خوش ہیں نہ جماعت والے راضی...... پھر مجھے نوکری خاک ملے گی۔''

ربوہ میں چڑے شکار کرنے کا عام رواج تھا۔ ہر گھر میں لوگ مرغیاں تاڑنے والے ٹوکرے کو ایک چھڑی کے سہارے اس طرح کھڑا کر دیتے کہ نیچے ایک خلا سا بن جاتا جہاں باجرہ بکھیر دیا جاتا تھا۔ جونہی چڑیا یا چڑا دانہ چگنے ٹوکرے کے نیچے جاتا، ٹوکرے کے ساتھ بندھی ہوئی رسی کھینچ لی جاتی۔ یوں بیچارہ چڑا مقید ہو جاتا جس کو پکڑ کر ذبح کر لیا جاتا تھا۔ ربوہ والے کہتے تھے کہ وہ چڑے بھی اپنے ''نبی'' کی سنت کے طور پر کھاتے ہیں۔ ایک صاحب نے بتایا کہ مرزا غلام احمد چڑے پکڑتے اور انہیں سرکنڈے سے نہایت اذیت دہ طریقہ سے ذبح کیا کرتے تھے۔ ان کے امتی اس معاملہ میں قدرے رحم دل واقع ہوئے تھے جو سرکنڈے کی بجائے چاقو سے چڑے ذبح کرتے تھے۔ ہمارے سکول کے ایک ماسٹر مسعود جن کی شکل انتہائی ہیبت ناک تھی، چڑوں کے بڑے رسیا تھے۔ وہ لڑکوں کو چڑے پکڑ کر لانے کو کہتے تھے اور جو لڑکا انہیں چڑے فراہم کرنے میں فراخ دلی سے کام لیتا، موصوف اسے نمبر دینے میں دریا دلی سے کام لیتے تھے۔ اس کے علاوہ ربوہ میں تلیر، شارک، لالی اور کبوتروں کا شکار بھی بہت کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ شکار کے لیے ائیر گن کے علاوہ غلیل بھی استعمال کیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کی دیکھا دیکھی ہمیں بھی چڑوں کے شکار کا شوق ہوا۔ میں اور میرا کزن شکار کے ابتدائی مراحل طے کر رہے تھے کہ اباجی کو خبر ہو گئی۔ اس کے بعد ہمارے ساتھ جو ہوا، اس کا نتیجہ بہر حال یہ تھا کہ پھر کبھی ''چڑا کشی'' کا خیال ہمارے ذہن میں نہیں آیا۔

ربوہ کے دکانداروں کا ناپ تول اس قدر بددیانتی پر مبنی تھا کہ خود اہل ربوہ اپنے ہم مذہبوں پر اعتبار نہیں کیا کرتے تھے۔ وہ سودا سلف لینے کے لیے چنیوٹ یا لالیاں جانے کو ترجیح دیتے تھے یا چمن عباس کے نذیر چنگڑ سے اشیاء ضرورت خریدا کرتے تھے۔ شریف بٹ اور حفیظ سبزی فروش کے ساتھ اکثر لوگوں کا مول تول پر جھگڑا ہوا کرتا تھا اور تو اور یہ لوگ اپنی گندم پسوانے کے لیے ربوہ کی چکی پر جانے کی بجائے چمن عباس کے مسلمان چکی والے کے پاس جایا کرتے تھے۔ ان تمام حقائق سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کا گیا گزرا معاشرتی اور سماجی طور طریق مرزائیوں سے ہزار گنا زیادہ اچھا ہے کہ یہ لوگ خود حقیقی زندگی میں مسلمانوں پر ہی انحصار کیا کرتے تھے۔

اس شہر کے باسیوں میں گالیاں دینے کا عام رواج تھا۔ وہ لوگ کشتی نوح میں مرزا غلام احمد قادیانی کی مسلمانوں کو دی گئی گالیوں پر بڑے نازاں تھے اور ان کی تقلید میں گالی دینا اپنا کمال سمجھتے تھے۔ ربوہ کا ایک ڈپو ہولڈر عبدالرحیم چیمہ مغلظات کا اس قدر ماسٹر اور خوگر تھا کہ اپنے ڈپو پر آنے والے گاہکوں کو بھی رگڑا لگا دیتا تھا۔ ایک بار کسی گاہک کو رحیم چیمہ گالی دے بیٹھا جس پر بات بڑھتی بڑھتی لمبی لڑائی کی شکل اختیار کر گئی۔ معاملہ امور عامہ سے ہوتا ہوا مرزا ناصر احمد کے پاس چلا گیا۔ مرزا ناصر احمد نے رحیم چیمہ کو طلب کر کے کہا۔ ''چیمہ صاحب! آپ کی شکایت آئی ہے کہ آپ اپنے ڈپو پر آنے والے گاہکوں کو گالیاں دیتے ہیں۔''
اس پر رحیم چیمہ نے کہا۔ ''جناب! کہڑا ابہن.......... کہندا اے؟''
یہ سن کر مرزا ناصر احمد اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ کہتے بھی کیا، ان کی اپنی تعلیم بول رہی تھی۔

ربوہ میں بیاہ شادیوں کے سلسلے میں عجیب فرق و امتیاز پر مبنی نظام رائج تھا۔ ''اہل خاندان'' ان کے حواریوں اور پوش علاقے کے باسیوں پر شان و شوکت سے شادی کرنے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ ریلوے لائن کے ایک طرف لاری اڈہ والی سائیڈ پر محلہ دارالصدر کے باسی جو کریں، وہ سب اچھا تھا لیکن ریلوے لائن کے دوسری طرف کے مکین اور دارالرحمت محلوں والے مرکز کی ہدایات کے مطابق مسجد میں نکاح کیا کرتے تھے۔ اس کے لیے دلیل یہ دی جاتی تھی کہ متوسط طبقے کو شادی بیاہ کے اخراجات سے بچانے کے لیے یہ حکمت عملی اختیار کی گئی جبکہ اہل زر و ثروت اپنے وسائل کی بنا پر سب کچھ کر گزرنے میں آزاد تھے۔

لو میرج بھی ربوہ کے کلچر کا حصہ تھی۔ اکثریت پسند کی شادی کرتی ہے۔ ہماری گلی میں ہی

ایک لڑکی بشریٰ متین رہا کرتی تھی۔ اس کے گھر والوں نے اس کی شادی طے کر رکھی تھی لیکن موصوفہ نے عین وقت پر شادی کرنے سے انکار کر دیا اور اپنی مرضی سے ایک مسلمان سے شادی رچالی۔ اسے مرکز کی طرف سے ربوہ بدر کرنے اور سوشل بائیکاٹ کی دھمکی بھی دی گئی مگر اس نے کسی کو خاطر میں لانے سے انکار کر دیا۔ ہمارے ایک کلاس فیلو ظہیر الدین بابر نے والدین کی طرف سے پسند کی شادی میں رکاوٹ پر خودکشی کی کوشش کی۔ میو ہسپتال کی ایک نرس ناصرہ نے بھی پسند کی شادی کر لی اور گھر والوں کو اس وقت بتایا جب وہ ماں بننے والی تھی۔ ''لو میرج'' یوں تو ہر معاشرے میں ہوتی ہے لیکن ربوہ کلچر میں اس کی نوعیت مختلف تھی۔ خاندان نبوت کے بڑے بوڑھے اور نوجوان تو جماعت کی کسی بھی لڑکی سے شادی کرنے میں آزاد تھے، لیکن جماعت کے عام افراد پر پابندی تھی۔ گو وہ بھی اس پابندی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ اس کے علاوہ اکثریت اپنے والدین یا گھر والوں کو خبر کئے بغیر بھی شادیاں رچالیا کرتی تھیں۔

مرزا ناصر کے بھائی مرزا رفیق نے چنیوٹ کے ایک سابق ہیڈ ماسٹر جلیل شاہ کی بیٹی کو کسی طرح شیشے میں اتارا اور اس کے والدین کی رضامندی کے بغیر شادی کر لی۔ بعد ازاں جلیل شاہ کو دلفریب مالی آسودگی کی پیشکش کی گئی، جس پر موصوف نے مذہب اور عزت کو عیش و عشرت پر وار دیا اور اپنے پورے خاندان کے ساتھ ربوہ آ گیا اور ریٹائرڈ ہونے کے بعد ربوہ میں ٹیوشن سنٹر کھول لیا۔ وہ بزعم داماد تعلیمی بورڈ کے ہم مذہب و ہم مشرب ارباب حل و عقد سے انگریزی کے گیس حاصل کر کے طلباء کو منتخب سوالات کروا اور بتا دیتا۔ امتحان میں وہی سوالات آ جاتے جس سے طلباء و طالبات امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کر لیتے۔ اس طریق کار سے جلیل شاہ کے گھر ٹیوشن پڑھنے والوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی لیکن سیاہ فام جلیل شاہ کا خاصا تھا کہ وہ لڑکوں کی بجائے لڑکیوں کو ٹیوشن پڑھانے کو ترجیح دیا کرتا تھا۔ سارے دن میں لڑکیوں کی کئی کلاسیں لیتا جبکہ لڑکوں کی صرف ایک کلاس ہوا کرتی تھی۔

ربوہ کی ایک خاتون ٹیچر ایک سرکاری افسر کے دام محبت میں آ گئی۔ موصوف پہلے ہی شادی شدہ اور ایک بیٹے کا باپ تھا۔ اس ٹیچر کو اس نے دوسری شادی کی پیشکش کی تو اس نے شرط رکھ دی کہ پہلی بیوی کو طلاق دو پھر شادی کروں گی۔ کافی ردوکد کے بعد یہ شادی تو ہو گئی لیکن سرکاری افسر نے پہلی بیوی کو طلاق دے دی اور بیٹے کو ننھیال کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ طلاق دلوا کر شادی

رچانے کا رواج بھی ربوہ کی عورتوں میں عام تھا۔ جبکہ اکثر مرد بھی دوسروں کی بیویوں کو شیشے میں اتار کر طلاق پر راغب کر لیتے اور بعد میں شادی رچالیا کرتے تھے۔ جیسا کہ اوپر تحریر کیا گیا، ربوہ میں طلاق کو معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ اسی کا اعجاز تھا کہ عائلی زندگی عدم استحکام کا شکار رہتی تھی۔

شہر بھر میں دیواروں پر فضول قسم کی باتیں لکھنے کا بھی بہت رواج تھا۔ خوبصورت لڑکے کو وہاں کے لوگ اپنی کسی مخصوص اصطلاح میں ''کے ٹو'' کہا کرتے تھے۔ ہمارا ایک دوست عبدالسمیع سہیل جو سرگودھا سے آیا تھا، اس کے حسن کے بہت چرچے تھے۔ ہر دیوار پر جلی حروف میں لکھا ہوتا تھا۔

''ربوہ کا مشہور و معروف تحفہ سہیل کے ٹو''

اہل شہر کو ''کے ٹو'' سے کیا نسبت تھی، اس کا مجھے آج تک علم نہیں ہو سکا۔ تاہم کئی دیواروں پر یہ الفاظ بھی تحریر ہوتے تھے کہ ''بے وفا دوست سے کے ٹو سگریٹ اچھے ہوتے ہیں۔''

لوگوں کو گھر سے بلانے کے لیے عجیب طریق کار مروج تھا۔ جب کوئی شخص کسی کے گھر جاتا تو دروازہ ''ناک'' نہیں کرتا تھا، حالانکہ ہر گھر پر کال بیل بھی لگی ہوتی تھی۔ جانے والا دروازہ کے باہر کھڑا ہو کر زور سے ''السلام علیکم'' کہتا جس کے جواب میں صاحب خانہ باہر آ جاتا تھا۔ مرزائی اس طریقہ کار کو مذہبی لحاظ سے انتہائی شائستہ عمل قرار دیتے تھے۔ دوسری طرف یہ عالم تھا کہ اگر کوئی شخص گھر سے باہر نہ آتا یا دروازہ نہ کھولتا تو آنے والا کسی بچے کی خدمات حاصل کرتا۔ بچہ دیوار پھاند کر گھر میں داخل ہوتا اور صاحب خانہ کو باہر آنے کے لیے کہتا۔ نتیجتاً اسے باہر نکلنا ہی پڑتا۔ ان واقعات و حقائق سے یہ اندازہ لگانا نہایت آسان ہے کہ ربوہ کی معاشرتی زندگی کس قدر تضادات کا مجموعہ تھی جس کی بنا پر مرزائی امت کی منافقت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ہم نے سن رکھا تھا کہ ربوہ میں جنت اور حوریں بھی ہوتی ہیں۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ کیسے جانا جائے کہ جنت دوزخ کہاں ہیں اور حوریں کدھر اور کیسی ہوتی ہیں۔ ابا جی سے جو معلومات ملیں ان سے جنت دوزخ کے بارے میں تو کچھ پتہ چل گیا مگر حوروں والا قصہ ابھی تک تشنہ بلکہ نامکمل تھا۔ کسی مرزائی لڑکی سے اس بارے میں دریافت کرنا بھی مشکل تھا۔ ہماری کلاس میں ایک لڑکا عبدالمالک پڑھتا تھا۔ دیہاتی لب و لہجے کا یہ لڑکا مرزائیوں کے سخت خلاف تھا، مگر

اپنے باپ کی جائیداد کی محرومی کے خوف سے مرزائیت کے ساتھ چپکا ہوا تھا۔ ایک دن وہ
مرزائیت اور اس کے ماننے والوں کے شجرۂ نسب پر طبع آزمائی کر رہا تھا۔ میں نے موقع غنیمت جانا
اور اس سے حوروں کے متعلق پوچھ ڈالا۔ غصے میں پہلے ہی تھا، میرے استفسار پر اس نے حور و
تصویر کی پوری تفسیر بیان کر ڈالی۔ کہنے لگا۔

''سوہنیا! حوراں کا ہدیاں نیں، ربوہ دیاں ساریاں کڑیاں نوں ای حوراں کہندے نیں، تاہم کجھ
حوراں اصلی ہوندیاں نیں کجھ نقلی۔''

پوچھا۔ ''نقلی اور اصلی حوروں سے مراد؟''

جواب ملا۔ ''اصلی حوراں مرجوآنیاں دیاں زنانیاں نیں تے نقلی حوراں حماتراں دیاں رناں
نیں۔''

مالک سے میں نے سوال کیا، ان لوگوں کی خواتین اصل اور تم والی نقل حوریں کیوں......؟

اس پر وہ مسکرایا اور کہنے لگا۔

''بھائی! او وہ اصلی دیسی گھی دیاں نیں نا۔ وہ اس طرح کہ ہمارا نبی خواہ سچا ہے یا جھوٹا، اس سے قطع
نظر نبی تو ہے نا۔ اب اس کی آل اولاد میں جتنی لڑکیاں ہیں، وہ خوبصورت بھی ہیں، امیر بھی۔ ان
کے لباس، شکل وصورت اور نشست و برخاست ہماری عورتوں سے مختلف اور پرکشش ہے۔ چنانچہ
اصلی حوریں ہی کہا جائے گا جبکہ ہماری عورتیں مرجئے، مقام اور جیب کے اعتبار سے ان جیسی تو
نہیں ہیں لیکن اس نبی کی امت تو ہیں، جسے ہم نے مان لیا ہے۔ چنانچہ اس حوالے سے حوروں والی
صفات ہماری خواتین کے حصے میں بھی آتی ہیں۔''

اتنی معلومات ملنے کے بعد میں نے حوروں کے بارے میں خود بھی مشاہدہ کیا تو مجھے ربوہ کی
ہر عورت حور ہی لگنے لگی۔ کیونکہ مرزائی عورتوں کا اپنی طرف متوجہ کرنے کا جو انداز ہے، اس سے وہ
خواہ مخواہ ہی حوریں لگتی تھیں۔ سیاہ رنگ کے ان کے برقع کی وضع قطع کچھ اس طرح کی ہوتی ہے کہ
ہر خاتون ''سیکس اپیلڈ'' نظر آتی تھی۔ برقع کا نچلا حصہ لمبا اور چغہ نما ہوتا جو کہنے کو برقع مگر اس میں
ملبوس ہر خاتون ایک فتنہ خوابیدہ نظر آتی تھی۔ سر پر تکونی سکارف اور اس کے ساتھ دو نقاب اپنے
اندر ایک طوفان چھپائے ہوئے ہوتے تھے۔ اس پر طرہ یہ کہ ہر عورت ایک نقاب سے چہرے کا
نچلا حصہ ناک تک چھپا لیتی ہے جبکہ دوسرا نقاب سر پر لپیٹ لیا جاتا ہے۔ صرف آنکھیں کھلی رہ

جاتی ہیں جو آنکھیں آنکھوں میں باتیں کر جاتی ہیں۔ بعض مہ جبیں آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگا کر اچھی
بھلی دشمن عقل و ایمان بن جاتی ہیں۔ اس گٹ اپ میں معمولی سی شکل وصورت والی عورتیں بھی ماہ
لقا اور حور شمائل نظر آنے لگتی ہیں۔

مرزائی خاندان نبوت کی خواتین واقعی حسن و جمال کا پرتو ہیں۔ ''عزازیلی'' حسن کی بنا پر ہی
یہ جھوٹا مذہب چل رہا ہے۔ حسینان ربوہ کو حوریں کہنا اگرچہ شاعری کے زمرے میں آتا ہے لیکن
جس کسی نے شاعرانہ ترنگ میں مرزائی خواتین کو حوریں کہا ہے، اس میں اس کی خرد قصوروار نہیں۔
یہ دست قدرت کا کمال ہے یا کالے برقع کی فسوں سازی، جس نے وہاں کی عورت کی ہر عورت کو
حور بنا کے رکھ دیا ہے۔

مرزائی امت کے ارباب اقتدار اور شہر کے عوام الناس نے اپنے ہر قول و عمل پر منافقت کا
لبادہ چڑھا رکھا ہے۔ ربوہ کے معاشرے کو پاکیزہ اور مثالی ظاہر کرنے کے لیے مختلف ڈرامے
بازیاں کی جاتیں، جن میں شہر کے ایک کونے پر جامعہ نصرت گرلز کالج اور نصرت گرلز ہائی سکول اور
دوسرے کونے پر لڑکوں کے تعلیم الاسلام ہائی سکول اور آئی ٹی کالج کی تعمیر نا قابل ذکر ہے۔ اس تعمیر
کی غایت بظاہر یہ تھی کہ باہر کی دنیا پر یہ ثابت کیا جائے کہ صنف نازک اور صنف کرخت کے تعلیمی
اداروں میں انتہائی فاصلے ایک مثالی معاشرے کی شاندار مثال ہے۔ لیکن ان کی منافقت اور
ڈرامے بازی اس وقت انتہائی مضحکہ خیز ثابت ہوئی جب دریائے چناب، الف محلہ، دار نصر،
دار البرکات اور پہاڑی کے دامن میں واقع دار الیمن کی لڑکیاں اپنے سکول کالج کے لیے ریلوے
لائن کے کنارے چلتی ہوئی آ رہی تھیں جبکہ فیکٹری ایریا، محلہ دار الصدر، محلہ دار الرحمت غربی، شرقی،
وسطی، ریلوے اسٹیشن کے علاقے کے لڑکے دریا کی طرف اپنے سکول و کالج جا رہے تھے تو دونوں
اصناف کا آپس میں کراس ہوتا۔ اس دوران بے شمار لڑکے لڑکیوں کے آپس میں مسکراہٹوں اور
رقعوں کے تبادلے ہو جاتے اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوتی۔

ایک مرتبہ میں اور میرا کزن محمد شفیع ریلوے لائن میں چلتے ہوئے سکول جا رہے تھے۔
راستے میں ایک شیریں کو اپنے فرہاد کی نگاہوں سے بلائیں لیتا دیکھا تو لامحالہ ہمارا دھیان ادھر چلا
گیا۔ اس محویت میں پیچھے سے آتے ہوئے ریلوے انجن کی آواز بھی سنائی نہ دی۔ قدرت کو
ہماری زندگی مقصود تھی کہ انجن ابھی چند گز کے فاصلے پر تھا کہ ہم نے دائیں بائیں جانب چھلانگیں

لگا کر جان بچالی ورنہ ایک حور کے کمالات کا نظارہ ہمیں دوسری دنیا میں پہنچا چکا ہوتا۔

ربوہ کی ایک لڑکی کا نام نجمہ تھا جسے سب لوگ نجمی کہتے تھے۔ اس کی چنیوٹ کے ایک مسلمان لڑکے ظہیر احمد سے نہ جانے کیسے ملاقات ہوگئی اور اسے اپنا دیوانہ بنالیا۔ یہ لڑکا یتیم تھا اور تعلیم حاصل کرنے ملتان سے اپنی بہن کے پاس چنیوٹ آیا ہوا تھا۔ ظہیر کے گھر والوں نے سنا ہوا تھا کہ ربوہ میں تعلیم بہت اچھی ہے۔ لہٰذا اسے فرسٹ ائیر میں تعلیم الاسلام کالج میں داخل کرا دیا گیا۔ اس کی نجمی سے ملاقات ہوئی تو وہ ظہیر پر لٹو ہوگئی۔ دسمبر ٹیسٹ میں جب ظہیر میاں فیل ہو گئے تو اس کے گھر والوں کا ماتھا ٹھنکا۔ انہوں نے اپنے طور پر انکوائری کی تو معلوم ہوا کہ میاں صاحبزادے تو حور کی زلفوں کے اسیر ہو چکے ہیں۔ بس پھر کیا تھا، پہلے تو ان کی خوب دھنائی ہوئی مگر جب عشق کا بھوت ان کے سر سے نہ اترا تو موصوف کو گھر والوں نے واپس ملتان بھیج دیا۔

حوروں کے سب سے بڑے ووڈ پو مرزا محمود احمد کی بیویاں مہر آپا اور مریم صدیقہ المعروف چھوٹی آپا کے گھروں میں تھے۔ ''رحم'' سے خالی مہر آپا کے پاس جماعت کی دیوداسیوں کی ایک فوج تھی، جو بظاہر اس کی خدمت پر مامور تھیں مگر حقیقت میں وہ اپنے نبوت زادوں کی دل بستگی کا سامان کرتیں یا احمدیوں کے دام میں آنے والے پنچھیوں کے پاؤں میں اپنی زلفوں کی بیڑیاں ڈالا کرتی تھیں۔

ربوہ کے تمام مرد دو مقامات پر سر و نگاہ جھکا لیتے اور ہاتھ باندھ لیا کرتے تھے۔ ایک جب وہ اپنے خلیفہ، اس کی اولاد یا جھوٹے خاندان نبوت کے کسی بھی فرد کے سامنے پیش ہوتے، دوسرے اس وقت جب حوریں ان کے سامنے آتیں۔ ربوی مرد کنکھیوں سے انہیں دیکھ تو لیتے مگر ان سے نظر ملانا نہ جانے کیوں ان کے بس میں نہیں ہوتا تھا۔ کئی ایک سے جب اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اپنے نبی کی نام نہاد تعلیمات کا حوالہ دیتے ہوئے کہا۔ ''ہم اپنی مذہبی تربیت کی بنا پر عورتوں کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتے جبکہ عورتیں ہمیں سر سے پاؤں تک دیکھ لیتی ہیں۔''

جامعہ نصرت کالج فار ویمن کی پرنسپل فرخندہ جو مسز شاہ کے نام سے مشہور تھیں، ان کی مرزائیت کے لیے ''خدمت'' کو بہت سراہا جاتا تھا۔ ان کی علمیت کے علاوہ زبردست ڈسپلن کے قصیدے بھی قصر خلافت میں چار دانگ پڑھے جاتے تھے۔ ان کے بیٹے نے اپنی والدہ کو کالج میں سوشل ورک کا مضمون متعارف کرانے کا مشورہ دیا جسے قبول کر لیا گیا اور پھر بیٹے ہی کی سفارش پر

ایک مسلمان لڑکی مس نجف کو سوشل ورک کی لیکچرار کے طور پر ملازمت دے دی گئی۔ اس مسلمان لیکچرار نے مسز شاہ کے سخت نظم و ضبط اور قصر خلافت میں نیک نامی پر پانی پھیر دیا اور پرنسپل کے بیٹے کو پہلے مسلمان کیا، بعد میں اس کے ساتھ شادی رچا کر اسے کفرستان سے لے کر نکل گئی۔ قصر خلافت، مسز شاہ اور حوریں منہ دیکھتی رہ گئیں۔

حوروں کے سلسلے میں ایک دلچسپ بات جسے ہر شخص انجوائے کیا کرتا تھا کہ جامعہ نصرت گرلز کالج کی پرنسپل مسز شاہ، نصرت گرلز ہائی سکول کی ہیڈ مسٹریس مسز بشیر اور فضل عمر فاؤنڈیشن انگلش میڈیم سکول کی پرنسپل، تینوں بیوہ تھیں۔ اکثر لوگ از راہ مذاق کہا کرتے تھے کہ تینوں میڈموں نے نہ جانے کیوں اپنے شوہروں کو دنیا سے باجماعت رخصت کر دیا ہے اور مرزائی مرکز نے زنانہ تعلیمی اداروں کے لیے تین بیوائیں ہی کیوں منتخب کیں۔

ہمارے چنیوٹ کے ایک دوست کی بہن جو نصرت گرلز ہائی سکول کی طالبہ تھی اس کے گھر والوں نے چنیوٹ سے لاہور منتقل ہونا تھا چنانچہ اس نے آٹھویں جماعت پاس کرنے کے بعد نویں کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنا چاہا مگر سکول کی ہیڈ مسٹریس مسز بشیر نے سرٹیفکیٹ دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ''بچی لائق ہے، اسے ہم میٹرک پاس کرنے تک سکول سے فارغ نہیں کریں گے۔'' سکول کے منیجر چودھری علی اکبر ہمارے دوست مقصود الرحمٰن کے والد تھے، ان کی سفارش کرائی مگر بے سود۔ آخر ہمارے ایک اور کلاس فیلو عبدالحئی طاہر دور کی کوڑی لائے۔ انہوں نے یونائیٹڈ بنک کے منیجر لطیف اکمل سے بات کی جنہوں نے ایک فون کیا اور اگلے ہی لمحے مسز بشیر نے سرٹیفکیٹ دینے کی ہامی بھر لی۔ ہمارا کام تو ہو گیا مگر لطیف اکمل سے اس انہونی کے ہو جانے کے اسباب پوچھے تو انہوں نے آنکھ دبا کر کہا۔ ''بھائی! یاری کی کچھ تو پردہ داری ہونی چاہیے۔''

ایک مرتبہ ہمارے ایک جاننے والے کی نصرت گرلز ہائی سکول کی طالبہ بیٹی نویں جماعت میں فیل ہوگئی۔ لڑکی کے والد نے سکول انتظامیہ سے ملنے کے بعد لڑکی کے پرچے دوبارہ چیک کر کے اسے رعایتی نمبر دلوا کر پاس کرنے کی درخواست کی۔ اس سلسلے میں اس کی ملاقات لڑکی کی کلاس ٹیچر سے ہوئی جس نے لڑکی کے باپ کو بتایا کہ لڑکی کی نالائقی کی وجہ اس کا چال چلن ہے۔ یہ اور اس کی سہیلیوں کا گروپ کلاس سے اکثر غائب رہتا ہے اور یہ سب ایک دوسرے کے بوائے فرینڈز کو محبت نامے پہنچانے اور ملاقاتیں ارینج کرانے میں مصروف رہتی ہیں، جس کی لازمی نتیجہ

یہ ہے کہ پڑھائی میں کمزور رہ گئی ہے۔ لڑکی کا والد جو پہلے ہی بیٹی کی ناکامی پر سر پیٹ رہا تھا، اب بچی کے مشکوک چال چلن کی خبر پر سخت پریشان ہو گیا۔ جب لڑکی اور اس کی سہیلیوں سے معلوم کیا گیا تو انہوں نے ایک اور ہی کہانی سنا ڈالی کہ موصوف ٹیچر کے خود کچھ مشکوک لوگوں کے ساتھ تعلقات ہیں اور وہ اپنی ''خوبرو'' طالبات کو ان لوگوں سے ملاقات پر مجبور کرتی ہے اور جو لڑکیاں بات نہیں مانتیں، انہیں نہ صرف کلاس میں زچ کیا جاتا ہے بلکہ امتحان میں بھی فیل کر دیا جاتا ہے۔ یہ مسئلہ جب اعلیٰ سطح پر اٹھایا گیا تو سکول انتظامیہ نے کہہ کر بات ٹال دی کہ اس طرح اساتذہ اور طالبات کی بدنامی ہوگی۔ چنانچہ لڑکی کو پاس کر کے اگلی کلاس میں بھیج دیا گیا۔

ہمارے محلے میں ایک لڑکا رفیق رہتا تھا جس کے اپنی پڑوسن اور میٹرک کی طالبہ جمیلہ سے تعلقات تھے۔ دونوں کے والدین نے انہیں باز رکھنے کی بے حد کوشش کی مگر بے سود، دونوں نے اپنی ڈگر سے ہٹنے سے انکار کر دیا۔ رفیق کا والد راج گیری کرتا تھا وہ اسے اپنے ساتھ کوئٹہ لے گیا جبکہ جمیلہ کے گھر والوں نے اس کی شادی کر دی۔ فریقین کا خیال تھا کہ دوری دونوں کے سروں سے عشق کا بھوت اتار دے گی۔ مگر مرض دوا کرنے کے ساتھ بڑھتا گیا اور رفیق باپ کو جل دے کر کوئٹہ سے چنیوٹ آ گیا اور ایک آٹو ورکشاپ میں کام سیکھنا شروع کر دیا۔ اس دوران رفیق اور جمیلہ کی ملاقاتیں پھر سے ہری ہو گئیں۔ چنانچہ جمیلہ نے طلاق لے لی اور رفیق نے اپنے استاد کی مدد لے کر اس سے نکاح کر ڈالا۔

ربوہ کے ایک حکیم صاحب کے پڑوس میں ملتان کا ایک لڑکا شاکر اپنی ماں کے ہمراہ قیام پذیر ہوا۔ حکیم صاحب نے اپنی تربیت کے مطابق اس سے ملاقات کی اور پوچھا کہ ''بیٹے! آپ احمدی ہیں؟''

جواب ملا۔ ''نہیں''

حکیم صاحب نے فوراً اسے تبلیغ کرنے کا فیصلہ کیا اور مرزا غلام احمد کی نبوت، ان کے خلفاء کے بارے میں جملہ کہانیاں سنا ڈالیں۔ شاکر اگرچہ مذہبی ذہنیت رکھنے والا مسلمان نہیں تھا، چنانچہ اسے مرزائیت سے بھی کوئی رغبت نہیں تھی۔ حکیم صاحب نے اسے مسجد اور دیگر اجلاسوں میں آنے کی بہت پیشکش کی مگر وہ ہر بار طرح دے جاتا۔ ایک دن حکیم صاحب نے اسے گھر بلایا اور ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔ ابھی تبلیغ کا باب دوبارہ شروع ہوا ہی تھا کہ حکیم صاحب کی بیٹی چائے لے

کر ڈرائنگ روم میں آئی۔ بس پھر کیا تھا، شاکر لڑکی کو دیکھتے ہی دم بخود ہو گیا۔ ''اتنی حسین لڑکی شاید میں نے پہلے کبھی دیکھی ہی نہیں۔'' خود کلامی کے انداز میں وہ بڑبڑایا۔ حکیم صاحب نے یہ صورت حال دیکھی تو کہنے لگے۔ ''بیٹے! یہ میری بیٹی طاہرہ ہے، اس سال فرسٹ ائیر میں داخل ہوئی ہے۔''

شاکر طاہرہ کے حسن قیامت خیز میں اس قدر کھویا کہ اس نے حکیم صاحب کی شبینہ روز تبلیغ کو گوارا کرنے کا فیصلہ کر لیا اور کہا۔ ''حکیم صاحب! مجھے آپ کی باتیں بہت اچھی لگتی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ تمام باتیں مجھے رفتہ رفتہ بتائیں اور سمجھائیں۔'' حکیم صاحب تیار ہو گئے۔ یوں اس نے ایک مقررہ وقت پر ان کے گھر جانے کا معمول بنا لیا۔ حکیم صاحب ایک نیا احمدی جماعت میں لانے میں مگن تھے جبکہ شاکر ترچھی نگاہوں سے طاہرہ کو تسخیر کرنے میں مصروف تھا۔ حکیم صاحب کی مسلسل کوشش کے باوجود شاکر مرزائی تو نہ ہوا، مگر طاہرہ اس کے دام محبت میں آ گئی۔ شاکر طاہرہ سے تعلق برقرار رکھنے اور حکیم صاحب کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے نیم مرزائی ہو گیا۔ ان دونوں کی دوستی اور محبت کا حکیم صاحب کو بھی علم تھا مگر وہ شاکر کے مکمل مرزائی ہونے تک سب کچھ گوارا کرنے پر تیار تھے جبکہ شاکر انہیں ٹالنے کے لیے نت نئے بہانے بنا لیتا۔ کبھی کہتا میں اپنی تعلیم مکمل کر لوں، پھر مرزا ناصر کی بیعت کر لوں گا، فوری طور پر بیعت کرنے پر مجھے گھر والے عاق کر دیں گے۔ حکیم صاحب اس کی دلیلوں کو مانتے رہے اور اپنے گھر جانے سے نہ روکا۔ اس دوران وہ اپنا مقصد بھی حاصل کرتا رہا۔ یوں اس نے پہلے ایف اے پھر بی اے کر لیا اور مرزائیت پر لعنت بھیجتا ہوا واپس ملتان چلا گیا جبکہ حکیم صاحب اور طاہرہ ہاتھ ملتے رہ گئے۔

ایک لڑکی نورالنساء ڈار کی داستان بھی مدتوں ربوہ کے کوچہ و بازار کا شاہکار بنی رہی۔ جن دنوں نیا نیا ٹی وی آیا تو ربوہ کے متمول گھروں کی چھتوں پر بلند و بالا انٹینے لگے نظر آتے تھے۔ جماعت کی طرف سے بالا بلندیوں کو ٹی وی رکھنے کی سختی سے ہدایت تھی۔ ٹی وی پر جب ہفتہ وار فلم لگتی تو جماعت کے امراء، غرباء، ہم مذہبوں کو اجتماعی طور پر فلم دیکھنے کی دعوت دیا کرتے تھے۔ یہ بات میرے ذاتی مشاہدے میں ہے کہ ہم نے بھی حوروں کے جلو میں بیٹھ کر پرانی فلم ''جھومر'' دیکھی تھی۔

غلہ منڈی بازار میں ایک جنرل سٹور کا مالک عبدالباسط انتہائی وجیہہ اور خوبرو نوجوان تھا۔

کبڈی کے اس کھلاڑی کی ایک لڑکی بشریٰ کے ساتھ گہری چھنتی تھی۔ ویسپا پر دونوں کھلے عام گھومتے۔ بشریٰ اپنی سہیلیوں کے جلو میں دکان پر شاپنگ کرنے آتی تو جو دل چاہتا، سمیٹ کر لے جاتی۔ اس دریا دلی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد دکان خالی ہوگئی تو بشریٰ نے بھی اپنا رخ زیبا موڑ لیا۔ موصوف دن بھر کوئے جاناں کی خاک چھانتا لیکن وہ پری رو تو جیسے گم ہوگئی۔ بعد میں اسے پتہ چلا کہ بشریٰ اس کے ساتھ فلرٹ کر رہی تھی حالانکہ اس کا نکاح تو پہلے ہی کہیں ہو چکا تھا۔

مبارکہ بیگم محکمہ تعلیم کی ملازم تھی جس نے طلاق لینے کے بعد دوسری شادی نہ کی۔ حالانکہ کئی مرزائی رشتے اس کے ساتھ "جڑنے" کے لیے پر تول رہے تھے لیکن اس نے کسی کو گھاس نہ ڈالی۔ اس کے بارے میں یہ تاثر عام تھا کہ وہ محکمہ تعلیم کے اعلیٰ احکام سے جو کام چاہے کروا لیتی ہے۔ مخالفین سے تبادلوں کے ذریعے انتقام لینا اس کا معمول تھا۔ ربوہ کے خاندان کے سرکردہ افراد ہوں یا مسلمان جاگیردار، اس کی نگاہ کرم سب کے لیے یکساں تھی۔

"سدومیت اور گے کلچر" ربوہ کی آل نبوت اور امت کے تشخص کا لازمی جزو ہے۔ القاءات اور الہامات کی رداؤں میں لپٹی ہوئی اس "ذریت مبشرہ" کا یہ کردار مرزا غلام احمد کے الہامات کی ساری حقیقت کھول کر رکھ دیتا ہے۔ میں نے غایت تحریر میں مرزا طاہر کی احمدیہ نیٹ ورک ٹیلی ویژن پر کی گئی ایک تقریر کا حوالہ دیا ہے جس میں انہوں نے پاکستانی علماء کرام، خطیبوں اور مساجد کے اماموں پر اغواء، زیادتی، اغلام اور ناجائز اسلحہ رکھنے کے الزام لگائے ہیں جبکہ ان کے مقابلے میں خود کو پاکیزہ اور پوتر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ بات اس "دروغ گو" مرزا طاہر کے لیے جس کا حافظہ ختم ہو چکا ہے، ایک آئینہ ہے جسے دیکھ کر وہ اپنا سا منہ لے کر رہ جائے گا۔

یوں تو قصر خلافت ربوہ کے در و دیوار پر بنات امت کے ساتھ کئے جانے والے "پاکیزہ" اعمال کی کہانیاں ہی ربوہ کی آل نبوت کے کردار کا تجزیہ کرنے کے لیے کافی ہیں لیکن اس امت کے "مسلک ہم جنس پرستی" پر روشنی ڈالنی بھی ناگزیر ہے، تاکہ ان لوگوں کو پتہ چل جائے کہ سیٹلائیٹ پر "کف" اور شیشے کے گھر میں بیٹھ کر دوسروں پر سنگ دخشت برسانا آسان نہیں کہ وہ بھی اندرون خانہ کی پوری پوری خبر رکھتے ہیں۔

ہماری کلاس میں پڑھنے والے خانوادگان مرزائی نبوت کے تین سپوتوں، مرزا طیب، مرزا احسن اور سید سلیمان کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔ ہم لوگ نویں جماعت میں پڑھتے تھے۔ کسی بات پر

ان تینوں کی آپس میں لڑائی ہوگئی۔ تیز گفتگو، دشنام طرازی سے ہوتی ہوئی کردار تک جا پہنچی۔ تینوں نے ایک دوسرے کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دیئے۔ خانساماں، ماشکیوں اور گھر کے ملازموں کے علاوہ کزنوں اور محلہ داروں کے ساتھ ایک دوسرے کی "سدومیت داری" کی داستانیں سنا دی گئیں۔ پوری کلاس نہایت دلچسپی سے چھوٹے نبی زادوں کے کردار کی حکایتیں سن رہی تھی۔ اسی دوران ماسٹر احمد علی کلاس میں تشریف لائے۔ انہیں دیکھ کر بھی شاہی خاندان کے اصلیوں نے زبان کو لگام نہ دی اور باہمی کردار و اخلاق کی دھجیاں بکھیرتے رہے۔ ماسٹر احمد علی بھی سدومی صفات سے مالا مال تھے اور اپنی امت کی اس روایت پر پوری طرح عمل پیرا تھے۔ تاہم مرزوں کو بھری کلاس کے سامنے ایک دوسرے کی پگڑی اچھالتے دیکھا تو کہنے لگے۔

"دیکھو صاحب زادہ! اگر نبیوں کی اولادیں ہی آپس میں اس طرح تھو کا نضیحتی کرنا شروع کر دیں گی تو امت کے ان طلباء کا کیا بنے گا، جنہوں نے اپنے کردار کو آپ لوگوں کے طرز عمل کی مثال سے سنوارنا ہے۔"

نبی زادے لڑتے رہے۔ ماسٹر احمد علی انہیں خاموش کرانے میں جب ناکام ہوگئے تو معاملہ ہیڈ ماسٹر صاحب کے سامنے پیش کیا گیا۔ انہوں نے نہ جانے کس طرح تینوں کو "کول ڈاؤن" کیا، لیکن اس دوران ان کی لڑائی سے قصر خلافت کے شہزادوں کی اصلیت اور ان کی کردار کہانی کھل کر سامنے آگئی۔ کلاس کے ایک طالب علم ظفر باجوہ نے اس صورت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا، نبی زادوں نے ماشکیوں اور خانساموں کا تو زور و شور سے ذکر کیا لیکن میرے ساتھ سکول کے بہت سے ساتھیوں کا تذکرہ کرنا ہی بھول گئے جن کا ان شہزادوں کی خدمت میں برابر کا حصہ ہے۔

فیکٹری ایریا محلہ میں ہمارا ایک کلاس فیلو اعجاز اکبر رہا کرتا تھا۔ اس نے ایک بار مجھے اپنے محلے کی چند انتہائی سرکردہ اور مذہبی اکابر شخصیات کا تذکرہ سناتے ہوئے کہا کہ مولانا غلام باری سیف اور قانون دان سعید عالمگیری کی آپس میں گہری چھنتی ہے۔ شاید اسی وجہ سے دونوں اپنے ذوق طبع کی تسکین کے لیے ایک دوسرے کے بیٹوں کو تختہ مشق بناتے ہیں۔ شہر کے در و دیوار "نونہالان جماعت" کے باہمی اختلاط کے قصوں سے سیاہ رہتے تھے۔ "گنگوتے ابرار" والی نظم تو مدتوں نوشتہ دیوار بنی رہی تھی جو دو نونہالوں کی سیاہ کاری کی ترجمان تھی۔

جسم فروشی کا رجحان اس قدر زیادہ تھا کہ ہر خوش شکل لڑکا ایک چلتا پھرتا "بروتھل" تھا۔ ایسے

طلباء جن کے والدین اپنی قلیل آمدنی سے جماعت کا ''دوزخ'' بھرتے اور اپنی اولاد کی ادنیٰ سی خواہش بھی پوری نہیں کر پاتے، بچوں کے لیے پیسہ کمانے کے لیے یہ آسان ترین راستہ تھا۔ بے شمار لڑکے کھلے عام ''معاملہ'' طے کرتے اور چل پڑتے تھے۔ والدین اور اساتذہ کی اکثریت اپنے بچوں اور طلبہ کی ان مصروفیات سے آگاہ تھی۔ تعلیمی اداروں میں تمام اساتذہ نے اپنے اردگرد ''خوبرو طلبہ'' کی منڈلی بنا رکھی تھی۔ ایک دوسرے کے گروپ سے ''لڑکا'' توڑنا ایک معرکہ سمجھا جاتا تھا۔ اس قبیح عمل کی بجا آوری کو یہ لوگ اپنے آباء کی سنت اور اتباع خیال کرتے تھے۔

گول بازار کے ایک بہت بڑے دکاندار کا بیٹا شبیر شاہ بھی ہمارا کلاس فیلو تھا۔ وہ بھی اپنے نبی کی تعلیمات پر پوری طرح عمل پیرا رہتا تھا۔ لیکن اس بے چارے کے ساتھ عجیب قسم کا ''دھرو'' ہوگیا جس کی صفائیاں دیتے ہوئے اس کی زبان تھک گئی مگر رسوائی کی داستان پھر بھی ہر کوچے میں جا پہنچی۔ قصہ یہ تھا کہ شبیر شاہ ایک شخص کے ساتھ طے شدہ پروگرام کی خلاف ورزی کر کے کسی اور کے ہاں جا پہنچا۔ اول الذکر نے انتقامی کارروائی کرتے ہوئے ایک منصوبے کے تحت ''خصوصی لمحات'' کی تصاویر بنا کر سکول میں تقسیم کر دیں۔

تصاویر کے ذریعے بلیک میلنگ کی دھمکی عام تھی۔ اکثر شہری اس سے کام نکال لیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ تیزاب سے چہرہ داغ دینے کی دھمکی بھی کام کر جاتی تھی۔ مساجد، جائے نماز کے علاوہ جائے عمل بھی تھیں۔ مرزا ناصر کا زمانہ گزر چکا تھا مگر مرزا طاہر کے بے شمار ہم جولی ''مرزا تاری'' کے ساتھ گزارے ہوئے شب و روز پر نازاں ہوا کرتے تھے۔ مرزا لقمان کی صحبت سے فیض یاب ہونے والے بھی خود کو امت کے برہمن خیال کیا کرتے تھے۔ ہذا القیاس ربوہ ''شہر سدوم'' جہاں بسنے والوں کا مذہب سدومیت ہے جسے ہر کس و ناکس نے اپنے دائرے کار میں اختیار کر رکھا تھا۔

مولوی محمد ابراہیم بھانبڑی ہمارے سکول کے استاد اور بورڈنگ ہاؤس کے وارڈن تھے۔ ان کی ''نگاہ لطف و کرم'' ہر لڑکے پر یکساں ہوتی۔ تاہم لڑکوں سے وصول کیے ہوئے جسمانی خراج کا حساب ان کے بیٹے انور بھانبڑی کو چکانا پڑتا تھا۔ مولوی صاحب اپنی افتادِ طبع سے اس قدر مجبور تھے کہ بعض اوقات ان سے کئی حرکات کھلے عام ہی میں سرزد ہو جایا کرتی تھیں، جن سے انہیں شرمندگی اٹھانے کے علاوہ سکول انتظامیہ کی طرف سے محتاط رویہ اختیار کرنے کا نوٹس آ جایا کرتا تھا۔

تعلیم الاسلام کالج میں دو لڑکوں امین الدین اور طیب عارف کے حسن کے اس قدر چرچے تھے کہ ہر شخص ان سے بات کر کے اور ہاتھ ملا کے اپنے نصیب پر ناز کیا کرتا تھا۔ امین الدین کے فرسٹ ائیر میں داخلے کے بعد تمام اساتذہ کے دل مچل رہے تھے کہ کاش انہیں اس کی کلاس مل جائے۔ یہ لڑکا جب سامنے سے گزرتا تھا تو لڑکے باجماعت یہ گیت گایا کرتے تھے۔ ''تک چن پیا چانداای......''

طیب عارف کے رخسار پر تل پر تو یار لوگ شاعرانہ ماحول بنا لیتے۔ ہر شخص بساط بھر اشعار اس ''تل'' کی نذر کر دیا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ بھی کئی ''امرد'' ایسے تھے جن کے حسن کے قصیدے ربوہ کی ''گے'' سوسائٹیوں میں پڑھے جاتے تھے۔ یہ تو چیدہ چیدہ لوگوں کے قصے ہیں ورنہ یہاں کا ہر فرد سدومیت کو اختیار کر کے فخر محسوس کرتا ہے۔ اگر فرداً فرداً داستانیں لکھی جائیں تو کئی دفتر تصنیف ہو جائیں۔

تعلیم الاسلام کالج کے ایک پرنسپل چودھری محمد علی اس کھیل کے مرد میدان تھے۔ فضل عمر ہوسٹل کی وارڈن شپ کے دوران ان کی ''داستان سدومیت'' ہوسٹل اور وارڈن خانے کے در و دیوار پر رقم رہی۔ پرنسپل بننے کے بعد وہ مرزا ناصر احمد والی بڑی کوٹھی کے مکین بنے تو وہاں انہوں نے مرزا ناصر احمد اور ان کے کارناموں کو زندہ رکھا۔ بعض اوقات انتہائی دلچسپ صورت حال پیدا ہو جاتی جب پرنسپل کے ساتھ ساتھ جانے والے کسی بھی ''خوش رو'' لڑکے کو اس کے ساتھی دیکھ لیتے، بعد میں یاروں میں بیٹھ کر اسے وضاحتیں کرنا پڑ جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ جو لڑکا چودھری صاحب کے گھر سے آتا ہوا نظر آ جاتا، اس پر مدتوں انگلیاں اٹھتی رہتی تھیں۔ ان سب باتوں کے باوجود پرنسپل کا بلانا اور پری جمالوں کا ان کے گھر بلا تامل چلے جانا کسی دور میں بند نہ ہوا۔

ربوہ کے ملاں و پیر اور میر و وزیر ہر قسم کی اخلاقی، مذہبی اور سماجی قید سے آزاد ہیں۔ وہ خوش وقت ہونے کے لیے صنف موافق و مخالف کی تفریق نہیں کرتے۔ دونوں اجناس ان کے ہاں ارزاں و وافر ہیں۔

مرزا ناصر احمد بھی اپنے والد مرزا محمود احمد کی طرح تعدادِ ازدواج کے زبردست شوقین تھے مگر ان کی بیوی منصورہ نے ان کی لگام ایسی کھینچ کر رکھی ہوئی تھی، وہ ادھر ادھر منہ تو مارتے مگر اس کی زندگی میں دوسری شادی کوشش کے باوجود نہ کر سکے۔ لیکن جونہی منصورہ آنجہانی ہوئی تو مرزا ناصر

نے اس لڑکی سے شادی رچالی جو مرزا لقمان کی محبوبہ تھی۔ باپ بیٹے میں بہت جنگ ہوئی۔ لقمان نے یہاں تک کہا۔ ''حضور! بیج میں نے بنائی مگر بیٹنگ آپ نے کر ڈالی۔'' مرزا ناصر احمد نے نوجوان دلہن کی برابری کرنے کے لیے طب یونان اور ہومیو پیتھک کے کئی نسخے آزمائے۔ انہی نسخوں نے آخر کار انہیں جہنم واصل کر دیا۔ اکثر مرزائی منچلے کہا کرتے تھے کہ ''ہمارے حضرت صاحب کو گھونگھٹ کی ہوا لگ گئی ہے۔''

''پتا پہ پوت اور نسل پر گھوڑا، بہت نہیں تو ضرور تھوڑا'' والی مثال کے مطابق مرزا ناصر کا بیٹا لقمان اپنے باپ بلکہ دادا مرزا محمود احمد کے خصائل کا مکمل پرتو تھا۔ چھٹی جماعت میں یہ ہمارے ساتھ پڑھتا تھا۔ مسلمان کیا، اپنے جیسے مرزائیوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ اور اگر بھولے سے کسی امتی کے ساتھ ہاتھ ملا لیتا تو وہ مرزائی اپنی خوش نصیبی پر نازاں ہوتے ہوئے گھنٹوں کبھی خود کو کبھی اپنے ہاتھ کو دیکھتا رہتا تھا۔ ایک بدمعاش بچپن میں جو کچھ ہوتا ہے مرزا لقمان ان حقائق کا عین عکاس تھا۔ فرعونی خصوصیات، یزیدی اوصاف مرزا لقمان کی شخصیت کا جزو لاینفک تھے۔ کتے پالنا، گھوڑے رکھنا، چادر اور چار دیواری کے تقدس کو پامال کر کے اپنی جنسیت کی تشکیل کرنا اس شخص کی زندگی کے لوازم تھے۔ شرفاء کی لاج کو مرزا لقمان نے لچوں کا قہقہہ بنا کر رکھ دیا تھا۔

جن لوگوں نے مرزا محمود احمد کی جوانی دیکھی، ان کا کہنا تھا کہ مرزا لقمان کے سارے چلن اپنے دادا جیسے تھے۔ جس طرح موصوف اپنی تخریبی چالوں سے فتوحات حاصل کرنے کے خوگر تھے اسی طرح لقمان بھی تخریبی کارروائی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا تھا۔ طالب علم رہنما رفیق باجوہ نے مرزائیت کے خلاف بغاوت کا پرچم بلند کیا تو مرزا لقمان نے اس کو ختم کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا۔ اس کی تلاش میں رفیق باجوہ کے باپردہ گھرانے میں داخل ہو کر چادر اور چار دیواری کے تقدس کی دھجیاں اڑا دیں۔

مرزا محمود احمد کی طرح مرزا لقمان بھی امت کی جس حور شمائل کو چاہتا، قصر خلافت بلا لیتا اور اپنے دادا کی ''سنت'' ادا کر لیتا تھا۔ شہر کے غنڈوں کی ایک فوج مرزا لقمان کے اشارے پر ہر جرم کرنے پر آمادہ رہتی تھی اور اس بے مہار فوج کا یہ سپہ سالار کرائے کے بازوؤں سے اپنے مقاصد حاصل کر لیتا تھا۔

مرزا ناصر بھی اپنے اس سپوت سے ڈرتے تھے۔ مرزا لقمان کے بڑے بھائی مرزا فرید نے

ایک مرزائی خاندان کی لڑکی اغوا کر لی تو مرزا ناصر نے امت اور لڑکی کے والدین کی اشک شوئی کے لیے مرزا فرید کو ربوہ بدر کر دیا جبکہ مرزا لقمان ایسے کئی کارنامے انجام دینے کے باوجود ہر گرفت سے بالا تھا۔

ربوہ میں بدمعاشوں اور قبضہ گروپوں کے کئی دھڑے تھے، جن کی پشت پناہی مرزا انور چیئرمین ٹاؤن کمیٹی اور مرزا طاہر کیا کرتے تھے۔ لیکن جب سے مرزا لقمان نے جوانی میں قدم رکھا، ہر بدمعاش اس کے ساتھ وابستہ ہو گیا تھا۔ جماعت اور جھوٹی نبوت کے خاندان کے قواعد و احکام سے سرتابی کرنے والوں کے لیے عقوبت خانے اور ٹارچر سیلز قائم تھے جن کی سربراہی بھی مرزا لقمان ہی کیا کرتا تھا۔

شہر میں نوجوانوں کی مختلف ٹولیاں رات کو پہرہ دیا کرتی تھیں۔ ان کی تشکیل بھی مرزا لقمان کے دائرہ اختیار میں تھی۔ انہی گروہوں سے کئی افراد چوری کی وارداتوں میں ملوث ہوا کرتے تھے۔ ایسے تمام چور بھی خلیفہ زادے کے پروردہ تھے۔ ربوہ والے اپنے ساتھ ہونے والے کسی ظلم و زیادتی کی اطلاع پولیس کو نہیں کر سکتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ مرزائی مرکز کی خود ساختہ امور عامہ سے دادرسی حاصل کر لی جاتی تھی۔ اگر کوئی شخص پولیس کے پاس جانے کی کوشش کرتا تو اسے نہ صرف مرکز کے انصاف بلکہ جماعت سے بھی محروم ہونا پڑتا تھا۔ مرزا لقمان ربوہ کے نام نہاد نظام انصاف کی سرپرستی بھی کرتا تھا۔

چودہ سو سال قبل عرب کا معاشرہ جس اخلاقی انحطاط کا شکار تھا، اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے خالق کائنات نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر معاشرے میں انقلاب برپا کر کے رکھ دیا لیکن قادیان کے جھوٹے پیغمبر کے دعوئ نبوت کے بعد اخلاقی لحاظ سے ایک ایسے پست معاشرے نے جنم لیا جس کی اصلاح عبث ہو چکی ہے۔ مرزائی خلیفہ وقت کی دورخی پالیسی کا یہ عالم تھا کہ اغواء کے کیس میں ملوث مرزا فرید کو شہر بدر تو کر دیا گیا مگر اسے یہ سہولت بھی دی گئی کہ وہ جب چاہے ربوہ آ سکتا تھا۔ جس خاندان کی لڑکی اغواء ہوئی تھی، وہ مرزا فرید کو ربوہ میں دیکھتا تو خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا، مگر مرزا لقمان کے خوف سے ان میں دم مارنے کی بھی مجال نہیں تھی۔

ربوہ میں قدے، چھدے، جگے، بشیر بلے، مقصودے پٹھان اور لطیف ننھے جیسے ناموں سے موسوم بدمعاشوں کے کئی دھڑے تھے۔ ان گروپوں کی آپس میں لڑائی اور پھر ان میں فیصلہ کر کے

اپنی چودھراہٹ قائم رکھنے کے لیے مرزائی خاندان نبوت نے ''لڑاؤ اور حکومت کراؤ'' کا اصول بنا رکھا تھا۔ ابتدائی صفحات میں ایک پٹھان کا ذکر کیا گیا ہے۔ مذکورہ بدمعاشوں کے گروہوں میں مقصود اپٹھان گروپ کا مقصود خان اور اسی کا بیٹا تھا جبکہ اس کے دیگر دو بھائی رفیقا پٹھان اور فاروقا پٹھان بھی اپنے بڑے بھائی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہر وقت اپنے خلیفہ زادے کے حکم کے غلام رہتے تھے۔

مرزا طاہر کو جب میں نے دیکھا وہ ایک مکمل ''پلے بوائے'' تھے۔ منہ میں پان، جیب میں کیپسٹن ڈالے، سرخ رنگ کی لیڈیز سائیکل پر پھرنے والا شخص شہر بھر کی خواتین کے دل کی دھڑکن تھا۔ عمر کی قید سے قطع نظر ہر خاتون ان سے تعلق دو واسطہ پر فخر کیا کرتی تھی۔ نوجوان خواتین تو بڑے ناز سے انہیں ''میاں تاری'' کہا کرتی تھیں۔

مرزا طاہر بھی اپنے بڑے بھائی مرزا ناصر کی طرح ہومیو پیتھک ڈاکٹر تھے۔ ان کا کلینک صبح اور شام کھلا کرتا تھا جہاں ماہ رخان شہر کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ کسی خاتون کو کوئی مرض ہو یا نہ ہو، وہاں جا کر دل پشوری کر لیا کرتی تھی۔ کسی نوجوان لڑکی کے پیٹ میں ہلکا سا درد بھی اٹھتا، والدین اسے تریاق لینے میاں تاری کے پاس بھیج دیا کرتے۔

جی آر اعوان / روزنامہ ''جنگ''

☆ اسلام کی پوری تاریخ میں اس اجماعی عقیدے کا اظہار اس طرح سے ہوتا رہا کہ جب بھی کبھی کوئی جھوٹا مدعی نبوت پیدا ہوا تو فدایانِ ختم نبوت نے اُس کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ یہ عمل اس عقیدے کے تحفظ کا ایک ایسا عملی ثبوت ہے جس کا اظہار اسلام کے ہر دور میں ہوتا رہا ہے اور انشاء اللہ ہمیشہ ہوتا رہے گا۔

☆ ختم نبوت اسلام کے اُن اجماعی عقائد میں سے ہے۔ جس کو دینِ اسلام اصول اور ضروریاتِ دین میں شمار کیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ ضروریاتِ دین کی اصطلاح سے مراد وہ قطعی اور یقینی اُمور ہیں جو حضور اکرم ﷺ سے بطریق تواتر قطعی ثابت ہوں اور حد تواتر یعنی شہرت عام تک پہنچ چکے ہوں اور ان امور کو عام طور پر مسلمان جانتے ہوں۔

میں نے ربوہ دیکھا

اس سال ربوہ ''ختم نبوت کانفرنس'' میں شرکت کا دعوت نامہ ملا۔ ربوہ پہلی مرتبہ جانے کا اتفاق ہوا۔ پوری کانفرنس میں بڑی گہما گہمی رہی۔ ملک کے ہر گوشے سے علماء کرام، دانشور، صحافی، طلبہ اور عوام کی کثیر تعداد آئی ہوئی تھی۔ تمام مقررین نے مرزائیوں کی بڑھتی ہوئی شر انگیزیوں اور ملک دشمن سرگرمیوں پر مختلف پہلوؤں سے روشنی ڈالی اور ان کی روک تھام کے لیے حکومت سے پرزور مطالبہ کیا۔ کانفرنس کے حاضرین میں غضب کا جوش و خروش پایا جاتا تھا۔ جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ حاضرین جلسہ نے یہ اعلان کیا کہ امیر جلسہ ہم کو اشارہ کریں ہم ربوہ کے مرزائیوں کو ایسا سبق سکھائیں گے کہ ان کی پشتیں یاد رکھیں گی۔ اس جوش و خروش کا ایک بڑا سبب مولانا اسلم قریشی کا اغوا تھا جو ان کے سربراہ کی ایک گھناؤنی سازش ہے لیکن امیر صاحب نے ملکی حالات کے پیش نظر تشدد سے باز رہنے کی تلقین کی۔

کانفرنس کے اختتام کے اگلے دن اجتماع گاہ واقع مسلم کالونی ربوہ سے (اسٹیشن والی) محمدیہ مسجد تک تانگے سے سفر کیا۔ تانگہ ایک مسلمان نوجوان چلا رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ میرے تانگے میں ایک سکول کی مرزائی استانی سفر کرتی تھی۔ ایک دن اس نے مجھ سے کہا کہ تم ہماری انجمن میں شامل ہو جاؤ، ہم تمہیں روپیہ اور مکان دیں گے اور مرزائی لڑکی سے تمہاری شادی بھی کریں گے۔ اس نے بتایا کہ جب اس کانفرنس کے دوران لوگ نعرے لگاتے ہوئے ربوہ میں داخل ہوتے تو مرزائی اپنے گھروں میں گھس جاتے تھے اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک فروٹ کی ریڑھی والا اپنی ریڑھی بھگا کر ایک کونے میں لے گیا اور ایک کونے میں جا کر چھپ گیا۔ ایک دوسرے تانگے والے نے بتایا کہ ربوہ میں مرزائیوں کے گھروں میں کڑوا پانی نکلتا ہے اور مسلمانوں کے گھروں میں میٹھا پانی نکلتا ہے۔ اس صورت میں وہ پینے کے لیے پانی مسلمانوں کے گھروں سے لیتے ہیں۔

شام کو ربوہ کے مقامی ساتھی بھائی صاحب اور صوفی صاحب ربوہ شہر دکھانے لے گئے۔

جب ہم نام نہاد بہشتی مقبرے میں داخل ہوئے تو وہاں عجیب ویرانی محسوس کی۔ واللہ میرا دل اندر سے رو رہا تھا کہ کتنے ہی نادان لوگ سیدھی راہ سے بھٹک کر ایسی راہ پر چل نکلے جو سوائے جہنم کی تہہ کے کسی اور طرف نہیں جاتا اور تمام منازل میں سے پہلی منزل ہے۔ وہاں تین سوالوں میں سے ایک سوال حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی ہوگا تو اس وقت قادیانی کیا جواب دے سکیں گے؟

اس کے بعد ہم حشر کا تصور ہی نہیں کر سکتے۔ اس خیال کے آتے ہی میری زبان سے نکلا۔

رب تزغ قلوبنا بعد اذھدیتنا......

سامنے ایک چاردیواری پر نظر پڑی، اندر جا کر دیکھا تو وہاں خواص کی قبریں تھیں۔ جن میں مرزا ناصر کی قبر سب سے آخر میں تھی۔ وہاں ایک بورڈ پر لکھا تھا کہ اگر موقع ملے تو ان لاشوں کو نکال کر قادیان میں دفن کر دیا جائے۔ قبرستان میں ایک ٹیلیفون نصب تھا تو ہمارے ساتھی نے از راہ مذاق کہا کہ ہوسکتا ہے کہ ربوہ کے قبرستان میں مدفون مرزائیوں کا قادیان کے قبرستان والوں سے فون پر رابطہ ہو۔ قبرستان میں جہاں بھی نگاہ ڈالی وہاں کے درختوں کے پتے ایسے مرجھائے تھے جیسے اہل قبرستان پر ماتم کرتے کرتے نڈھال ہو چکے ہوں۔ ابھی ہم قبرستان سے باہر نکل کر آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ پیچھے سے ایک مرزائی نمودار ہوا۔ داڑھی چھدری اور سر پر بھاری ٹوپی اور انگریزی کا پسندیدہ لباس پینٹ کوٹ پہنے ہوئے۔ آتے ہی بولا کہ دین میں تو اختلافات ہر جگہ پائے جاتے ہیں، میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا...... آپ یہ بتایئے کہ اس جگہ آنے کے بعد اور یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد آپ کیا محسوس کر رہے ہیں۔ ہم نے موقع غنیمت جان کر کہا کہ ہمارے ذہنوں میں کچھ سوالات ابھر رہے ہیں۔ اس نے موقع کی مناسبت سے کہا، ضرور پوچھئے۔ جس پر میں نے جھٹ یہ سوال کر دیا۔

میں: یہ بتایئے کہ آپ کی انجمن ہر مرزائی سے اس کی دولت کا دسواں حصہ کیوں طلب کرتی ہے اور اسے کہاں صرف کرتی ہے؟

مرزائی: پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنی محبوب چیزوں کو میری راہ میں

خرچ کرو۔ جہاں تک خرچ کرنے کا سوال ہے تو ہم رقم غریبوں اور ناداروں پر خرچ کرتے ہیں اور آپ کے لوگوں (غیر مرزائیوں) کو بھی دیتے ہیں۔

میں: بھائی صاحب! مثال دے کر بتایئے کہ ربوہ میں آپ کسی غیر مرزائی کی مدد کرتے ہیں؟

مرزائی: (تھوڑی دیر سوچ کر) مثلاً ریلوے اسٹیشن پر رہنے والے ایک بیمار بوڑھے کی مدد کی گئی۔

میں: بھائی صاحب! میں تو بہت عرصے سے اسٹیشن والی مسجد کے پاس رہتا ہوں، میں نے کوئی ایسا بوڑھا نہیں دیکھا۔ نیز یہ بتائیں آپ کے ہاں اگر کوئی بہت پرہیزگار ہو، لیکن غریب ہو یا کوئی مرزائی کسی مجبوری یا کنجوسی کی وجہ سے آپ کی انجمن کے لیے اپنی دولت مطلوبہ حصہ وقف نہ کرے تو آپ اسے کیا ''بہشتی مقبرے'' میں دفن ہونے دیں گے۔

میں نے پوچھا: ''کیا دولت کا یہ دسواں حصہ آپ کی انجمن جبراً لیتی ہے۔''

مرزائی: نہیں بلکہ جو بہشتی مقبرے میں جگہ لینا چاہتا ہو وہ خاموشی سے دیتا ہے۔

میں: بھائی صاحب! چونکہ میں ربوہ کا رہنے والا ہوں میں نے کچھ عرصہ پہلے دیکھا کہ بیرون ربوہ سے ایک لاش آئی۔ اس مرزائی نے انجمن کو مطلوبہ پوری رقم ادا نہیں کی تھی۔ اس لیے اس کو اس وقت تک بہشتی مقبرے میں دفن نہیں ہونے دیا گیا۔ جب تک کہ اس کا مکان فروخت کر کے مطلوبہ رقم حاصل نہ کر لی گئی۔ یہ تو مرنے والے کی رقم جبراً لی گئی۔ ممکن ہے وہ رقم اس نے اپنی اولاد وغیرہ کے نام کر دی ہو اور انجمن کو ادا کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔ بصورت دیگر اگر آپ نے رقم لینی تھی تو پہلے اسے دفنا تو دیتے بعد میں اس کے مکان کا حساب کتاب ہوتا رہتا۔ جب آپ نے مردے کے ساتھ یہ سلوک کیا تو پتہ نہیں زندہ لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہوں گے؟

مرزائی: میں اس وقت یہاں موجود نہ تھا، مجھے اس واقعہ کا علم نہیں۔

میں: اس قبرستان کا نام ''بہشتی مقبرہ'' رکھا گیا ہے۔ آپ کو کیسے یقین ہے کہ اس میں داخل ہونے والے جنتی ہیں۔

مرزائی: (لاجواب ہو کر) اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید تو کی جاسکتی ہے۔

ہمارے ساتھی صوفی صاحب نے کہا کہ آپ اپنی مخصوص جگہیں دکھانا پسند کریں گے۔ مرزائی مبلغ نے کہا، چلیے۔

پہلے نام نہاد قصر خلافت پہنچے، وہاں ایک بڑی کوٹھی بنی ہوئی تھی۔ باہر ہی سے بڑے بڑے شیشے کے دروازے اور کھڑکیاں نظر آرہی تھیں۔ اور ان پر مخمل کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ اس میں موجودہ خلیفہ مرزا طاہر قیام پذیر تھے۔ قصر خلافت کے درودیوار رنگ و روغن سے محروم تھے۔ اس پر میں نے مبلغ سے پوچھا کہ کیا یہ آپ کے خلیفہ کی سادگی ہے؟ اس پر وہ کھسیانا ہو کر رہ گیا۔ قصر خلافت کے برابر سیکرٹریٹ اور سامنے قادیانی معبد تھا۔ قادیانی معبد پہنچے تو میں اپنے جوتے لے کر اندر جانے لگا تو اس نے کہا، جوتی یہیں رہنے دیجئے چوری نہیں ہوگی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ جو قوم نبوت پر ڈاکہ ڈال سکتی ہے، وہ یقیناً جوتی بھی چوری کر سکتی ہے کیونکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کوئی قوم اپنی اصلیت نہیں بھولا کرتی۔ مبلغ نے بتایا کہ مرزا طاہر جب یہاں ہوتا ہے تو امامت بھی کرتا ہے۔

قادیانی عبادت گاہ کافی بڑی تھی۔ وہاں ایک جگہ کلمہ لکھا ہوا تھا۔ مبلغ نے میری توجہ اس طرف پھیر دی کہ دیکھو پورا کلمہ لکھا ہوا ہے۔ میں نے کہا، ہاں مسیلمہ کذاب بھی پورا کلمہ پڑھتا تھا۔

سڑک پر نکلے تو ایک جنازہ جا رہا تھا تابوت چار پہیوں والے ریڑھے کی طرح بنا ہوا تھا۔ اور اسے چلا کر لے جایا جا رہا تھا۔ مبلغ نے کہا کہ دیکھو اس تابوت کے اوپر چھت بنی ہوئی ہے تا کہ ہر طرح کے گردوغبار اور بارش سے محفوظ رہے اور کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ میں نے سوچا کہ ایک تو مردہ اپنے ساتھیوں کے کندھا دینے سے محروم رہ گیا۔ دوسرا یہ کہ یہاں کی گردوغبار اور بارش وغیرہ سے اگر یہ محفوظ کر بھی لیں گے لیکن آنے والی تکالیف سے تو نہیں بچا سکتے۔

اس کے بعد بیرون ممالک سے آنے والے مبلغین اور مہمانوں کے ٹھہرنے کی جگہ بتائی اور اس نے بتایا کہ اس وقت چار پانچ مبلغ ہمارے مہمان ہیں۔ یہاں سے نکل کر ''دارالاقامہ'' کی طرف گئے، جہاں اندرون ملک سے آنے والوں کو ٹھہرایا جاتا ہے۔ اس نے بتایا کہ یہاں ہمارے مہمانوں کے علاوہ اگر کوئی ربوہ میں بھولا بھٹکا مسافر آ جائے یا قرب وجوار میں کوئی حادثہ ہو جائے تو متاثرین کو بطور مہمان ٹھہراتے ہیں اور پھر پھانس کر مرزائی بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔
گیٹ میں داخل ہوتے ہی سامنے استقبالیہ ہے۔ جہاں اسٹاف اپنے کام میں مصروف تھا۔ آگے چل کر دیکھا، کچھ کمرے بنے ہوئے ہیں اور ہر کمرے کے باہر گتے کے بورڈ پر پاکستان کے چار پانچ شہروں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ میرے پوچھنے پر بتایا کہ انصار اللہ کا اجتماع ہو رہا ہے (جو چالیس سال سے زیادہ عمر کے قادیانی افراد کی انجمن ہے) اور اس میں شریک مہمانوں کے نام

لکھے ہوئے ہیں۔ میں نے فوراً سوال کیا کہ ایک کمرے میں کتنے پلنگ ہیں؟ اس نے کہا، دو پلنگ۔ میں نے کہا کہ اگر ایک شہر سے دس آدمی آئے تو پانچ شہروں سے پچاس ہوئے اور دو پلنگ پر پچاس آدمی کیسے سو سکتے ہیں؟

وہ میری توجہ ہٹانے کے لیے ''دارالضیافت'' کی طرف لے گیا۔ کھانے کے کمرے میں گھستے ہی بدبو سی محسوس ہوئی۔ اپنے آقاؤں کی وفاداری کا یہ عالم کہ کھانے کے کمرے میں جہاں نگاہ ڈالیے میز کرسیاں بچھی ہوئی نظر آتی تھیں۔

چونکہ میں اس کی باتوں میں بہت دلچسپی لے رہا تھا اس لیے جب واپسی ہونے لگی تو اس نے کہا کہ دین میں تو اختلافات ہوتے ہی رہتے ہیں، ہمیں ان باتوں میں نہیں پڑنا چاہیے۔ ہمیں ایک دوسرے کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہیے اور آپس میں مل کر ملکی ترقی کے لیے کام کرنا چاہیے۔ مبلغ نے مجھ کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ تو ابھی ربوہ میں ٹھہریں گے۔ آپ مجھ سے کل ملنے، تفصیلی بات کریں گے اور آپ کے اشکالات بھی دور کریں گے۔

اگلے دن لاہور روانہ ہونے کے لیے اسٹیشن پر پہنچا تو دیکھا کہ بہت سے نوجوان مرزائی لڑکے لڑکیاں ٹرین کے انتظار میں کھڑے ہیں۔ ٹرین میں مجھے ایک بڑے میاں ملے، لمبی سی داڑھی تھی، مجھ سے پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہو۔ میں نے کہا۔ ''ربوہ سے۔'' یہ سنتے ہی چونک اٹھے۔ پہلے تو مجھے اوپر سے نیچے تک بڑے غور سے دیکھا، پھر پوچھنے لگے۔ ''تیرا ایمان کیا ہے؟'' میں نے کہا۔ ''الحمدللہ مسلمان ہوں۔ ربوہ کانفرنس میں شرکت کے لیے گیا تھا۔'' یہ سن کر انہوں نے بآواز بلند مرزا قادیانی کی جھوٹی نبوت کی ساری قلعی اتارنی شروع کر دی۔ برابر میں مرد وزن بیٹھے ہوئے تھے، بڑے میاں کی باتوں سے لال پیلے ہو رہے تھے اور بڑے میاں کی طرف دیکھ دیکھ کر کچھ کہہ رہے تھے۔ ایک مرزائی برداشت نہ کر سکا اور اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ سچائی تو ایسی خوشبو ہے جو چھپائے نہیں چھپتی اور ایک دم میری زبان سے بے ساختہ نکلا۔

فرما گئے ہیں ہادی.........لا نبی بعدی

محمد شاہد

مرزا قادیانی کا عبرت ناک انجام

مرزا قادیانی کے بیٹے مرزا البشیر الدین قادیانی نے ''سیرت المہدی'' نامی کتاب میں اپنے باپ کی موت کے واقعات اپنی ماں کی زبانی تفصیل سے لکھے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ

''جب میں نے پہلی نظر حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کے اوپر ڈالی تو میرا دل بیٹھ گیا۔ کیونکہ میں نے ایسی حالت آپ کی اس سے پہلے نہ دیکھی تھی۔ آپ کی حالت سخت قرب ناک اور گھبراہٹ کی تھی۔ آپ بول نہ سکتے تھے (یعنی زبان بند ہو گئی) آپ نے بائیں ہاتھ کا سہارا لے کر بستر سے اٹھ کر کچھ کہنا چاہا مگر بمشکل دو چار الفاظ ہی لکھ سکے۔ یہ آخری تحریر تھی جس میں غالباً زبان کی تکلیف کا اظہار تھا اور کچھ حصہ پڑھا نہیں جاتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد آپ کو غرغرہ شروع ہو گیا۔ سانس لمبا لمبا اور کھینچ کھینچ کر آتا۔ غالباً ایک یا دو دفعہ آپ رفع حاجت کے لیے پاخانہ تشریف لے گئے۔ اتنے میں آپ کو ایک دست آیا۔ مگر اب اس قدر ضعف تھا کہ آپ نہ جا سکتے تھے۔ اس لیے میں نے چارپائی کے پاس ہی انتظام کر دیا اور آپ وہیں بیٹھ کر فارغ ہوئے۔ اس کے بعد ایک اور دست آیا پھر آپ کو ایک قے آئی۔ جب آپ قے سے فارغ ہو کر لیٹنے لگے تو اتنا ضعف تھا کہ آپ پشت کے بل چارپائی پر گر گئے اور آپ کا سر چارپائی کی لکڑی سے ٹکرایا اور حالت دگرگوں ہو گئی۔'' (سیرت المہدی، جلد 1، صفحہ 9)

مرنے سے پہلے مرزا قادیانی کو بڑا خوفناک ہیضہ ہوا۔ منہ اور مقعد دونوں راستوں سے غلاظت بہنے لگی۔ اتنی ہمت بھی نہ تھی کہ لیٹرین تک جا سکتا اس لیے چارپائی کے پاس اینٹیں رکھ دی گئیں۔ وہیں مرزا نجاست انڈیلتا رہا۔ جب آخری دست کیا تو ساتھ ہی قے آئی جس سے زندگی کا آخری چکر آیا اور چکرا کر اپنی ہی غلاظت میں گر کر 26 مئی 1908ء کو بروز منگل بوقت 10:30 بجے رات جہنم واصل ہو گیا۔

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

مرزائیت؛ چند حساس پہلو

حقائق تک رسائی ایسے ممکن نہیں ہے!

بعض حضرات جو بہ زعم خود، بلکہ بہ دعویٰ سمجھ داری اور تیز فہمی میں نہایت آگے کی عقل کے مالک ہوتے ہیں (آزاد خیال اور صلح کلی ذہنیت کے ڈسے ہوئے)، شاید اُصولِ بحث و تحقیق سے واقف نہیں ہوتے یا پتہ نہیں اُن کی سوچ ہی اس قدر چھوٹی ہوتی ہے کہ اپنے بے رُخ و بے لگام اُصولوں پر عمل داری کے نتیجے میں ایسی نامناسب قسم کی چخ مار بیٹھتے ہیں کہ وہ اُن کے ایمان کے لیے وبال بن جاتی ہے۔

مثلاً ایک 'خیر خواہِ کل خلائق' شخص نے کہیں سے سنا کہ مرزائیوں، قادیانیوں کے یہ یہ کفریہ اور گستاخانہ عقائد ہیں اور وہ صاحب ایک ایسے مرزائی کو لے بیٹھتے ہیں کہ جس سے اُن کی جان پہچان صرف سلام دُعا یا اُٹھک بیٹھک کی حد تک ہی ہوتی ہے اور اُس سے خالص القلب ہو کر حقیقت جاننے کی کوشش میں جُو جاتے ہیں، جب کہ اُس جاہل شخص کی اپنے مذہب کے بارے معلومات کا حال یہ ہے کہ ابھی تک اُسے یہ نہیں پتا کہ ہمارا ''پیش وا'' کون ہے اور ابھی دو مہینے گزرے ہیں اُسے مرزائی ہوئے۔ اِدھر یہ جناب لگے ہیں اُس کم بخت پر اندھا اعتماد کرنے اور اُس کی ہر بات کو حرفِ آخر کا درجہ دیے جا رہے ہیں

یا کبھی کسی دوغلے اور چالاک ذہن کے آدمی سے واسطہ نہ پڑا ہو، تو وہ صاحب کسی پڑھے لکھے مرزائی؛ مربی یا کسی تربیت یافتہ قسم کے ہتھے چڑھ جائیں، تو وہ حقائق پر اس طرح پردہ ڈالتا ہے کہ سارا سنا، پڑھا غارت جاتا ہے۔ اِدھر ان 'حضرت' کا دِماغ خراب ہونا شروع جاتا ہے۔ نتیجہ کیا نکلتا ہے کہ وہ شخص اگر مرزائیت کی طرف مائل نہیں ہوتا، تو کم از کم جس نے سنائے کو

وہ غلط سمجھ رہا ہوتا ہے، آہستہ آہستہ اُس کے دِل میں وہ باتیں بیٹھنا شروع ہو جاتی ہیں اور اُس کا پلہ کسی بھی وقت کسی نہ کسی طرف جھک سکتا ہے۔ لہٰذا حقائق تک رسائی پانے کا سب سے آسان اور حتمی طریقہ یہ ہے کہ کسی علم و تحقیق والے صاحب کے پاس جا کر ساری بات بیان کی جائے کہ میں مرزائیت یا فلاں فرقے کی اصلیت جاننا چاہتا ہوں، آپ مجھے اصل کتابوں سے وہ عبارات دکھا دیں، تو مسئلہ حل!

یاد رکھیں! کسی فرقے میں جو غلطیاں پائی جاتی ہیں، اُس فرقے کا کوئی بھی ماننے والا خود سے اُنھیں آپ کے سامنے کبھی بیان نہیں کرے گا، ہمیشہ اچھی چیزیں ہی پیش کرے گا اور اچھی چیزیں تو دُنیا کے ہر مذہب میں ہوتی ہیں۔ لہٰذا بہتر طریقہ یہ ہے کہ کسی دوسرے فرقے والے سے وہ قابلِ اعتراض باتیں سن کر، عبارات دیکھ کر وضاحت اُس فرقے والے سے طلب کر لی جائے، جس فرقے کی وہ باتیں ہوں، پھر طرفین کے دلائل پر غور کیا جائے، تب کہیں جا کر انسان کسی صحیح فیصلے تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے بہتر راہ نمائی علما ہی کریں گے، عوام کے ہاں علم کی کمی کے باعث اکثر 'ڈھکوسلے' سننے کو ملتے ہیں۔

تہذیبِ جدید کے گم راہ کن مغالطے...... حق و باطل کے اِختلاط کی سازش

اُٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں — نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

(علامہ محمد اقبال)

جدید تہذیب کی 'برکت' سے جہاں ہمارے اَطوار میں بہت سارا فرق پڑ گیا ہے، وہاں ہمارے کچھ مستحکم اور مسلم اَفکار بھی مُنقلب ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس روشن خیال تہذیب نے چند مفعول طرز کے اَن مول تحائف بھی ہمیں عنایت کیے ہیں، جنھیں ہمارا لبرل (Liberal) اور نیوٹل (Newtal) طبقہ حرزِ جاں بنائے ہوئے ہے۔ 'مہذب' طبقے کے وہ اُصول یہ ہیں:

کسی کو کچھ نہ کہو!

سب ٹھیک ہیں، کوئی غلط نہیں۔

جو جس طرف لگا ہے، ٹھیک لگا ہے۔

آپ حق بیان کر دو، باطل خود بہ خود ختم ہو جائے گا۔

کسی کو چھیڑو نہیں، اپنا چھوڑو نہیں!

اِن نظریات کو رائج کرنے کے لیے بڑے بڑے واقعات سے دلیلیں پکڑی جاتی ہیں، کچھ حالیہ تقاضوں کو بھی عذر بنا کر پیش کیا جاتا ہے، لیکن بعض اَن دیکھے، اَن سنے اور اَن ہوئے مفروضے بھی قائم کر کے اُن سے مثالیں اخذ کی جاتی ہیں۔

اِن خود ساختہ اُصولوں میں ہر مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والوں کو امن کی آشا نظر آتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اِنھی پر عمل در آمد ہو کر ہی تو ہر کوئی اپنے آپ کو تحفظ فراہم کر سکے گا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ہر کوئی اپنے مقصد میں پورے طرح سے کام یاب ہے۔

لیکن کوئی سلیم الفطرت، کامل العقل شخص ایسے منافقانہ اُصولوں کی کسی صورت اِجازت نہیں دیتا۔ کیوں کہ ایک حق ہے اور ایک باطل اور یہ دو الگ الگ وجود ہیں، اِن میں اتحاد کسی طور ممکن نہیں ہے۔ یہی بنیاد ہے "دو قومی نظریہ" کی اور یہی اِسلام کا قانون ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ازل سے یہ فیصلہ رہا ہے کہ وہ حق و باطل کے درمیان ہمیشہ امتیاز ظاہر فرمائے گا اور اُس نے اپنے فضل سے حق میں اِتنی طاقت رکھ دی ہے کہ اُس کی طاقت سے ہی باطل کو شکست دلوائے گا۔ وہ حق کو ظاہر کرے گا، لیکن باطل کو دفع بھی ضرور فرمائے گا۔ جہاں حق کا بول بالا فرمائے گا، وہاں باطل کا منہ کالا بھی فرمائے گا۔ حق میں باطل کی آمیزش اُسے قطعاً گوارا نہیں۔ حق کے ساتھ اُس کی تائید ہے، باطل پر اُس کی پھٹکار ہے۔ اُس نے اپنی کتابِ فرقان میں کھلے لفظوں میں اپنا اٹل فیصلہ سنا دِیا ہے۔ وہ فرماتا ہے:

جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقاً۔ (پارہ:15 سورۃ الاسراء:81)

"حق آیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل کو مٹنا ہی تھا۔" (کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن)

اور فرماتا ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ يَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ يُبْطِلَ الْبَاطِلَ۔ (پارہ:9 سورۃ الانفال:8-7)

"اللہ چاہتا ہے کہ اپنے کلمات سے حق کو ثابت فرما دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے، تا کہ حق کو حق اور باطل کو باطل ثابت کر دے۔"

اُس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی ایک صفت قرآن میں یہ بھی بیان فرمائی ہے:

اَلَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ ۔ (پارہ 26 سورۃ الفتح 29)

"اُن (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل۔"

(کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن)

پھر اللہ جل شانہ اپنی ایک پسندیدہ قوم کا تذکرہ فرما کر اُن کا یہ وصفِ عالی بیان فرماتا ہے:

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ۔ (پارہ 6 سورۃ المائدۃ 54)

"مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت۔" (کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن)

آخر میں قصہ تمام کر کے فرما دیا:

لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَلِیَ دِیْنِ ۔ (پارہ 30 سورۃ الکافرون 6)

"(اے قومِ کفار!) تمھارے لیے تمھارا دین اور ہمارے لیے ہمارا دین ہے۔"

اب فیصلہ کیجیے! وہ تعلیم کیوں کر دُرست ہو سکتی ہے، جو سراسر قرآن کے خلاف ہو؟

پھر اس نئی تہذیب کا ناس ہو، اس نے تو ہمیں یہ پٹی بھی پڑھا دی:

کافر کو کافر نہ کہو! (ہو سکتا ہے، وہ بعد میں مسلمان ہو جائے)

یعنی پھر تو مسلمان کو مسلمان بھی نہ کہو! (ہو سکتا ہے، زندگی کے کسی نہ کسی حصے میں وہ - معاذ اللہ - کافر ہو جائے) اور اسی طرح دیگر مذاہب والوں کو بھی!

لیکن قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جس جس جگہ کافر کو مخاطب کیا، کافر ہی کہا اور مسلمان کو مخاطب کیا، تو مسلمان ہی کہا اور ویسے بھی ہمارا سوال ہے کہ کافر کو کافر نہیں کہیں گے، تو پھر کیا کہیں گے؟ شاید جواب یہ ہو کہ "انسان کہیں گے۔" جی ہاں! یقیناً یہی جواب ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ آج کل انسانیت کا نام لے کر مذہب کی پہچان ختم کی جا رہی ہے۔ اسی لیے تو یہ نعرہ لگایا جاتا ہے:

انسانیت پہلے، مذہب بعد میں!

مگر بحمد اللہ و بفضلہ ہمارے لیے سب سے پہلے مذہب ہے، پھر انسانیت، کیوں کہ مذہب ہی مقامِ انسانیت سے صحیح طرح رُوشناس کراتا ہے۔

اور سنیں کہ اس قول کا وِرد کرنے والے خود اپنے ہی جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ذرا غور

کریں کہ "کافر کو" میں کافر کس کو کہا جا رہا ہے؟ اُسی کو تو، ...... جس کو کافر نہ کہنے کا کہا جا رہا ہے۔ یعنی خود تو کافر کہیں، لیکن اوروں کو منع بھی کریں۔ واہ! کیسی دانش مندی ہے!

اور لطیفہ یہ ہے کہ تہذیب جدید کی 'ٹھوس ذہنیت' کا کھوکھلا پن اسی سے آشکارا ہو جاتا ہے کہ اس فکر کا درس دینے والے اپنے نہ ماننے والوں کو اپنے ہی اُصولوں کے برعکس 'متعصب' اور 'قدامت پرست' ہونے کا طعنہ بھی دیتے ہیں۔ جب کوئی غلط ہے ہی نہیں، سب ٹھیک ہیں، تو پھر نہ ماننے والے کیسے غلط ہو گئے اور کوئی غلط ہے بھی، تو بس آپ حق بیان کر دو، باطل خود ہی ختم ہو جائے گا۔

یہ ہے اس سوچ کی اصلیت!

لہٰذا اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسلام کے ابدی اُصول جو ہمیں بتا دیے ہیں، وہی پختہ اور غیر متزلزل اور قیامت تک کے ہر دور کے تقاضوں کو پورا کرنے والے ہیں۔ انھی کو اپنانے میں ہم سب کی بھلائی ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قسم کے جتنے گم راہ کن نظریے اختراع کیے جا رہے ہیں، جن کے باعث اُمتِ مسلمہ تصلُّب فی الدین جیسی قیمتی نعمت سے محروم ہو رہی ہے، تبھی تو دین ایک 'سستا مال' بن چکا ہے، آخر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایسے خطرناک پروپیگنڈوں کے پیچھے کس کا ہاتھ ہو سکتا ہے؟

تو سنیے! ہم یہ بات پورے وثوق سے کہہ رہے ہیں کہ ایسی تمام قسم کی سازشیں تیار کرنے والے اور کوئی نہیں، صرف اور صرف مرزائی، قادیانی اور دوسرے بدعقیدہ فرقے ہیں، جو کفر کی ملی بھگت سے یہ مشن پھیلا رہے ہیں۔ یہ لوگ صیہونی اور دیگر طاغوتی طاقتوں کے دستِ شفقت کے نیچے پلتے بڑھتے ہیں، اُن کی شہ پر سازشیں تخلیق کرتے ہیں اور انھی کے آشیر باد سے اسلام کی جڑیں کاٹتے ہیں۔ ان کی سب سے بڑی گھات یہ ہے کہ یہ اپنے آپ کو 'مسلمان' کہتے ہیں، جب کہ درپردہ وہ کفر کے لیے کام کر رہے ہوتے ہیں۔

اب کچھ تھوڑا سا مغربی تعلیم کے نتائج پر بھی ماتم کر لیجیے! یہ مفلوج تعلیم بھی کیا گل کھلا رہی ہے۔ سر سیّد احمد خاں (علی گڑھی) جنھیں برِ عظیم پاک و ہند میں علم و شعور و انقلاب کا مجدد مانا جاتا

ہے، ذرا دیکھیے! وہ قوم کو مرزائیت کے متعلق کیا سبق دے رہے ہیں:

''مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے پیچھے لوگ کیوں پڑے ہوئے ہیں۔ اگر ان کے نزدیک ان کو الہام ہوتا ہے، بہتر! ہم کو اس سے کیا فائدہ؟ نہ ہمارے دین کے کام کا ہے، نہ دُنیا کے۔ اُن کا الہام اُن کو مبارک رہے۔ اگر نہیں ہوتا اور صرف ان کے توہمات اور خلل دِماغ کا نتیجہ ہے، تو ہم کو اس سے نقصان نہیں ہے۔ وہ جو ہوں، سو ہوں، اپنے لیے ہیں۔'' (خطوط سر سید مرتبہ سید راس مسعود صفحہ 256)

'سر جی!' کیوں مخلوط فکر سے افرادِ ملت کو مخنث بنا رہے ہیں!

اس کا مطلب یہ ہوا کہ مرزا صاحب اور اُن کے ساتھ ساتھ ہر کس و ناکس کو کھلی چھٹی ہے کہ وہ آزادانہ جو چاہے، کرتا پھرے۔ باطل سوچ والا اپنے کفر کی کھلے عام تبلیغ کرے، مرزا صاحب نبوت کا دعویٰ کریں، اللہ و رسول کی توہین کریں، دینِ اسلام کی دھجیاں بکھیریں، کچھ بھی کریں، ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ خواہ مخواہ اُن کے خلاف آواز اُٹھائیں۔ وہ کھلے بندوں اپنا مشن جاری رکھیں، ہم اُن کی راہ کے کانٹے نہیں بنیں گے۔

بتایئے! کس قدر ہول ناک اور بھیانک نتائج نکلیں گے، جب اہلِ حق باطل سے سبک دوشی کی راہ اختیار کرلیں گے۔

خبردار، مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے تمھیں امر بالمعروف (نیکی کا حکم دینا) کی ذمہ داری سونپی ہے، ساتھ ہی نہی عن المنکر (بُرائی سے منع کرنا) کا حکم بھی دیا ہے۔ ارشاد ہے:

1- وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (پارہ 4 سورۃ النساء: 104)

''اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے کہ بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں اور بُری سے روکیں!'' (کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن)

2- كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (پارہ 4 سورۃ النساء: 110)

''تم بہتر ہو اُن سب اُمتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں، بھلائی کا حکم دیتے ہو اور

بُرائی سے منع کرتے ہو۔'' (کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن)

'سر جی' کی بات اگر مانی جائے، تو ان میں سے کسی ایک حکم پر بھی عمل نہیں ہوتا۔ یعنی نہ مرزا کو یہ بتاؤ کہ وہ جو کہتا ہے، غلط ہے! نہ یہ کہو کہ یہ صحیح ہے، اس کو مان لو! بس سنتے رہو خاموشی سے! اور اپنوں کو بھی سچائی نہ بتا کر جہنم کے گڑھے میں دھکیل دو!!!!

سچ فرمایا گیا ہے:

اَلْمُتَكَلِّمُ بِالْبَاطِلِ شَيْطَانٌ نَّاطِقٌ وَ السَّاكِتُ عَنِ الْحَقِّ شَيْطَانٌ اَخْرَسُ۔

''گم راہی والی بات کہنے والا بولتا شیطان ہے اور حق بات کہنے سے خاموش رہنے والا گونگا شیطان ہے۔''

جو شخص اس گم راہی بھرے دور میں حق و باطل کو پہچاننا چاہتا ہو اور اُن میں فرق نہ کر سکتا ہو، تو ہم سے سنے کہ اسلام سچا دین ہے اور اہلِ سنت سچا مسلک ہے۔ اب بھی اگر کسی کا دِل مطمئن نہیں ہوتا، تو وہ اس دُعا کو کثرت سے پڑھا کرے، جسے اللہ کے آخری نبی ﷺ پڑھا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ خود ہی سچے دین و مسلک کی طرف راہ نمائی فرما دے گا۔ دُعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّ ارْزُقْنِي اتِّبَاعَهٗ، اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّ ارْزُقْنِي اجْتِنَابَهٗ۔

''اے اللہ! ہمیں حق کو حق کی اصل صورت میں دِکھا اور اُس کی پیروی کی توفیق عطا فرما اور اے اللہ! ہمیں باطل کو باطل کی اصل صورت میں دِکھا اور اُس سے دُور رہنے کی توفیق عطا فرما!''

مسلمانوں کے نزدیک مرزائی کیا ہیں؟...... دوٹوک موقف

ہم جدید تہذیب کو جوتے کی نوک پر مارتے ہیں اور ہمیں 'سر صاحب' کی ڈگر پر چلنا بھی نہیں آتا، کیوں کہ ہماری سرشت میں منافقت نہیں ہے، بل کہ ہم اللہ اور اُس کے رسول کی سنتِ جاریہ کے مطابق باطل کو کھلے طور پر باطل کہیں گے اور اُس کے خلاف علمِ جہاد بلند بھی کریں گے۔

اہلِ اسلام کے تمام مکاتبِ فکر کے نزدیک ہر مرزائی، قادیانی (احمدی) بہ شمول لاہوری

روپ جو مرزا غلام احمد قادیانی کے کفریہ عقائد کو جانتے ہوئے اُسے مسلمان بھی سمجھے، وہ
کافر''، ''مرتد'' اور ''منافق'' ہے اور جو ان کے کفریہ عقائد کو جانتے ہوئے بھی انھیں کافر نہ
سمجھے، وہ بھی ان کے جیسا کافر ہے۔

یاد رہے! مرتد (اسلام سے پھر جانے والا) اور منافق (بہ ظاہر اسلام کا دعویٰ کرنے والا، در
حقیقت کافر) کافر سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ اسلامی ریاست میں ذمی کافر (جو اسلامی
سلطنت میں رہتے ہوئے اسلام سے بغاوت نہ کرے) کو تحفظ ہے، لیکن مرتد یا منافق (ضرور تا)
تین دِن کی مہلت کے بعد واجب القتل ہے۔ تین دِن میں اگر وہ اسلام کو قبول کر لے، تو اُس کی
جان بخشی ہو گئی، ورنہ اُس کی سزا قتل ہے۔

آج کل کے مرزائی، قادیانی جو اسلام کے بنیادی عقیدہ ختم نبوت کے حقیقی معنی کو بگاڑ کر اپنا
غلط معنی مراد لیتے ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان بھی ظاہر کرتے ہیں اور اپنی اصلیت کو چھپانے کے
لیے توبہ بھی کرتے ہیں، وہ زِندیق ہیں۔ زندیق کا معاملہ مرتد سے بھی زیادہ سنگین ہے کہ اُس کی
توبہ بھی قبول نہیں ہے، کیوں کہ اُس کی توبہ کا اعتبار نہیں ہے۔ اس لیے اُس کا فیصلہ اسلامی
ریاست میں قتل کے سوا کچھ نہیں۔

یاد رہے! قتل کا حق اسلامی حکومت کے حاکم کو ہے۔ وہ اسلامی اُصول و قوانین کی مدد سے
تحقیقات کی مکمل چھان بین کے بعد یہ حکم جاری کرے۔ عام شخص کو یہ قانون ہاتھ میں لینے کی
اجازت نہیں ہے۔

آئینِ اسلامی پاکستان کے رُو سے مرزائی کیا ہیں؟

پاکستان کے آئین میں مسلم اور غیر مسلم کی تعریف یوں ہے:

مسلم سے کوئی ایسا شخص مراد ہے، جو وحدت و توحید قادرِ مطلق اللہ تبارک و تعالیٰ، خاتم
النبیین حضرت محمد (ﷺ) کی ختمِ نبوت پر مکمل اور غیر مشروط طور پر ایمان رکھتا ہو اور پیغمبر یا مذہبی
مصلح کے طور پر کسی ایسے شخص پر ایمان نہ رکھتا ہو، نہ اُسے مانتا ہو، جس نے حضرت محمد (ﷺ)
کے بعد اس لفظ کے کسی بھی مفہوم یا کسی بھی تشریح کے لحاظ سے پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا ہو یا دعویٰ
کرے۔

غیر مسلم سے کوئی ایسا شخص مراد ہے، جو مسلم نہ ہو اور عیسائی، ہندو، سکھ، بدھ یا پارسی
فرقے سے تعلق رکھنے والا کوئی شخص، قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ کا (جو خود کو احمدی یا کسی اور
نام سے موسوم کرتے ہیں) یا کوئی بہائی اور جدولی ذاتوں میں سے کسی سے تعلق رکھنے والا کوئی
شخص شامل ہے۔

اسلامی جمہوری پاکستان کے آئین میں 7 ستمبر 1974ء کو مرزا غلام احمد قادیانی کے ماننے
والوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو (اللہ تعالیٰ اُن کو اِس کا اجر بڑھا
چڑھا کر دے) کے دور میں یہ قانون پاس ہوا۔ یہ عہد ساز کارنامہ قائدِ ملتِ اسلامیہ حضرت شاہ
احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت نے انجام دِیا۔ اِس کو کام یاب
کرانے میں تمام مکاتبِ فکر کے علما اور سیاسی و قانونی شخصیات نے حصہ لیا۔

26 اپریل 1984ء میں صدر جنرل محمد ضیاء الحق کے دور میں 'امتناعِ قادیانیت آرڈی نینس'
جاری ہوا، جس میں مرزائیوں کو اپنے آپ کو 'مسلمان' کہلانے، اپنے مذہب کو 'اسلام' کہنے اور
اسلام کے نام پر تبلیغ کرنے، اپنی عبادت گاہوں کو ''مسجد'' کہنے، نماز کے لیے اذان کہنے وغیرہ
اُمور پر قانوناً پابندی عائد کر دی گئی، تاکہ عوام اِن کے ایسے الفاظ سے دھوکے میں نہ پڑیں اور
مرزائیوں کو کافر ہی سمجھیں۔

مرزائیوں سے تعلقات کی شرعی حیثیت

معاشرت (مل جُل کر آپس میں رہنا) اِنسانیت کی بقا اور خوش باشی میں وہی اہمیت رکھتی
ہے، جو ایک جان زِندہ اور صحت مند جسم میں رکھتی ہے۔ یہی اجتماعی زِندگی کی اصل ہے۔ اِسی سے
آگے قوم و ملت وجود پزیر ہوتی ہے۔ رشتے، ناتے، دوستیاں وغیرہ سب اسی کی پیداوار ہیں۔

نظریۂ معاشرت کے لازمی اجزا آپسی اِتفاق، باہمی احساس، پیار اور محبت ہیں۔ یہ نہ ہوں
گے، تو نیم مُردہ جسم والی حالت ہوگی کہ جس میں جان تو ہے، مگر اُس جان سے بے جان اچھا اور یہ
تبھی پیدا ہو سکتی ہیں، جب سوچ بچار، افکار میں اِتحاد اور ہم آہنگی ہوگی۔ کیوں کہ اِنسان کی
فطرت ایسی ہے کہ افکار و نظریات کا اِختلاف اس کے مزاج پر منفی اثر انداز ہوتا ہے، جس کے
باعث کوئی اِنسان اگرچہ کتنا ہی محتاط اور معتدل طبع ہو، اس تعلق کو زیادہ عرصہ تک برقرار نہیں رکھ

ملتا۔ لہٰذا معاشرت صحیح معنوں میں اُس صورت میں قائم رہ سکتی ہے، جب اَفکار متحد ہوں گے۔
ں کے بہ غیر معاشرت کا تصور بے معنی ہے۔

مِل جُل کر رہنے، ایک دوسرے کی خوشی غمی میں شریک ہونے، ایک دوسرے کے اَرمانوں
ا پاس رکھنے سے جو اپنائیت، قربت اور ہم دردی کا تاثر ملتا ہے، وہ اِنسان کو اِس نظام کے رائج
رنے پر اور بھی زیادہ مجبور کرتا ہے۔ یہ عناصر بڑھتے رہیں، تو معاشرت اُخوت (بھائی چارہ) کی
ل اِختیار کر جاتی ہے۔ جس معاشرے میں یہ اُمور جتنے زیادہ پروان چڑھیں گے، اُخوت کا
تہ اُتنا مضبوط تر ہوتا جائے گا۔

اِسلام اُخوت ہی کا درس دیتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ (رِشتوں میں برابر کے سب سے
نہ رشتے میں بندھ کر) بھائی بھائی بن کر رہنا اور ایک جان، ایک جسم ہو کر رہنا۔ اللہ تعالیٰ نے
منوں کو بھائی بھائی ہی فرمایا۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔ (پارہ:26 سورۃ الحجرات:10)

''بلاشبہ ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''

حدیث شریف میں فرمایا گیا:

مَثَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ تَوَادِّهِمْ وَ تَرَاحُمِهِمْ وَ تَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ
اِذَا شْتَکٰی مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعٰی لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَ الْحُمّٰی۔

(صحیح مسلم: کتاب البر والصلۃ والادب جلد2 صفحہ 321)

''مومنوں کی مثال آپس میں چاہت، رحم اور شفقت کرنے ایک جسم کے جیسی ہے۔
جب اُس کے کسی عضو کو تکلیف پہنچتی ہے، تو سارا جسم بے آرامی اور بخار میں (کی سی
کیفیت میں) مبتلا ہو جاتا ہے۔''

گویا اِسلامی اُخوت کی یہ عمارت اِیمان کی مضبوط بنیادوں پر کھڑی ہے۔ ایمان اور اُس
قاضوں کے بہ غیر یہ عمارت بے بنیاد ہے، خواہ کتنا قریب سے قریب تر رشتہ ہی کیوں نہ ہو۔
ن کریم اِس پر شاہدِ ناطق ہے۔ اللہ عزّ و جلّ اِرشاد فرماتا ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ

كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ اَزْوَاجَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ
فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ۔ (پارہ:28 سورۃ المجادلۃ:22)

''تم نہ پاؤ گے اُن لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دِن پر کہ دوستی کریں اُن
سے جنھوں نے اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کی اگرچہ وہ اُن کے باپ یا بیٹے یا
بھائی یا کنبے والے ہوں۔ یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے اِیمان نقش فرما دیا۔''

(کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن)

ثابت ہوا کہ اللہ و رسول کے نافرمانوں، بے اِیمانوں، کافروں، منافقوں کے ساتھ
معاشرت نہ اللہ کو پسند ہے، نہ سچے اِیمان والوں کو۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ سچا مسلمان اپنے دِین کو
نقصان پہنچانے والوں سے تعلق بھی رکھ سکے۔ حدیثِ نبوی ﷺ میں اِسے اَلْحُبُّ فِی اللّٰهِ وَ
الْبُغْضُ فِی اللّٰهِ (اللہ کے لیے محبت اور اللہ کے لیے بغض) سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اِس ساری تمہید سے یہ بتانا مقصود تھا کہ اِسلام میں کسی سے تعلقات رکھنے کی اِجازت تبھی
ہوگی، جب وہ صاحبِ اِیمان صحیح العقیدہ مسلمان ہوگا۔ کفار اور دِین کے ساتھ منافقت کرنے
والوں کو اِسلامی معاشرے میں نہ تو معاشرتی حقوق حاصل ہیں، نہ مسلمانوں کو اُن کے ساتھ تعلق
رکھنے کی قطعاً کوئی اِجازت ہے۔

ایسے لوگوں کے ساتھ اِسلامی معاشرے میں یہ سلوک کیا جاتا ہے کہ معاشرتی و مذہبی؛ ہر
طرح سے اُن کا مقاطعہ (Boycott) کر دیا جاتا ہے۔ حالاں کہ دُنیاوی معاملات میں
مسلمانوں کو اُن سے بھی کام پڑتے ہیں، لیکن مسلمان اللہ اور اُس کے رسول کی رضا اور دِین
اِسلام کی سربلندی کے لیے اُن سے ہر طرح کا تعلق توڑ لیتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آپ کے
بعد والے ہر زمانے میں اہلِ اِسلام کا یہی طریقہ رہا ہے اور اللہ عزّ و جلّ کا فرمان ہے:

لَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔ (پارہ:12 سورۂ ہود:113)

''ظالموں کی طرف نہ جھکو! ورنہ تمھیں (جہنم کی) آگ چھوئے گی۔''

مرزائی، قادیانی چوں کہ اِسلام کے سب سے بڑے غدار اور منافق ہیں، بلکہ مرتد بھی ہیں،
اس لیے اُن کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا جائے گا، جو اِسلام کے اِبتدائی دور میں منافقوں اور

مرتدوں کے ساتھ کیا جاتا تھا۔

اب دو قسم کے شرعی احکام ہیں:

ایک: عوام کے لیے۔ دوسرا: حکومت کے لیے۔

عام مسلمانوں کے لیے یہ حکم ہے کہ جس شخص کے متعلق یقین ہو کہ وہ مرزائی، قادیانی ہے، تو اُس کے ساتھ زندگی اور موت کے تمام تعلقات مثلاً میل جول، سلام دُعا کرنا، کھانا پینا، اُٹھنا بیٹھنا، دوستی کرنا، رشتہ داریاں بڑھانا، نکاح کرنا، بیماری پر عیادت کرنا، شادی بیاہ میں شریک ہونا، مر جائے تو جنازے پہ جانا، مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا حرام ہے۔ اُس کا ذبح کیا ہوا جانور حرام ہے۔ اُسے زکوٰۃ، فطرانہ، صدقہ دینا: سب حرام ہے۔

اگر نکاح کرے گا، تو زِنا ہوگا۔ جو (علم ہونے سے پہلے) کر چکے، وہ نکاح ہی نہیں ہوئے۔ (قربانی یا اور کسی موقع کا) ذبیحہ کھائے گا، تو حرام کھائے گا۔ زکوٰۃ وغیرہ دے گا، تو ادا نہ ہوگی اور گناہ الگ ہوگا۔

جو اسلام کی ان پابندیوں کی وجہ سے مرزائیوں کو مظلوم سمجھے، وہ اسلام سے خارج ہے۔

اسلامی حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ مرتد، منافق مرزائی کو اِسلام کی دعوت دے، اُسے سختی نرمی دونوں طریقوں سے سمجھائے، پھر اُسے تین دِن کی مہلت دے، اگر مان جائے، تو اُس کی جان بخشی ہو جائے گی، نہ مانے، تو حاکم اسلام اُسے قتل کر دے۔

اس وقت پاکستان میں اِسلامی حکومت نہیں ہے، اِسی لیے قتل کے حکم پر عمل نہیں ہو سکتا، لیکن عام مسلمانوں کے لیے جو احکام بیان کر دیے گئے ہیں، اُن پر عمل کرنا ہر صورت میں ضروری ہے، ورنہ قیامت کے دِن اللہ کی بارگاہ میں جواب دہ ہوں گے۔

ہاں! تبلیغ کے احکام الگ ہیں۔ مسلمانوں میں سے جو لوگ تبلیغ کر سکتے ہیں یا کسی طرح بھی سمجھا بجھا کر اُنھیں مسلمانیت کی طرف راغب کر سکتے ہیں، اُن کے لیے اجازت ہے کہ وہ اُن سے اچھے طریقے سے ملاقات اور گفتگو کریں اور اُنھیں نفرت کا احساس نہ ہونے دیں۔ اللہ کرے کہ وہ مان جائے، لیکن خدانخواستہ اگر وہ نہ مانے، تو پھر کسی طرح کی خوش اخلاقی دِکھانے کی ضرورت نہیں، پھر وہی احکام ہوں گے، جو عام مسلمانوں کے لیے ہیں۔

نئی نسل چوں کہ انتہائی غیر اسلامی ماحول میں جنم لے رہی ہے، اس لیے ہو سکتا ہے کہ اُنھیں قطع تعلقی والی بات سخت پریشان کرتی ہو اور طرح طرح کے وسوسے اُن کے ذہنوں میں اُٹھتے ہوں۔ لہٰذا اُن کے لیے ہم یہاں تھوڑی بہت وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

پیارے بھائی! دیکھیں! معاشرت کا تو پہلے کافی کچھ بیان بھی ہو چکا کہ اس سے دِل قریب ہو جاتے ہیں، دِلوں میں محبت جاگزیں ہو جاتی ہے۔ اس لیے اگر معاشرے کا کوئی فرد دین و ایمان کے بگاڑ کا سبب بنتا ہو، تو اِسلام نے مار کٹائی کے بہ جائے قطع تعلقی سے اُس پر بڑے پُر امن طریقے سے قابو پانے کا ہمیں گُر دیا ہے۔ یہی کہ اُس سے میل جول ترک کریں، لین دین چھوڑ دیں، رِشتہ ناتا توڑ دیں، خوشی غمی میں شرکت نہ کریں! جب ایسا کیا جائے گا، تو یہ نفسیاتی علاج اُس کے لیے اِس قدر مؤثر اور بے ضرر ثابت ہوگا کہ وہ شخص اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور ہو کر خود بہ خود راہِ راست پر آ جائے گا۔ معاشرت اِنسانیت کی قدر کو بڑھاتی ہے اور اُسے اِنسان ہونے کا اِحساس دِلاتی ہے۔ اس لیے جب وہ یہ سوچے گا کہ کوئی میرے قریب بیٹھنا پسند نہیں کرتا، مجھ سے کوئی سلام کرنا گوارا نہیں کرتا، میری خوشی غمی کسی کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی، تب وہ اپنی روِش کو ضرور بدلے گا۔ جب وہ یہ دیکھے گا کہ مَیں اِس بھری دُنیا میں کتنا اکیلا ہوں، تب اُسے اپنی حرکات سے باز آنا ہی ہوگا۔ اس لیے اِسلام پہلے قتل کا حکم نہیں دیتا، بلکہ معاشرت کو ختم کرنے کا کہتا ہے اور اگر آپ کو مرزائی بڑے خوش خلق نظر آئیں، تو میرے بھائی! اُن کے جرائم اور عزائم پر آگاہی حاصل کریں! آپ پر حقیقت کُھل جائے گی۔

مرزائیت کی کثرت!......کون لوگ زیادہ مائل ہو رہے ہیں

اِس زمانے میں جب کہ ہر طرف عقلیت اور مادہ پرستی کا دور دورا ہے، باطل اس فتنہ کی لہر سے سب سے زیادہ فائدہ اُٹھا رہا ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ گندی فضا باطل کی اپنی ہی پیدا کردہ ہے۔ مرزائی سرگرمیاں اوّل تا آخر اِسی کے گرد گھومتی ہیں جس کے باعث نادان مسلمانوں کی ایک تعداد تیزی سے ان کی طرف مائل ہوتی نظر آ رہی ہے۔

دیکھنے میں آیا ہے کہ دُنیاوی تعلیم یافتہ طبقہ جن میں اعلیٰ عہدے دار افسران کے علاوہ کئی عالمی شہرت یافتہ لوگ شامل ہیں، مرزائیت قبول کر رہے ہیں۔ سر ظفر اللہ قادیانی جو پاکستان کا پہلا

وزیرِ خارجہ تھا اور ڈاکٹر عبدالسلام جیسا بڑا آدمی جس نے "بہ حیثیت سائنس دان پاکستان کا پہلا نوبل انعام یافتہ شخص" ہونے کا اعزاز پایا، وہ بھی اِن میں شامل ہیں، بلکہ ہر ممکن طریقے سے مرزائیت کا پرچار کرتے رہے۔ ڈاکٹر عبدالسلام تو اتنا کٹر مرزائی تھا کہ جب 1979ء اُسے نوبل پرائز دیا گیا، تو اُس نے اسے اپنے نبی مرزا قادیانی کا معجزہ قرار دیا۔ اس موقع پر اُس نے کہا:

"میں سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی کا غلام ہوں، پھر مسلمان ہوں اور پھر پاکستانی۔"

اب ایسے لوگ جنھوں نے دُنیا دیکھی اور دُنیا میں اپنا نام چمکا کر دُنیا والوں سے دادِ تحسین وصول کی، جب ہمارا دُنیا پرست کچھ طبقہ ان کی طرف نظر کرتا ہے، تو پریشان ہو جاتا ہے۔ ان کے ذہن میں ایسے ایسے سوال پیدا ہونا شروع ہو جاتے ہیں کہ مرزائی اگر...... کافر ہیں، تو...... یہ لوگ......؟

اصل میں یہ سب دُنیاداری اور دین سے دُوری کی وجہ سے ہے اور یہ تقابل ایسا غیر منصفانہ ہے کہ اس نے بہت سے لوگوں کو غلط نتائج پر پہنچا دیا ہے۔

آپ دیکھیں کہ ہم میں سے ہر کوئی دُنیا کے لحاظ سے کس قدر ہوش یار ہے، باریک سے باریک تر معاملہ بڑی عمدگی سے حل کر لیتا ہے۔ کبھی کوئی شخص حجامت کے لیے موچی کے پاس نہیں جاتا، دودھ چاہیے، تو کوئی مرغی خانے نہیں جائے گا، گاڑی خراب ہو جائے، تو کوئی ہوٹل پہ ٹھیک کروانے نہیں جاتا وغیرہ۔ ہر کوئی اِن کاموں کے لیے دُرست جگہ کا انتخاب کرتا ہے۔

لیکن دین کا معاملہ آئے، تو اُس وقت ہم میں سے بہت سے لوگوں کے دماغ ماؤف ہو جاتے ہیں۔ انھیں بالکل پتہ ہی نہیں چلتا کہ دین کے لیے معیار کون ہے؟

دین اگرچہ کسی کی میراث نہیں، لیکن دین حاصل کرنا ہے، تو اللہ والوں (علما اور صوفیہ) کے پاس آنا پڑے گا۔ دین سیکھنا ہے، تو دین والوں سے سیکھو! جب دین سیکھنے کوئی دُنیا داروں کے پاس جائے گا، تو وہ دُنیا کی راہ ہی بتائیں گے۔ پھر یہی ہوگا کہ فلاں وزیر مرزائی ہے، تو فلاں ڈاکٹر بھی مرزائی ہے۔

یہ انگریزی تعلیم ہمیں انگریز کا غلام ہی تو بنائے گی۔ یہ کب ہمیں معرفتِ الٰہی اور عشقِ رسول

کا سبق سکھا سکتی ہے!

سنو! اگر اسلام کی غلامی میں آنا چاہتے ہو، تو علم دین کی طرف رُجوع کرو! کسی کی کثرت پر نہ جاؤ، نہ ہی کسی کے بڑے پن سے دھوکا کھاؤ، بلکہ اصلیت کو پرکھو! کردار کو دیکھو!

اس علم کے کرشمے دیکھیے! اس نے بڑے بڑوں سے اپنا مطلب نکلوایا ہے۔ آپ کو ایک ایسے فردِ فرید کی بات بتاتے ہیں، جو خطۂ پاک و ہند میں "ہند کا امام" اور "کلام کا باپ" کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ جب مرزا قادیانی جہنم واصل ہوا، تو اس 'امام' نے لکھا:

"وہ شخص، وہ بہت بڑا شخص، جس کا قلم سحر تھا اور زبان جادو...... مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی رحلت اس قابل نہیں کہ اس سے سبق حاصل نہ کیا جاوے اور مٹانے کے لیے اسے امتدادِ زمانہ کے حوالے کر کے صبر کر لیا جائے۔ ایسے لوگ جن سے مذہبی یا عقلی دُنیا میں انقلاب پیدا ہو، ہمیشہ دُنیا میں نہیں آتے۔ یہ نازشِ فرزندانِ تاریخ بہت کم منظرِ عالم پر آتے ہیں اور جب آتے ہیں، دُنیا میں انقلاب پیدا کر کے دکھا جاتے ہیں۔"

(تاریخ احمدیت جلد 3 صفحہ 2-571 بہ حوالہ اخبار "بدر" قادیان صفحہ 3-2: 18 جون 1980ء)

یہ حال ہے 'امام الہند ابو الکلام آزاد' کا کہ مرزا نے دعوئ نبوت کر دیا، لیکن ان کو کوئی پروا نہیں، یہ اُس کی ادبیت اور عقلیت کے گُن گا رہے ہیں، بلکہ اُس کی الحاد سے پُر انقلابی جدوجہد سے مرعوب ہو کر اُس کی شان میں قصیدے پڑھ رہے ہیں۔

اللہ اکبر! اس قدر تاسف کا مقام ہے!

ایمان بڑی چیز ہے اور پختہ ایمان اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ یہ ہر کسی کو نہیں عطا ہوتی۔ لیکن جس کو ملتی ہے، اُس کی پرواز پھر کیا ہوتی ہے، ایک جھلک ملاحظہ کیجیے! وہ جو "حکیم الامت" ہیں، وہ کہ "فخرِ دُنیا مشرق" ہیں، وہ علامہ اقبال ہیں، جنھوں نے قادیانیت کو صرف سطحی نظروں سے نہیں دیکھا، بلکہ گہرائیوں میں جا کر اس فتنہ کا مطالعہ کیا۔ مرزا قادیانی کی ادبیت اور انقلابیت بھی اُن کے سامنے تھی۔ اس کے باوجود وہ فرماتے ہیں:

"مرزائیت یہودیت کا چربہ ہے۔" (خط بنام پنڈت جواہر لال نہرو 21 جون 1936ء)

طلب کی) کتابیں ''خزائن معارفِ اسلامیہ'' کے نام سے چھاپی ہیں، جو 2 جلدوں میں ہیں۔
ر ''روحانی خزائن'' کا قادیان سے شائع شدہ ایڈیشن چناب نگر والے سے بھی مختلف ہوسکتا ہے،
اس طرح اتنی زیادہ کتابوں کے حوالے ڈھونڈنے میں اچھی بھلی مصیبت ہے۔ ایک دو کتابیں یا
چار عبارتیں ہوں، تو خیر ہے، اتنی بڑی سینکڑوں حوالوں کی چنڈ ہو، تو بندہ کدھر جائے!

ایسے میں فرض کیا آپ کا مخالف مرزائی کسی عبارت پر کتاب لے آتا ہے (حالاں کہ آپ
ے پاس کتاب نہیں تھی اور شاید اس کے پہلے دیکھی بھی نہ تھی) اور وہ کہتا ہے کہ یہ لو! حوالہ نکالو! تو
ں وقت اگر اس بات کا اہتمام نہیں کیا گیا ہوگا، تو چنگا بھلا پھڈا پڑ جائے گا۔ لہٰذا جو حوالہ نوٹ کیا
ا ہے، جہاں وہ کتاب ہونا ضروری ہے، اُس حوالے کے مطابق ایڈیشن بھی ہونا ضروری ہے۔

اس کتاب میں جن عبارات کے آگے ''روحانی خزائن'' لکھا ہوا ہے، وہ تمام حوالے چناب
ر کے مطبوعہ سے دیے گئے ہیں۔

دورانِ گفتگو مخالف مرزائی اگر مرزا قادیانی کی اپنی کوئی ایسی عبارت پیش کردے کہ جو غلط
وم والی عبارت آپ پیش کر رہے ہیں، اُس کے خلاف صحیح اسلامی عقیدہ بیان کرتی ہے، تو اس
، وہ یہ بہت بڑا دھوکا دے سکتا ہے کہ دیکھو جی! یہ بھی تو مرزا صاحب کی عبارت ہے۔ آپ غلط
ب کی طرف ہی جاتے ہو، صحیح مطلب کی طرف کیوں نہیں آتے! ایسی ویسی بہکی بہکی باتیں
کے پریشانی کھڑی کرسکتا ہے۔

اس بے وقوفانہ اعتراض کا آسان سا جواب یہ ہے کہ مرزا شروع کے دور میں اسلام کے صحیح
د ہی مانتا تھا اور بیان بھی کرتا تھا۔ یہ تو بعد میں اُس کا بیڑا غرق ہوا، جو کفر بکنا اور لکھنا شروع
یا۔ آپ اُس کتاب کا بھی سنہ تالیف دیکھ لیں، جس سے مخالف عبارت دکھا رہا ہے اور اپنے
ری کتاب کا بھی دیکھ لیں، سوفی صد یہی وجہ ہوگی۔

ر با غلط مطلب اور صحیح مطلب، تو بات یہ ہے کہ جب کوئی لعنتی اسلام کے خلاف کفر بکتا ہے،
ں کا جو کچھ بھی اسلام کے مطابق ہو، سب کا سب فارغ ہو جاتا ہے۔ اب وہ عبارت صدیوں
ھی رہے، تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، جب تک کہ لکھنے والا اُس کفر کے ارتکاب سے سچی توبہ نہ
لے اور غلطی کی نشان دہی کرکے یہ بتا نہ دے کہ مجھ سے یہ یہ کفر ہوا تھا اور میں اس سے توبہ کرتا

ہوں، پھر صحیح عقیدہ بیان کرے۔ پھر مرزا قادیانی کی ایک کفریہ عبارت تھوڑی ہے، اس شیطان
نے تو کفر کر کر کے کوہِ ہمالہ کھڑا کیا ہوا ہے۔

خاموش تبلیغ! سازشوں کا جال!......خبردار رہیے!

باطل بڑا عیار ہے، مکار ہے، طاقت ور ہے، سلسلہ وار ہے۔ وہ پینترے بدل بدل کر اہل
حق کے ایمانوں پر حملہ آور ہوتا ہے اور بہتیروں کو اپنے چنگل میں پھنسا لیتا ہے اور اخیر کو اُن سے
بازی بھی لے جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اسلام کا نام لے کر اس وقت جتنے غدار کام کر رہے ہیں، اُن میں
سب سے متحرک، منظم اور مستحکم مرزائی فتنہ ہے۔ مرزائی مشنری جس پالیسی کے تحت اپنی تبلیغ عام
کر رہی ہے، مرزائیت کا زہر بجلی کی سی تیزی اور غیر مرئی طریقے سے حقیقی اسلام کے ماننے والوں
کے رگ و پے میں سرایت کرتا جا رہا ہے۔

آہ! کس قدر ظلم ہے کہ مرزائیت اپنے گھناؤنے چہرے کو اسلام کے مقدس نقاب سے
ڈھانپ کر لوگوں کو کفر کے گڑھے میں جھونک رہی ہے۔

ہائے افسوس! کتنی بے خبری سے سیدھے سادھے مسلمان مرزائی وبا کا شکار ہو رہے ہیں۔

وائے قسمت! بے چارے وہ مسلمان جو تلاشِ حق کی غرض سے راہِ خدا میں نکلے تھے، ایمان
کے چوروں نے اُن کی متاعِ ایمان ہی لوٹ لی، گم راہی و بے دینی کے درندوں نے اُن کے
ایمان کو چیر پھاڑ کر کے رکھ دیا۔

آئیے! جائزہ لیتے ہیں کہ مسلمانوں کو اپنے جال میں پھنسانے کے لیے مرزائی کون سے
اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں:

❁ انگریز کا یہ خود کاشتہ اور پروردہ فتنہ صرف تبلیغ کے طریقے سے ہی مسلمانوں کو اپنے جال میں
نہیں پھنساتا، بلکہ اس کے پاس مسلمانوں کو بے دین کرنے کے لیے اور بھی بہت سے حربے
ہیں۔ یہ لوگ ہر درجے کی ذہنیت کو سامنے رکھ کر کام کرتے ہیں۔ تبلیغ تو صرف ایسوں کو کی جاتی
ہے، جو دین پسند ہوتے ہیں۔ دُنیا پرست، لالچی اور مذہب بے زار لوگوں کو مرزائی بنانے کے

لیے دولت کا استعمال ہوتا ہے۔ انجام کار ایسے لوگ چند ٹکوں کے بدلے اپنے ایمان کا سودا کر لیتے ہیں۔

مرزائیوں کی اوّلین ترجیح یہ ہوتی ہے کہ بندہ اپنی طرف کا کرنا ہے، چاہے دین مذہب کی اُس کی نظر میں کوئی قدر نہ ہو اور یہ کوشش صرف اس لیے کی جاتی ہے کہ دُنیا کے سامنے اپنی بڑھتی ہوئی تعداد کا ڈھنڈورا پیٹ سکیں۔ دُنیاداروں اور دِین فروشوں کی تو اس دور میں کمی نہیں، پھر کچھ بے روزگاری اور غربت کی آفت نے بھی دین کی وقعت ہماری نظروں سے گرا دی ہے۔ لہٰذا مرزائی اس طرح کے مردہ ضمیروں پر بہت توجہ کرتے ہیں، کیوں کہ وہ بہت جلد اُنھیں اپنے شکنجے میں کس سکتے ہیں۔ ایسے 'دلیروں' کے لیے یہ پروگرام ترتیب دیا گیا ہے کہ اگر اُنھیں معاشی تنگی ہو، تو حسبِ قابلیت نوکریاں دِلوائی جاتی ہیں۔ جو جس شعبے کا ماہر ہو، اُسے اُسی متعلقہ شعبے میں ملازمت دی جاتی ہے۔ مکان دیا جاتا ہے۔ پسند کے (قادیانی) رشتے تلاش کر کے شادیاں تک کروائی جاتی ہیں۔

یہ تو ہے جاہل لوگوں کو قابو کرنے کے طریقے۔ اب سوال یہ ہے کہ دُنیاوی تعلیم یافتہ طبقے کو کیسے اپنے شکنجے میں کسا جاتا ہے؟ تو اُس کا بڑا آسان حل ہے، ایسے لوگوں کے لیے عقل کے داؤ پیچ سے کام لیا جاتا ہے۔ یعنی فلسفیانہ گفتگو سے اُنھیں لاجواب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ 'لاوارث عقل' کے پرستار جن کے پاس دین کا علم تو ہوتا نہیں اور نہ وہ خود سے اپنے ایمانوں کا تحفظ کر سکتے ہیں، صرف اپنے اٹکل پچو سے ہر مسئلہ سلجھانے کی کوشش میں رہتے ہیں، جب عقلیت کے سامنے گنگ ہو جاتے ہیں، تو پھر سرے سے ہی ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

اس پس منظر میں دیکھا جائے، تو مرزائیت کا شکار ہونے والے لوگ تین طرح کے ہیں:

1- سادہ لوح قسم کے مسلمان جنھیں دین کے بارے کچھ معلومات نہیں ہوتیں، اُنھیں یہ لوگ ورغلا کر مرزائی کر لیتے ہیں

2- دُنیادار، مذہب بےزار لوگ جن کا مقصد صرف حصولِ دنیا ہوتا ہے، دولت کی لالچ میں آ کر اپنا ایمان بیچ ڈالتے ہیں

3- عقل پرست طبقہ جنھیں دین کا علم کچھ تھوڑا بہت تو پتہ ہوتا ہے، مگر عقائد اور فرضِ علم سے بھی

یہ لوگ خالی ہوتے ہیں

ہم نے الحمد للہ اس کتاب میں پہلے اور تیسرے طبقہ کے لیے مواد فراہم کر دیا ہے، جس کو پڑھ کر اور مزید اُس پر غور و تفکر کر کے وہ اپنے ایمان کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ رہا دوسرا طبقہ؛ تو اُس کا کوئی حل نہیں ہے، حل ہے، تو صرف یہ کہ اُن کے دِلوں میں درد پیدا کیا جائے، ایمان کو بیدار کیا جائے، اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کیا جائے، حضور ﷺ کا محبت پیدا کی جائے اور اسلام کی عظمت اُجاگر کی جائے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کے ایمانوں کو باطل فرقوں کے فتنے سے محفوظ رکھے اور ہمیں سچے دین پر قائم رکھے۔

❁ تبلیغ کا طریق کار:

کوئی بھی گم راہ فرقہ ہو، اُس کے لوگ اپنے غلط عقائد کو کبھی کسی کے سامنے بیان نہیں کریں گے اور جو کچھ اچھی باتیں ہوتی ہیں، وہ پیش کر کے اگلے کو اپنے ساتھ کا بنا لیتے ہیں، کیوں کہ جس کو وہ اپنی طرف لانا چاہتے ہیں، اگر وہ شروع سے ہی اُس کے عقیدے کے خلاف بات کریں گے، تو وہ اُن کی کبھی نہیں مانے گا۔ اسی طرح مرزائی حضرات جب کسی کو اسلام سے بہکانا شروع کرتے ہیں، تو پہلی ملاقات میں مرزے کا نام ہرگز نہیں لیتے، پھر دو چار ملاقاتوں کے بعد جب اگلا بھی کچھ نہ کچھ اُن کا قائل ہو گیا ہوتا ہے، تب یہ مرزا کو پیش کرتے ہیں اور "امام" کہہ کر اُس کا تعارف کرواتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جس طرح اسلام میں دیگر ائمہ حضرات ہیں جیسے امام جلال الدین سیوطی، امام محمد غزالی وغیرہ (نیز ہر فرقے کے لوگ جسے اپنا امام تسلیم کرتے ہوں، اُس کا نام لے کر کہ جس طرح وہ) امام ہیں، اسی طرح مرزا صاحب بھی امام ہیں۔ جب وہ اس پر پکا ہو جاتا ہے، تو پھر آگے درجہ بہ درجہ سب کچھ منوا لیتے ہیں۔

اس دوران جس خوش نصیب پر اللہ و رسول کا فضل ہو جائے اور کہیں سے اُس پر مرزائیوں کی اصلیت کھل جائے، وہ تو بچ جاتا ہے، لیکن جن بے چاروں کو مرزائیوں کے عقائد اور ان کی گندی ذہنیت کا کچھ علم نہیں ہوتا، وہ پھر اُن کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔

❁ مرزائی اپنے لوگوں کو علما اور صوفیہ سے دور رہنے پر بہت زور دیتے ہیں، نیز اُن کے ذہنوں

میں ان حضرات کے بارے غلط تصور پیدا کرتے رہتے ہیں۔ یہ جو لفظ ''مولوی'' کی ہم اپنے معاشرے میں تذلیل دیکھ رہے ہیں، یہ سوچ بہت حد تک اِنھی سے منتقل ہو رہی ہے۔

علماء وصوفیہ سے دور کرنے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ چوں کہ یہ لوگ اُمت کا ایسا سرمایہ ہے کہ ہر دور میں اُمت کی حقیقی اِصلاح اِن کے ہاتھوں ہی ہوتی رہی ہے، عوام الناس کو کھرے کھوٹے کی پہچان انھوں نے ہی کروائی ہوتی ہے اور حضور ﷺ فرماتے ہیں:

اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَاءِ۔

(صحیح بخاری: کتاب العلم جلد 1 صفحہ 16، جامع ترمذی: ابواب العلم جلد 2 صفحہ 79، سنن ابی داؤد: کتاب العلم جلد 2 صفحہ 157، سنن ابن ماجہ: باب فضل العلماء، جلد 1 صفحہ 20)

''علماءِ دین (علم وتبلیغ) میں نبیوں کے وارث ہیں۔''

تاریخ اُٹھا کر دیکھیں! حق کا ساتھ دینے اور باطل سے ٹکر لینے والوں کی صفِ اوّل میں آپ کو ہمیشہ علما اور صوفیہ کا گروہ ہی نظر آئے گا۔ لہٰذا مرزائیوں نے یہ سازش تیار کی کہ اگر اپنوں کو بچانا ہے، تو پھر اس طبقے سے دور رکھو، نہ لوگ اِن تک پہنچ پائیں گے، نہ ہمارے خلاف کچھ سنیں گے، نہ مرزائیت سے پھریں گے۔ باقی اگر کوئی بندہ کسی عام آدمی سے ہمارے بارے میں کچھ سن بھی لیتا ہے، تو ایسا سو میں سے شاید کوئی ایک واقعہ ہوتا ہے، باقی سب لوگ تو علما (مولویوں) سے ہی سنتے ہیں۔

یہ بھی یاد رکھیے کہ ہر مولوی عالم نہیں ہوتا اور ہر پیر صوفی نہیں ہوتا، بلکہ بہت سارے مولوی، پیر ایسے ہوتے ہیں، جن کو علم کی ہوا تک نہیں لگی ہوتی۔ یہ درحقیقت 'علمی یتیم' ہوتے ہیں۔ ان کی باتوں سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ایک دم اس دَور کی دُنیا سے کٹ کر زندگی بسر کر رہے ہیں، بالکل ویسے، جیسے کنویں کا مینڈک باہر کی دُنیا سے بے خبر ہوتا ہے اور بعض پیروں کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں جو اُن کا مرید ہوا ہے، وہ صرف اُن کی ذات کے لیے مرید ہوا ہے، اللہ رسول کے لیے نہیں (جو ''باطنی شرک'' کا دروازہ کھولتا ہے)۔ اِسی طرح اُس بے قصور مرید کی ساری زندگی پیر کے بوس وکنار میں ہی اکارت جاتی ہے۔

لہٰذا ایسے لٹیروں سے تو ہر صورت پیچھا چھڑانا ضروری ہے۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ ہماری عوام

میں علم دِین سے دُوری کا جو عنصر پیدا ہونا شروع ہو گیا ہے، اُس کے نوے فی صد ذِمہ دار یہی جاہل مولوی، پیر ہیں۔ اپنے اِرد گرد مساجد و مدارس و خانقاہوں پر نظر رکھیں! جو مُلّا و پیر (درحقیقت 'پیڑ') اپنے متعلقین کی تربیت نہیں کرتے، ان کی اِصلاح نہیں کرتے یا دورِ حاضر کے فتنوں اور مسائل سے اچھی طرح آگاہ نہیں کرتے، بس سمجھ لیجیے کہ یہ عالم، مولوی، صوفی کچھ نہیں ہیں، بلکہ پیٹ پالنے کا دھندا کرنے والے دیہاڑی باز ہیں۔

✿ مرزائیوں کا سب سے خطرناک ہتھیار اِن کا 'بناوٹی اخلاق' ہے۔ اِسے عربی میں 'تَمَلُّق' کہتے ہیں۔

اس کام کے لیے یہ اپنے بندوں کو باقاعدہ تربیت دیتے ہیں۔ ان کا کام یہ ہوتا ہے کہ گلی، محلّے میں روزمرہ جن خاص وعام لوگوں سے ملنا جلنا، اُٹھنا بیٹھنا ہوتا ہے، اُن سے عموماً اور جس جگہ ملازمت وغیرہ کرتے ہیں، وہاں آنے جانے والوں سے خصوصاً رضا کاروں کی طرح رہنا، اُن سے منہ پیار بڑھانا، اُن کے دِل میں اپنے لیے جگہ بنانا۔ ان کی زیادہ تر ڈیوٹیاں ایسی جگہوں پر ہوتی ہیں، جہاں لوگ بہت جلد ان کے قبضے میں آسکتے ہیں۔ مثلاً ہسپتالوں میں: جہاں ہر کوئی مجبور و لاچار ہوتا ہے۔ ظاہر ہے! کوئی بھی ہسپتال خوشی سے نہیں جاتا، تکلیف اور بیماری میں ہی جانا پڑتا ہے۔ وہاں یہ لوگ مریضوں کے لیے خوب خدمات بجا لاتے ہیں، ہر طرح سے اُن کا خیال رکھتے ہیں، اُنھیں ذرا مشکل نہیں پیش آنے دیتے۔ اگر یہی معاملہ ایمرجنسی حالت میں ہو، تو پھر دیکھیں، ہر کوئی اُن کا گرویدہ ہوتا ہے یا نہیں! جب کوئی انسان سخت مصیبت اور کرب میں مبتلا ہوتا ہے، اُس وقت اُسے دُکھوں کا مداوا کرنے کے لیے کوئی چھوٹا سا سہارا بھی مل جائے، تو اُس کے لیے اُس سہارے سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا۔

اِسی طرح سکولوں، اکیڈمیوں میں جہاں بچے اور اُن کے والدین اُستاد کی ہر بات کو سر آنکھوں پر رکھتے ہیں، میں بھی یہی چکر چلایا جاتا ہے۔

جب ہر جگہ ان کی نیک نامی کا شہرہ ہونے لگتا ہے اور ہر کسی کا دِل ان کے حسنِ اخلاق کی گواہی دینے لگتا ہے، تب پھر یہ لوگ رفتہ رفتہ اپنی 'بدتمیز تبلیغ' سے اس خوش اخلاقی کا حساب چکتا کرنا شروع کرتے ہیں۔

حسن اخلاق بہ ذاتِ خود نہایت عمدہ صفات سے ہیں۔ حضرت سیدنا محمد ﷺ پوری مخلوق میں سب سے اچھے اخلاق کے مالک ہیں اور اچھے اخلاق کا تعلق ایمان کے ساتھ ہے۔ احادیث میں اکثر جگہ جہاں اخلاق کا ذکر آیا ہے، ساتھ ایمان کا بھی ذکر آیا ہے۔ اسی لیے تو آپ ﷺ نے یہ فرمایا:

اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا۔

(سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ جلد 2 صفحہ 287)

"ایمان والوں میں کامل مومن وہ ہے، جس کا اخلاق اُن میں سب سے اچھا ہے۔"

اور یہی ایمانی اَخلاق "اَخلاقِ الٰہیہ" ہوتے ہیں، جن کے متعلق حدیث شریف میں ہے:

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ۔

"اللہ کے اَخلاق (احکام) سے مزین ہو جاؤ!"

یہ وہ اخلاق ہیں جو نیک نیتی پر مبنی اللہ عزوجل کی رضا کے لیے ہوں۔ تو بتایئے! جن اخلاق کے پس پردہ ایمان کو برباد کیا جا رہا ہو، کیا وہ اچھے اخلاق ہیں! اس سے بڑی بد اخلاقی کی مثال بھلا اس دُنیا میں کہاں ہو سکتی ہے۔

ایسے مرزائیوں کا پول بڑی آسانی سے کھل سکتا ہے، اگر آپ اِن کے مذہب سے ہٹ کر ان کے ساتھ پیش آئیں، تو پھر دیکھیں! یہ اخلاق کا کانچ کیسے چکنا چور ہوتا ہے!

جو لوگ قادیانیوں کی اس سازش سے واقف ہونے کے باوجود اسے خوش اخلاقی کا نام دینے پر مصر ہیں، اُن کی خدمت میں گزارش ہے کہ جب کوئی فراڈ باز آپ کے ساتھ فراڈ کرنے آتا ہے، تو وہ بھی شروع میں بڑی خوش اخلاقی سے آپ کے ساتھ پیش آتا ہے، لیکن جب وہ پچاس سو روپے کا بھی ہاتھ پھیر جاتا ہے، تو کیا کوئی کہتا ہے کہ "فلاں بندہ میرا سو روپیہ اُڑا لے گیا ہے، مگر وہ تھا بڑا خوش اخلاق!"

اُس کی تو۔ خیر ہے۔ آپ اس قسم کی خبر لیتے ہیں، جو آئندہ نسل تک اُسے کفایت کرتی ہے، اِدھر ایمان کا مسئلہ ہے اور آپ کو ان کا تعلق رہ رہ کے یاد آتا ہے!!

؏ ہے سوچنے کی بات، اسے بار بار سوچ!

✿ مرزائیوں سے جب کوئی اُن کے مذہب کے متعلق سیکھنا شروع کرتا ہے، تو وہ اُسے سب سے پہلے یہ تعلیم دیتے ہیں کہ جو کفر (یعنی حقیقی اسلام) پہلے سے تمھارے دماغ میں بھرا ہوا ہے، اُسے نکال باہر کرو اور خالی الذہن ہو کر ہمارے پاس آؤ!

کیوں کہ ہر کوئی جانتا ہے کہ خالی برتن میں جو کچھ بھرنا چاہیں، بھر سکتے ہیں، لیکن اگر برتن پہلے سے ہی بھرا ہوا ہو، تو اوپر سے جو کچھ ڈالیں گے، وہ برتن کے اندر کم ہی رہے گا، سارا کا سارا باہر آ گرے گا۔ لہٰذا جو ذہن خالی ہو، اُسے سات بسم اللہ، وہ تو پہلے سے ہی آدھا مرزائی ہے۔ اور جو پہلے سے تیار ہو، اُس کو خالی کر کے پھر اُس میں اپنی غلاظت بھرتے ہیں۔

بعینہٖ یہی پالیسی منکرِ حدیث فرقہ پرویزیہ (جس کا بانی غلام احمد پرویز ہے) کی ہے۔

لہٰذا گم راہی سے بچئے اور حق پر قائم رہنے کا سب سے بڑا گر یہ ہے کہ حق سچ کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ ہو، جب باطل سے واسطہ پڑے گا، تو خود ہی فیصلہ ہو جائے گا کہ کون حق ہے، کون باطل ہے؟ جو لوگ باطل فرقوں کا مطالعہ کرتے کرتے خود گم راہ ہو جاتے یا کسی کے ساتھ جز وقتی بحثوں (جو آج کل جہلا میں بہت عام ہیں) میں مات کھا جاتے ہیں، اُس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ حق و باطل میں فرق کرنا تو آتا نہیں ہوتا۔ نہ حق کو پڑھا ہوتا ہے، نہ باطل کو۔ اُس وقت بڑا یہ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ کیا ہم کو حق نہیں ہے ایسی کتابیں پڑھنے کا! یہ تو جاہل رکھنے والی باتیں ہیں۔ ایسے ہی لوگ جب یک طرفہ ہو کر باطل کا مطالعہ کرتے ہیں، تو آخر کار باطل کی آغوش میں جا گرتے ہیں۔

او بھائی! چور کو پکڑنے نکلے ہو، تو پہلے چور کا چہرہ تو تاک لو! ابھی سے نکل پڑے، ہو بن دیکھے ہی!...... کس کو پکڑنے نکلے ہو؟...... ہوا کو؟

✿ مرزائی فرقہ اپنے لیے جو نام سب سے زیادہ پسند کرتے ہیں اور جس پر وہ بہت زیادہ اصرار بھی کرتے ہیں، وہ "احمدی" ہے۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ نام مرزا کے نام کی نسبت سے رکھا گیا ہے، دراصل اس لفظ کا اِنتخاب حضرت محمد عربی ﷺ کے اِسم مبارک 'احمد' کی نسبت سے کیا گیا ہے اور اِس کا مقصد صرف عام مسلمانوں کو دھوکے میں رکھنا ہے۔

آج کل کچے ذہنوں میں یہ ایک خراب سوچ پیدا ہو چکی ہے کہ "کوئی اپنے بارے میں جو

کچھ کہے، اُس کی زبان پر اعتبار کر کے اُس کی بات (بلاتفتیش وتحقیق) مان لو!''

تو مرزائیوں نے یہ سوچا کہ ایسے کسی کچے ذہن کا مسلمان جو ہمارے بارے میں لاعلم ہو، وہ ہم سے پوچھے گا کہ آپ احمدی کیوں کہلاتے ہیں؟ تو ہم اُسے جب یہ ساری وجہ بیان کریں گے، تو وہ ہمیں کبھی بھی کافر نہیں کہے گا۔

اور انتہائی خطرناک بات یہ ہے کہ جب سے انھیں پاکستان وافریقہ میں کافر و مرتد قرار دیا گیا ہے، انھوں نے میڈیا پر اپنے آپ کو ''احمدی مسلم'' کہلانا شروع کر دیا ہے۔

مسلمان انھیں ہرگز ہرگز اس نام سے مت بلائیں، بلکہ ''مرزائی'' اور ''قادیانی'' ہی کہیں، بلکہ ''غلامی'' کہنا چاہیے۔ اہل علم نے ''غلام احمد'' سے اسم نسبت ''غلمدی'' تجویز کیا ہے۔

✿ مرزائی پارٹی اپنے لیے ''جماعت'' کا لفظ استعمال کرتی ہے اور یہ اس لیے کہ جماعت کے ساتھ رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ۔ (جامع ترمذی: ابواب الفتن جلد 2 صفحہ 39)

''تم پر جماعت میں رہنا لازم ہے۔''

اور جماعت پر اللہ عزوجل کی رحمت ہوتی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں:

يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ۔ (جامع ترمذی: ابواب الفتن جلد 2 صفحہ 39)

''جماعت پر اللہ کا ہاتھ (رحمت) ہے۔''

اور دیکھیے! کس کامیابی کے ساتھ وہ اس غلط فہمی کو فروغ دے رہے ہیں۔ ''جماعتِ احمدیہ'' [ہر] خاص و عام کی زبان پر جاری ساری ہے۔ خاص طور سے میڈیا نے اس لفظ کو عروج دیا ہے۔

ہوش کی دوا کریں! ایسے الفاظ کے ہیر پھیر نے ہی تو خام ذہنوں کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے کہ جی! اسلامی نام ہیں، اسلامی کام ہیں، تو کافر کیوں کر ہوں گے؟...... مگر یہ نہیں ناں پتہ کہ [عـ]قائد اسلامی نہیں ہیں!!

''احمدی'' کی تو ہم نے وضاحت کر دی۔ لفظ ''جماعت'' کے بدلے میں مرزائی پارٹی کے [لـ]یے ''فرقہ'' (جس سے قرآن و حدیث میں بچنے کا حکم دیا گیا ہے) کا لفظ استعمال کیا جانا چاہیے [کہ] یہ مسلمانوں میں سے تفریق (Minus) کیا ہوا ٹولا ہے۔ خود مرزائیوں کے گرو گھنٹال نے

اپنے ٹولے کے لیے ''فرقہ'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔

(دیکھو تریاق القلوب صفحہ 399: روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 527)

اس طرح جو لفظ تجویز ہوتا ہے، وہ ہے ''فرقہ غلامیہ''۔ اگر سب مسلمان کوشش کریں، تو اس کو مرزائیوں کے لیے علامتی لفظ بنایا جا سکتا ہے، ورنہ کم از کم ''جماعتِ احمدیہ'' کے لفظ کو ختم تو کیا جا سکتا ہے۔

✿ پاکستان میں قادیانیوں کا ہیڈ کوارٹر (اب جس کا سرکاری نام) چناب نگر ہے، جو چنیوٹ (ضلع جھنگ) سے کچھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کا پرانا نام ''موضع ڈگیاں'' تھا۔ ستمبر **1948**، میں مرزا بشیر نے جب یہاں اپنے لاؤ لشکر سمیت آ کر باقاعدہ قادیانیت کا کام شروع کیا، تو اس کا نام ''ربوہ'' رکھا، جس کا مطلب ہے: ''پتھریلی زمین''۔ یہ نام قرآنِ پاک کی آیت وَاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ (پارہ: 18 سورۃ المومنون:) سے چوری کیا گیا ہے۔ چناب نگر بھی چوں کہ پہاڑی علاقہ ہے، اس لیے یہ چال چلی گئی کہ یہ نام رکھ دیا جائے، تاکہ سادہ لوگوں کو یہ بتایا جا سکے کہ ربوہ کا نام قرآن میں ہے۔

اگرچہ ہم بھی کئی نام قرآنِ پاک سے رکھتے ہیں، مگر ہماری سوچ یہ ہرگز نہیں ہوتی کہ جس چیز کا نام ہم نے رکھا ہے، قرآن میں اُس چیز کے لیے وہ لفظ آیا ہے، لیکن مرزائی قرآن کے چور یہ کہتے ہیں کہ قرآن میں جو ''ربوہ'' کا لفظ آیا ہے، اُس سے مراد یہ پاکستانی ربوہ (چناب نگر) ہے۔ بالکل اُسی طرح جس طرح وہ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ میں المسجد الاقصیٰ سے مرزا قادیانی کی قادیان والی مسجد (جسے مرزا لعین نے 'مسجدِ اقصیٰ' کا نام دیا تھا) مراد لیتے ہیں۔

پہلے تو اس مسئلہ میں کافی پیچیدگیاں تھیں، لیکن اب الحمد للہ! مسلمانوں کی کوششوں سے اس کا نام قانونی طور پر ''چناب نگر'' رکھ دیا گیا ہے، اب تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ مرزائی اب بھی بغض سے، جہاں اُن کا بس چلتا ہے، ربوہ ہی لکھتے ہیں، لیکن جہاں اُن کو قانون آڑے ہاتھوں لیتا ہے، وہاں انھیں چناب نگر ہی لکھنا پڑتا ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ چناب نگر کا لفظ زیادہ سے زیادہ عام کریں اور مرزائیوں کی اس سازش کو ناکام بنا کر چھوڑیں!

✿ مرزائی کمپنیوں نے ایک نئی چال بازی شروع کر رکھی ہے۔

شیزان اور دیگر کمپنیاں جن کے قادیانی ہونے میں کوئی شک نہیں رہا، سمجھ دار اور غیور مسلمانوں نے اُن کی مصنوعات کا ایک عرصے سے ممکن حد تک مقاطعہ (Boycott) کیے رکھا تھا، اب ظاہر ہے کمپنیوں کو بے حساب خسارہ ہو رہا تھا اور اُنھیں اپنے کاروبار کو بچانا تھا، چناں چہ بہت جلد اس کا حل بھی تلاش کرلیا گیا۔ اِن کمپنیز نے اپنے شوروموں اور دوسری نمایاں جگہوں پر کلمہ شریف اور حدیث "اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ" (خاتم النبیین کا معنی افضل نبی سمجھ کر، نہ کہ آخری نبی) کے بڑے بڑے بینرز اور فلیکسز لگانے شروع کر دیے، تاکہ مسلمان لوگ ہمیں بھی مسلمان سمجھ کر ہم سے قطع تعلق نہ کریں اور خریداری شروع کر دیں۔

مرزائی کیوں اور کیسے پھیل رہے ہیں؟

1974ء میں جب قادیانیوں کو قانونی طور پر کافر قرار دے دیا گیا، تو ہمارے دور اندیش مسلمان علماء و مبلغین جہاں فتنہ قادیانیت کے آنے والے طوفان سے خبردار ہو گئے تھے، وہاں ہمارے بہت سے عاقبت نااندیش مُلّا یہ سمجھ بیٹھے کہ شاید اب قادیانیت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے۔ اب یہ فتنہ قیامت تک سر اُٹھا نہیں سکے گا۔ یہی سوچ اب بھی گردش کر رہی ہے۔ کتنے مُلّوں سے بات کریں، تو کہتے ہیں:

"ہائیں!..... قادیانیت!..... اَجی! چھوڑو! قادیانیوں کو..... اُنھیں کون جانتا ہے؟ اُنھیں جب سے..... 'ہم'..... نے کافر قرار دِلوایا ہے، اُن کا تو قصہ ہی تمام ہوا..... اَب اُن کے پیچھے کیوں پڑے ہیں؟....."

ساتھ ہی ایک نصیحت آمیز خطبہ (تقریر) ارشاد ہوتا ہے کہ

"بھیا! بہت گم راہی کا دَور ہے، اللہ اللہ کرو! بس!"

لیکن جب تلخ حقائق ان کے سامنے رکھے جاتے ہیں اور اِسلام کی داستانِ مظلومیت سنائی جاتی ہے۔ تو پھر ہکا بکا ہو جاتے ہیں۔ آنکھوں کو چھپا لیتے ہیں، کانوں میں اُنگلیاں ٹھونس دیتے ہیں اور منھ سے استغفار کا وِرد جاری ہوتا ہے..... اور کہتے ہیں:

"اوہوہوہوہو!..... ارے! بھائی! خدا کا واسطہ ہے! بند کر دو!..... قسم سے! ہم سے نہیں دیکھا جاتا..... ہائے! ہمارا تو دِل پھٹا جا رہا ہے۔..... بس کرو!..... بس بے

بس!..... لاحول..... کہیں ہم پر عذابِ الٰہی نہ اُتر آئے۔....."

ایسے ہی مُلّا صاحب ہوتے ہیں، جب کوئی قادیانی ہو جاتا ہے، تو اُس کو راہِ راست پر لانے کے لیے دن رات ایک کر دیتے ہیں۔ کتابیں اُٹھائے کبھی اُس کی طرف بھاگ رہے ہیں، تو کبھی اُسے کھینچ کر اپنے آستانے پر لا رہے ہیں۔ پھر جب اُس کے سامنے سر پیٹ کر رہ جاتے ہیں اور وہ نہیں مانتا..... اور اِتنی جلدی ماننے والا بھی نہیں ہوتا..... تب ان کی فتویٰ کی مشین چل پڑتی ہے۔ بیٹھے بیٹھے پچاس ہزار فتوے لگا دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم فاتح مرزائیت بھی ہو گئے اور اپنا فرضِ منصبی بھی انجام دے چکے.....

یہ مُلّا صاحب کوئی ڈراما نہیں کر رہے ہوتے، حقیقت میں یہ اللہ والے تو بے چارے اتنے بھلے مانس ہوتے ہیں کہ ابھی تک اُنھیں یہی پتہ نہیں ہوتا کہ دُنیا کس رفتار سے چل رہی ہے..... باطل کتنے عروج پر کام کر رہا ہے..... اُنھیں کانوں کان خبر بھی نہیں ہوتی کہ ناگاہ اِتنا انقلابِ عظیم برپا ہو جاتا ہے.....

بس، یہی ہے سب سے بڑی وجہ مرزائیوں کے پھیلنے کی!

جب ہماری حقائق تک رسائی نہ ہوگی، ہماری معلومات کا دائرہ وسیع نہیں ہوگا اور ہم یہی پتہ نہیں چلا سکیں گے کہ یہ تبدیلی ہو رہی ہے، تو پھر بتایئے! اُس تبدیلی کو روکنے کے لیے اقدامات کیسے کر سکیں گے.....!!!

ایک اور بڑی وجہ ان کے بڑھنے کی یہ ہے کہ اُنھیں ہماری ہم دردیاں اور غم خواریاں حاصل ہو گئی ہیں۔ 'مرزائی نواز' مرزائیت کے لیے وہ سہارا ہے، جو بوڑھے باپ کا سہارا بڑھاپے میں جوان بیٹا ہوتا ہے۔

مرزائی نوازو! جو مسلمان بھی رہنا چاہتے ہو اور مرزائیوں کا ساتھ بھی نہیں چھوڑنا چاہتے ہو اور اُن کے بڑھنے پر فکر مند بھی ہوتے ہو، یہ تمھاری منافقانہ پالیسی کے بس کا روگ نہیں ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق تجربہ کر کے تو دیکھو! مرزائیت تڑپ تڑپ کر دم نہ توڑ دے، تو کہنا!

اب ذرا اپنے جذبات تھام لیجیے! کیوں کہ ہم یہاں وہ کچھ بیان کرنے والے ہیں، جو بعض آنکھیں نہیں پڑھ سکیں گی اور بعض کان نہیں سن سکیں گے اور بعض حوصلے برداشت نہیں کر

ئیں گے، لیکن ہم اُسے بیان کریں گے اور آپ کو پڑھنا بھی ہوگا، دل پر پتھر رکھ کے پڑھنا ہوگا ور پڑھ کر اپنے گریبان میں جھانک کر یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ کیا یہ جان کی بازی لگانے کا وقت نہیں ہے! کیا یہ اسلام کے نام پر مر مٹنے کا وقت نہیں ہے!!

یہاں ہم بڑے زخمی دل کے ساتھ فتنۂ مرزائیت کی بڑھتی ہوئی جان لیوا بیماری کے حوالے سے چند نکات بیان کریں گے۔

مرزائی کہتے ہیں کہ ہم دن بہ دن کامیاب ہو رہے ہیں۔ اس وجہ سے کہ ہمارا نیٹ ورک یت تیزی سے پھیل رہا ہے اور ہماری تعداد بڑھ رہی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ نہیں! تم کامیاب نہیں ور ہے ہو، بلکہ پھیل رہے ہو۔ کیوں کہ کامیابی ہمیشہ حق کے لیے ہے، باطل کی وبا ہمیشہ پھیلتی ہے۔ لہٰذا کثرت کامیابی نہیں، اصل کامیابی تو حق پر ہونا ہے اور یہ قربِ قیامت کا دور ہے، جس ے بارے حضور ﷺ کا ارشادِ پاک ہے کہ اس دور میں اسلام اجنبی ہو کر رہ جائے گا۔ یعنی گم ی اور بے دینی اتنی عام ہو جائے گی کہ سچے مسلمان بہت کم نظر آئیں کریں گے اور اگر ہم اپنے رد گرد کے ماحول کو مذہبی نقطہ نظر سے دیکھیں گے، تو ایسا لگے گا کہ اسلام یہاں کا نہیں، کسی اور طے کا مذہب ہے۔

یہ جائزہ 2007ء تک کا ہے!

- قادیانیت 189 ممالک میں پھیل چکی ہے۔
- پچھلے 23 سالوں میں 98 ممالک میں قادیانیت پھیلی۔
- سال 2007ء میں پاکستان کے علاوہ دُنیا میں 653 نئی تنظیمیں قائم ہوئیں۔
- اسی ایک سال میں بیرونِ پاکستان 299 بیت الذکر (عبادت گاہیں) کو اضافہ ہوا، جن میں سے 169 نئی تعمیر کیں، باقی 130 بنی بنائی ملیں۔
- پچھلے 23 سالوں میں 97 ممالک میں 1869 دعوت کے مرکز قائم ہوئے۔
- رقیم پریس U.K کی زیرِ نگرانی افریقہ کے آٹھ ممالک میں پرنٹنگ پریس کام کر رہے ہیں۔ مزید دو ممالک میں پریس لگائے جا رہے ہیں۔
- دُنیا کی 64 زبانوں میں قرآنِ پاک کے ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔ مزید 18 زبانوں میں

ترجمے ہو چکے ہیں اور 11 زیرِ تکمیل ہیں۔

- سال 2007ء کے دوران 273 نمائشوں کا اہتمام کیا گیا اور تین لاکھ سے زائد افراد تک اپنا پیغام پہنچایا گیا۔
- سال 2007ء میں 2861 بک سٹال اور 55 بک فیئر لگائے گئے اور آٹھ لاکھ افراد تک اپنا پیغام پہنچایا
- افریقہ کے 12 ملکوں میں 41 ہسپتال، کلینک اور 50 ڈاکٹرز نیز اس کے علاوہ 11 ملکوں میں 494 ہائر، جونیئر سیکنڈری سکول اور پرائمری سکول کام کر رہے ہیں۔
- فضل عمر ہسپتال، چناب نگر میں طاہر ہارٹ انسٹی ٹیوٹ کی نئی عمارت بن گئی ہے، جو تمام جدید سہولیات سے پوری طرح آراستہ ہے۔
- سال 2007ء میں MTA کے علاوہ دوسرے ٹیلی ویژن پروگراموں میں مختلف ممالک میں 1398 پروگرام نشر کیے گئے، جو 813 گھنٹے پر مشتمل تھے، جن کے ذریعے آٹھ کروڑ سے زائد افراد کو پیغام پہنچا۔
- اسی سال مختلف ممالک میں ریڈیو پر 11873 گھنٹوں پر مشتمل 6664 پروگرام نشر ہوئے، جن کے ذریعے چھ کروڑ سے زائد افراد کو پیغام پہنچایا گیا۔
- www.alislam.org ویب سائٹ امریکہ کی قادیانی تنظیم کی زیرِ نگرانی کام کر رہی ہے۔ (یہ ویب سائٹ کل 32 زبانوں میں موجود ہے) اس میں 170 کتابیں آن لائن آ چکی ہیں۔
- احمدی انٹرنیشنل انجینئرز اینڈ آرکیٹکس ایسوسی ایشن یورپین چیپٹر نے مختلف ملکوں میں سولر سیٹ لگائے، کچھ ملکوں میں نلکے لگانے اور پانی نکالنے کے 8 کنوئیں کھودے اور پانی نکالا۔ یو این او ایڈ کی طرف سے لگائے گئے نلکے جو خراب پڑے تھے، ٹھیک کیا۔
- ہیومینٹی فسٹ جو دُنیا کے 19 ممالک میں رجسٹرڈ ہو چکی ہے اور حال ہی میں اقوامِ متحدہ (UNO) نے بھی اسے اپنے اداروں میں رجسٹرڈ کر لیا ہے، نے پاکستان میں کشمیر کے

زلزلہ زدگان کے لیے 26 ہزار کلو گرام کا سامان فراہم کیا، اسلام آباد میں خیموں کی ایک بستی لگا کر دی اور دوائیاں تقسیم کیں۔ مظفر آباد کے ہسپتال کے لیے ساڑھے چھے لاکھ پونڈ کی مالیت سے ایک جدید ترین ریڑھ کی ہڈی کے لیے نیورو سرجن کو ایک یونٹ بنا کر دیا۔

- پاکستان اور دوسرے ملکوں میں ہومیو پیتھی کا کام ہو رہا ہے۔ نور العین دائرۃ الخدمۃ الانسانیۃ جو پاکستان میں آنکھوں کی بینائی اور آپریشن اور خون کے عطیات کے لیے ادارہ ہے، بڑے زور و شور سے کام کر رہا ہے۔ اس کی ویب سائٹ پر 200 کتب رکھی گئی ہیں۔
- جنوری 1993ء سے مسلسل سیٹلائٹ کے ذریعے دُنیا بھر میں پروگرام دکھائے جا رہے ہیں، جو ڈش انٹینا کے ذریعے دیکھے جا سکتے ہیں۔ MTA کی نشریات 24 گھنٹے جاری رہتی ہیں۔ اس پر دِکھائے جانے والے پروگرام ایک درجن سے زائد زبانوں میں نشر ہوتے ہیں اور MTA کی ڈیجیٹل نشریات دُنیا کے پانچ براعظموں میں پہنچائی جا رہی ہیں۔
MTA3 العربیہ کا اِجرا ہو چکا ہے اور اس پر بیت الفتوح لندن سے **Live** پروگرام دِکھائے جا رہے ہیں۔ اب یہ نشریات موبائل پر بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔ **MTA** کے **14** ڈی پارٹ منٹس میں **1121** مرد اور **42** خواتین کام کر رہی ہیں، جن میں اکثریت رضا کاروں کی ہے۔ **MTA** کا سولر سسٹم مرزائی انجینئروں نے افریقہ میں لگایا ہے۔ افریقہ کے لوگ پہلے ٹی وی پر فلمیں دیکھتے تھے، اب ہر روز مغرب کے بعد **MTA** کے پروگرام دیکھتے ہیں۔
- مرزا طاہر نے اپریل **1987**ء میں اپنے ماننے والے تمام مرزائیوں سے کہا تھا کہ آئندہ دو سال کے دوران پیدا ہونے والے بچے تبلیغ کے لیے وقف کیے جائیں۔ اس تحریک کو ''تحریکِ وقفِ نو'' کا نام دیا گیا اور اب یہ باقاعدہ مستقل تحریک بن چکی۔ **2007**ء میں **1621** بچے وقف کیے گئے۔ (1907ء سے) اب تک وقف بچوں کی مجموعی تعداد **34811** ہو چکی ہے، جن میں لڑکوں کی تعداد **22577** اور لڑکیوں کی تعداد **12234** ہے۔
- **2004**ء تک ساری دُنیا میں نظامِ وصیت میں شامل افراد کی تعداد **38** ہزار تھی اب تک آخری

مسل **71700** کی ہو چکی ہے۔ ان موصیان کی تعداد تیزی سے بڑھ رہی ہے۔
- **2007**ء میں **146** ملکوں سے **365** قوموں کے **261969** نے مرزائیت قبول کی۔
- سالانہ جلسہ یو۔کے کی تنظیم کی طرف سے نیا خریدا گیا **208** ایکڑ رقبہ ''حدیقۃ المہدی'' میں منعقد ہوا، جس میں دُنیا سے تقریباً **25000** ہزار افراد نے موسم کی خرابی کے باعث شرکت کی۔ (جماعت احمدیہ ترقی کی شاہراہوں پر: جولائی 2007ء تک کا جائزہ)

(یہ بھی یاد رکھیے کہ یہ تو تین سال پہلے کی رپورٹ تھی، بعد والے سالوں میں کتنا کام ہوا ہوگا، یہ آپ کو اُن کے بڑھتے ہوئے نیٹ ورک سے اندازہ ہو جانا چاہیے!)

............یا اللہ! کیا ہم گھٹیا لوگ تیرے عظیم شان و شوکت والے دربار میں پیش ہونے کے قابل ہیں!...... اللہ! ہم نے یہ جانتے ہوئے کہ تو دلوں کی گہرائیوں کے حال جانتا ہے، نیتوں سے واقف ہے...... ہم نے تیرے رسول ﷺ کے ساتھ غداری کی۔......
اے اللہ! ہم نے تیرے مقرب نبیوں کے ساتھ منافقت کی۔...... ہم نے تیرے نبی کے صحابہ کے ساتھ دھوکا کیا، جو ہم نے مرزائیوں کو اتنا بڑھنے دیا۔ یا اللہ! ہم تیرے دین کے مجرم ہیں۔
اے اللہ! ہم نے یہ بھی مانتے ہوئے کہ تو اگر چاہے، تو ایک لمحے سے پہلے پوری کائنات کو کچل کے رکھ دے...... لیکن ہم نے تو...... حد کر دی...... اللہ!...... حد ہی کر دی!......
یا اللہ! پھر بھی تو کتنا کریم ہے...... اللہ! ...... تو نے کوئی فرعون ہم پر مسلط نہیں کیا!...... تو نے ہمارا رزق بند نہیں کر دیا!...... تو نے ہمارے پیٹوں میں کیڑے نہیں پیدا کر دیے...... تو نے ہماری آنکھوں سے نیند نہیں ختم کر دی!...... تو نے ہمارے جسموں کو پتھر کا نہیں کر دیا!...... تو نے ہمیں ذلت کی موت نہیں دے دی!...... تو نے ہمارے چہرے سیاہ نہیں کر دیے!
یا رسول اللہ! ہم قیامت تک آپ کو منہ دِکھانے کے قابل نہیں رہے!...... اے رسولِ ہاشمی! اے محمد عربی! آپ کی ختم نبوت پر مرزائی خودکش حملے کر رہے تھے، لیکن ہم نے اپنی جانوں کو آپ کے منصب اور عزت سے زیادہ قیمتی سمجھا!...... ہم وہاں ''ختم نبوت کے نعرے'' تو لگاتے رہے، لیکن لنگر کھا کر گھر کو چلے گئے اور ساتھ ہی یہ کہانی بھی ختم کر گئے۔
اے اللہ کے مقرب انبیا! مرزا قادیانی آپ کی پاک ناموس پر پلٹ پلٹ کر حملے کرتا

رہا...... لیکن ہم اُسے درجن بھر گالیاں دے کر یہ سمجھے کہ شاید ہم نے بدلہ لے لیا ہے۔

اے پیارے نبی ﷺ کے پیارے صحابہ! آپ کے گھوڑوں کے قدموں کی خاک کی قسمیں اللہ یاد فرماتا ہے اور مرزا چُن چُن کر آپ سے بدلے لیتا رہا۔

اے حضرت صدیق اکبر! اے سیّدنا فاروقِ اعظم! اے حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ! آپ کے خلاف شان مرزا نے جو خبیث کلمات کہے، ہم اُنھیں سن کر غصے سے ایک دم بھر گئے، لیکن اُس نشست کے برخاست ہوتے ہی اپنی خوش گپیوں اور عیش کوشیوں میں لگ گئے۔

اے سیّدہ بتولِ زہرا! آپ کو حق ہے کہ قیامت کے روز آپ کا ہاتھ ہمارے گریبانوں پر ہو! اور آپ ہم کو طعنہ دیں کہ ''بڑا دُکھ ہے مجھے! تم سے اپنے نبی کی بیٹی کی عصمت کی حفاظت نہیں ہو سکی!''

اے نواسۂ رسول! ابھی ہمیں کربلا کی قیامت نہیں دیکھنی پڑی، لیکن اگر وہاں ہوتے، تو اب جو ہماری روِش ہے، یہی لگتا ہے۔ خدانخواستہ۔ یزیدی لشکر کی حمایت کرتے ہوتے......

اے اللہ کے پسندیدہ دین اسلام! ہم نے تجھے اپنی آنکھوں کے سامنے لٹتے دیکھا......
تیرے دُشمن تجھے ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھے اور تو اُن کے بیچ تن تنہا تھا...... اُنھوں نے تیرے ساتھ وحشیوں جیسا سلوک کیا...... ہم دیکھتے رہے...... اور آخر تک دیکھتے ہی رہے...... اُس وقت ہم نے آگے بڑھنے کی جرأت نہ کی...... بلکہ آگے بڑھتے تو تھے، لیکن چُھپ چُھپ کر تجھے ہی [illegible]تا...... اے اللہ کے دین متین! ہم نے تیرے نام پر ہزاروں لاکھوں روپے لوگوں سے [illegible]ٹورے!...... لیکن وہ سارے کے سارے، ہم نے اپنی ہوس پوری کرنے پر خرچ کر دیے...... تجھ [illegible]خرچ کرنا ہم نے گوارا تک نہیں کیا......

لیکن...... یا اللہ! تو سب رحم کرنے والوں سے بڑا رحم فرمانے والا ہے! تو اپنے مومن [illegible]دوں پر بڑا کریم ہے! تیرے رسول اپنے اُمتیوں پر بڑے مہربان ہیں! وہ اپنے لاڈلے اُمتیوں [illegible] بھلائی پر بہت ہی حریص ہیں!...... یا اللہ! تو ہمیں مہلت دے دے!...... اور دے دے!...... اپنے فضل سے...... اے اللہ!...... ہمیں وہ توفیق عطا فرما کہ ہم تیری اُس توفیق سے کفر کا وجود [illegible] دُنیا سے مٹا دیں!

یارسول اللہ! ہم آپ کے درِ اقدس پر حاضر ہیں!...... آپ اللہ کی بارگاہ میں ہماری سفارش فرمایئے!...... پہلی اُمتوں نے اگر اللہ کے دین کا ایسا مذاق اُڑایا ہوتا، تو اُن کو اللہ کا عذاب ملیا میٹ کر دیتا!...... یارسول اللہ! یہ آپ کا ہی کرم ہے کہ اللہ نے آپ کی وجہ سے ہم پر عذاب نازل نہیں کیے!...... لیکن اے اللہ کے حبیب! ابھی اللہ نے توبہ کا دروازہ بند نہیں کیا...... ہمیں اپنی سابقہ کوتاہیوں پر اللہ سے معافی دلوا دیجیے!...... اللہ سے عرض کیجیے کہ وہ ہم کمینوں کو اپنے دین کا غم نصیب فرما دے!...... اللہ ہمارے اندر اسلامی روحیں پھونک دے!...... ہمارے مردہ جذبات کو اللہ تعالیٰ نئی زندگیاں عطا فرما دے!...... یا حبیب اللہ!...... اللہ کے حضور ہماری نسبت کہیے کہ وہ ہمیں اپنے دین پر قربان ہونے کے لیے قبول فرمالے!

اے اللہ و رسول کے سچے ماننے والو! اب دیر نہ کرو! اب سروں پر کفن باندھ کر میدان میں نکل پڑو! اب آرام و آسائش سے جینے کا کوئی حق نہیں بنتا۔

مصائب کے پہاڑ جھیل کر بھی اللہ کی توحید و تقدیس کی پاسبانی کرو! اپنے دُکھ سکھ اسلام کی عظمت پر قربان کر دو! اپنے پیٹ کاٹ کر بھی ختم نبوت کا کام کرنا پڑے، تو نہ گھبرانا! اللہ کے رسول ﷺ کی عزت کی خاطر اگر کبھی موقع ہاتھ آئے، تو خدارا! اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے سے بھی دریغ نہ کرنا۔ یہ گھاٹے کا سودا نہیں ہے!

اپنی نیندیں انبیا کے مشن کے لیے حرام کر دو! اپنا مال صحابہ کرام کی خوشنودی کے لیے لٹا دو! جو ہو سکتا ہے، کر گزرو! اللہ تمھیں ہمت دے!

اے میرے مسلم بھائیو! مرزائیت کے پھیلتے ہوئے خطرناک کینسر اور ایڈز سے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے، اس کے ایک ایک لفظ کو ہم نے اپنے دِل کا کانٹا بنانا ہے! ہمیں اُس کا ایک ایک حرف اپنے آپ پر مرض الموت کی طرح لاحق کرنا ہے!

سلام ہے اُن لوگوں کو جنھوں نے اپنی زندگیاں ختم نبوت کے لیے وقف کر دی ہیں! سلام ہے اُن ماں باپ پر جنھوں نے اپنے سعادت مند بیٹوں کو اس مشن کے لیے وقف کیا ہے۔ وہ لوگ کہ جن کی خوشی غمی ختم نبوت کا کام ہے۔ جن کا جینا مرنا مرزائیت کا خاتمہ بن چکا ہے۔ وہ لوگ ہمارے محسن ہیں۔ ہم اُن کے کسی ایک پل کی قیمت بھی نہیں چکا سکتے۔

اب ہم سب کو بھی انھی کے نقشِ قدم پر چلنا ہے اور ختمِ نبوت کا محافظ اور پہرہ دار بننا ہے۔ یاد رکھیں! اگر ہم ثابت قدم ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت سے کوئی طاقت ہمارے فولادی ارادوں کو متزلزل نہ کر سکے نیز ہمارا مقصد حق کی حفاظت کرنا ہو، تو یہ کفار، مرزائی کیا ہیں! کچھ نہیں ہیں! یہ جتنے بڑھ چکے ہیں، اتنے اور بھی بڑھ جائیں، سب چپلی گلی سے بھاگ نکلیں گے۔ کیوں کہ اللہ عزوجل کی مدد ہمیشہ حق کے ساتھ ہوتی ہے۔

دو مژدۂ حوصلہ افزا سن لیجیے۔ اللہ کا قرآن فرماتا ہے:

اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ۔ (پارہ 10 سورۃ الانفال:65)

''(اے ایمان والو!) اگر تم میں بیس (لوگ) صبر و استقامت والے ہوں، تو وہ دو سو (کفار) پر غالب ہوں گے اور اگر تم میں سو (افراد) ہوں، تو وہ ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے۔ اس لیے کہ وہ سمجھ نہیں رکھتے۔''

تو پتہ چلا کہ باطل خواہ کتنا ہی شاطر اور وسائل کا مالک ہو، اللہ کی تدبیر سے نا سمجھ ہے۔ اب ہمارے لیے ایک مشن ہے کہ جب ہم نے اپنا ایک بندہ دین کے لیے وقف کر دیا اور اُس نے کماحقہ کام شروع کر دیا، تو سمجھ لیجیے کہ دس مرزائی ایک نشست میں مسلمان کر کے ہی چھوڑے گا ان شاء اللہ! اور یہ سلسلہ اللہ عزوجل کے فضل سے رُکنے والا نہیں ہے۔

آپ حیران نہ ہوئیے! حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ مبارکہ پر نظر ڈالیے! جب اُن کی قیادت میں چلائی گئی تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت کا مشن پورا ہوا اور قادیانیوں کو پاکستانی آئین میں 'غیر مسلم اقلیت' قرار دیا گیا، تو اس فیصلے کے بعد صرف چند ماہ میں پچاس ہزار قادیانیوں نے اسلام قبول کیا۔ (دیکھیے! روزنامہ ''نوائے وقت''، لاہور 20 دسمبر 1974ء)

ختمِ نبوت کا کام کریں!

قارئینِ مسلمین! آپ نے قادیانیوں کی اپنے مذہب کے لیے قربانیوں کا حال پڑھا۔ دیکھیے! جھوٹے ہونے، کافر قرار دیے جانے کے باوجود کس کس ڈھنگ میں وہ اپنے فتنے کا ڈھونگ رچا رہے ہیں۔ دعوت و تبلیغ کا تو انھیں جیسے ہیضہ ہوتا ہے۔ ہر قادیانی اس بات کا علانیہ

اظہار کرتا ہے کہ ''میں پہلے مرزائی ہوں، بعد میں اپنے ماں باپ کا بیٹا ہوں، بیوی کا شوہر ہوں، بہن کا بھائی ہوں وغیرہ۔'' یعنی سب سے پہلے مرزائیت کا کام کروں گا، اُس کے بعد رشتہ داریاں نبھاؤں گا۔

یہ اسی ذہن سازی کا نتیجہ ہے کہ دن رات، صبح شام ہر قادیانی نے 'تبلیغ، تبلیغ، تبلیغ' کی رٹ لگائی ہوئی ہے۔ کوئی چھوٹے سے چھوٹا، بڑے سے بڑا محاذ انھوں نے خالی نہیں چھوڑا۔ ہسپتالوں، سکولوں، کالجوں، یونی ورسٹیوں، دفتروں؛ غرض تمام شعبہ ہائے زندگی پر یہ چھائے ہوئے ہیں۔ پمفلٹ، رسالہ، کتاب، سی ڈی، انٹرنیٹ کس کس جدید ذریعے سے ان کی تبلیغ نہیں ہو رہی!

ادھر اہلِ حق اپنے دین کے ساتھ کیا برتاؤ کر رہے ہیں! اللہ ہی معاف فرمائے! مذاق، سراسر مذاق ہو رہا ہے اللہ کے دین کے ساتھ! ہر محاذ خالی، ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں، نہ جانے کس انتظار میں ہیں کہ کوئی آفت نازل ہو اور قادیانیوں کو ملیامیٹ کر کے رکھ دے۔ بھائی! اللہ کے بندو! یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ ہم نے قادیانیت کو ختم کرنا ہے قادیانی افکار کو ختم کر کے، قادیانی افراد کو بچانا ہے مسلمان کر کے۔ تبلیغ کا اصل مقصود ہی یہ ہے کہ بُرائی کو ختم کرو، بُرے کو صحیح کرو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ میں دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں ہمیں سب سے نمایاں پہلو یہی نظر آتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کافر کو دینِ اسلام کی دعوت دیتے اور وہ نہ مانتا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے بارے اتنے شدید غم گین ہو جاتے کہ ہر وقت سوچتے رہتے کہ کہیں اس کا خاتمہ کفر پر ہی نہ ہو جائے (کیوں کہ جب موت کفر پر ہوگئی، پھر تو قصہ ہی تمام ہو جائے گا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم کی آگ اُس کا مقدر بن چکی۔ بات تو تب ہے کہ موت آنے سے پہلے پہلے اُسے ابدی نجات دِلا دی جائے) اور بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت ایسی ہو جاتی گویا یوں لگتا تھا کہ اس رنج اور قلق سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جان ہار بیٹھیں گے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے انتہائی محبت بھرے انداز میں فرمایا:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا۔

(پارہ 15 سورۃ الکہف:6)

"تو (اے محبوب!) کیا آپ شدتِ غم سے اُن کے پیچھے اپنی جان پر کھیل جائیں گے اگر وہ اس بات (قرآن) پر ایمان نہ لائیں گے۔"

اللہ اکبر! ایسی رحمت، ایسی رافت! سبحان اللہ! کیا محبت ہے، کیا مودت ہے!

آفریں! صد آفریں! اس شانِ رحمۃ للعالمینی پر!

"اللہ! اتنا پیار ہے تیرے محبوب کو اپنی اُمت سے کہ ابھی جو لوگ مسلمان نہیں ہوئے، ان کی ہدایت کی فکر میں اپنی جان کی پرواتک نہیں کر رہے!"

واہ وا! ہزاروں رشتے قربان! ہزاروں جانیں قربان! ہمارے اُس مہربان پیارے آقا (ﷺ) پر، کتنا درد رکھا ہے اللہ نے آپ کے دِل میں!!

خیر! بات ہو رہی تھی تبلیغ کی۔ تو ہمیں سب کو بُرائی کے خلاف جہاد کرتے ہوئے سیرت سرورِ عالم (ﷺ) کے اِس اُسوۂ حسنہ کو ہر دم اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔

ہمارے تبلیغ نہ کرنے اور جو کچھ کی جاتی ہے، اُس میں غیر مناسب رویہ اپنانے سے بد مذہبیت کو اتنی چھوٹ مل چکی ہے کہ جہاں پہلے دُوسروں کو صحیح راستے پہ لانے کی سوچتے تھے، اب یہ حالت ہے کہ اپنوں کو ہی بچالیں، تو بڑی کام یابی ہے۔ ایک وقت وہ تھا کہ مرزائی اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہوئے ڈرتے تھے، اپنے آپ کو چھپا کر رکھتے تھے۔ اب وہ کھلے عام دندناتے پھر رہے ہیں۔

وجہ صاف ظاہر ہے! ہمارا کیا دھرا ہمارے سامنے ہے، اُن کی کارکردگی بھی ہمارے سامنے ہے۔ دراصل خرابی کی جڑ ہی یہ ہے کہ جب سے ہمارے دانش ور علما اور نباض لیڈر اس دُنیا سے رخصت ہوئے ہیں، ہم ابھی تک قادیانی فتنہ کی سنگینی کو ٹھیک طور سے سمجھ نہیں ہی سکے۔ اگر سمجھ جاتے، تو شاید آج نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔

لُٹ رہا ہے دِیں، ایمانوں کے سودے ہو رہے ہیں
مگر افسوس! ابھی دِینِ محمد کے رکھوالے سو رہے ہیں

خیر! جو ہوا، سو ہوا! اب بھی ہم اگر اپنی آنکھیں کھول لیں اور مستعدی کے ساتھ کام شروع کر دیں، تو یقین کریں، یہ قادیانیت جھاگ کا پھکا ہے۔ قرآن نے باطل کو ایسا ہی کہا ہے:

فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاۤءً۔ (پارہ 13 سورۃ الرعد: 17)

"تو جھاگ تو پھک کر دور ہو جاتا ہے۔" (کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن)

اے اسلام کے شیدائیو! اے حضرت محمد ﷺ کے دیوانو! اب سوچنے کا وقت نہیں ہے، آگے بڑھنے کا وقت ہے۔ زندگیاں دینِ اسلام کے لیے وقف کر دینے کا وقت ہے۔ اُٹھو! آگے بڑھو! جوانیاں لُٹادو! سر کٹادو! لہو بہادو! باطل سے ٹکرا جاؤ اور باطل کا بُت پاش پاش کر ڈالو!

میرے محترم مسلمان بھائیو! کسی کام کو ایک لمبے عرصے تک کرنے کے لیے نظم و ضبط بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے بہ غیر کچھ نہ کچھ کام تو ہوتا رہتا ہے، لیکن وہ بے ترتیبی اُس کو بے ڈھنگا بنادے گی اور آپ کا مزہ کرکرا ہو جائے گا۔ لہٰذا ختمِ نبوت کے لیے بھی وقتی جوش و خروش تو چاہیے نہیں، بلکہ مستقل فکر بنا کر تا حیات اس عظیم مشن کے لیے تبلیغی جہاد کرنے کی ضرورت ہے۔ جو فیروز بخت حضرات اس کام کے لیے آگے بڑھنا چاہیں، ہم اُن کی خدمت میں چند تجاویز پیش کرتے ہیں، جس سے بہت کم وقت میں وہ اپنی صرف کی ہوئی توانائیوں کو حصولِ مقصد میں کام یاب ہوتا ہوا دیکھیں گے۔

اِسلام میں اِبلاغ و تبلیغ کے لیے مسجد سب سے بڑا مرکز ہے۔ یہاں عبادت کے علاوہ درس و خطبہ کا جو سلسلہ ہوتا ہے، اگر باقاعدہ منصوبے کے ساتھ ذمہ داری نبھائی جائے، تو اس مرکزِ علم و تبلیغ سے عام و خاص مسلمانوں کی ہر طرح کی دینی کمی پوری ہو سکتی ہے۔ ختمِ نبوت اور مرزائیت کے سلسلے میں خطیب صاحب کم از کم ہر مہینے کا ایک جمعہ مخصوص کریں۔ امام صاحب روزانہ کے درس میں گاہے گاہے نمازیوں کو بتائیں۔ مؤذن صاحب دِن میں کسی ایک اذان شروع کرنے سے پہلے ختمِ نبوت کی کوئی حدیث اور اُس کا ترجمہ پڑھ دیا کریں۔ خادم صاحب جتنا علم ہو، حسبِ موقع دوسروں کو پہنچاتے رہیں۔ انتظامیہ اس معاملے میں اِن حضرات سے مکمل تعاون کرے اور ان کے تحفظ کو یقینی بنائے۔

دوسرا بڑا مرکز خانقاہیں ہیں۔ اَسلاف، اولیاء اللہ کے حالاتِ زندگی کو پڑھیں، تو پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ اِصلاح و تربیت اور علم و عمل کے جام بھر بھر کے لوگوں کو پلایا کرتے تھے اور مرید باصفا بھی اپنے شیخ کی ہدایات سے بال برابر انحراف نہیں کرتا تھا۔ مشائخ عظام اور پیرانِ کرام اپنے

ات بزرگوں حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت پیر سید جماعت علی شاہ
ب علی پوری رحمۃ اللہ علیہ (جنھوں نے اپنے تمام مریدین اور متوسلین کو ساتھ لے کر مرزا قادیانی کی
ی میں اُس کے خلاف جہاد کا نعرہ بلند کیا) کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنے عقیدت مندوں کو
منکرین ختم نبوت سے آگاہ کریں۔

تیسرا مرکز دینی مدارس ہیں اور یہ وہ جگہیں ہیں، جن کی بہ دولت پہلے دو مراکز بھی صحیح
ں میں آباد ہوتے ہیں۔ یوں سمجھیں کہ یہاں اِسلام کا ماسٹر مائنڈ (Master Mind)
ہو سکتا ہے اگر ذمہ داران کی زیرِ نگرانی دردِ ایمانی کے ساتھ طلبہ کی پختہ ذہن سازی کی جائے
نھیں دورِ حاضر کے خطرات سے صحیح طور پر آگاہی دِلا کر اُن سے مقابلے کے لیے تیار کیا جائے
مدارس ہوتے بھی اسی لیے ہیں)۔ اگر واقعۃً ایسا ہو جائے، تو یقیناً مساجد اور آستانے مدرسہ
کل اختیار کر جائیں گے اور ساتھ ساتھ یہ بھی ہوگا کہ اِسلام دُشمن فتنوں کی رگ رگ کو جان کر
یہ مجاہد طلبہ (فراغت پا کر) علم کے اسلحہ سے لیس تبلیغی و فکری جہاد کے لیے قدم بڑھائیں
تو جس طرح فتنوں کا قلع قمع یہ کر سکیں گے، عام لوگ اُس طرح نہیں کر سکتے۔

اس کے بعد نمبر آتا ہے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا نیز اہلِ علم و قلم (عالم، صحافی، تجزیہ کار،
م نگار وغیرہ) کا اور یہ وہ واحد ذریعہ ہے، جس سے ہر خاص و عام خواہ وہ کوئی بھی ہو، کسی بھی
سے متعلق ہو، کسی بھی فکر کا مالک ہو، اپنا پیغام نگر نگر، شہر شہر اس طرح پورے ملک میں اور پھر
کے بعد ساری دُنیا میں پہنچا سکتا ہے۔ بہ شرطے کہ اظہارِ خیال کا انداز اخلاقی حدود کا پابند ہو،
ں انٹرنیٹ پر تو یہ بھی قید نہیں ہے، وہاں کھلی آزادی ہے۔ جو کوئی جیسے چاہے غلط صحیح، سچ جھوٹ
ملط کر کے پیش کر دے۔ وہاں کوئی پوچھنے والا نہیں ہے!!!

مرزائی اس سہولت کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے نیٹ کی دُنیا پر بُری طرح سے چھائے ہوئے
۔ پھر اس میں ایک بہت بڑا مفاد فری سپلائی (Free Supply) کا بھی ہے۔ اِس حوالے
، وہ احباب جو سافٹ ویئر انجینئرنگ (Software Engineering) کے ایکس پرٹ
(Exper) ہیں، سب سے اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اگر یہ طریقہ اپنایا جائے، تو بہت اچھا
ہے گا کہ اوّلاً یہ جائزہ لیا جائے کہ مرزائی کس کس حربے کو استعمال کر کے اپنے خیالات کی

ایڈورٹائزمنٹ (Advertisement) کر رہے ہیں، پھر اُس کے مقابلے میں صحیح مواد حاصل
کر کے حقیقت بیان کر دی جائے۔ نیز اس کے بعد ایک اور بڑا چیلنج یہ ہے کہ ہم اُن سے آگے
بڑھ کر اپنے طور پر ایسے مسلمانوں کے لیے جو اُن کے جھانسے میں آ جاتے ہیں، حقیقی اِسلام کی
تصویر پیش کریں۔

تعلیمی اِداروں مثلاً سکول، کالج، یونی ورسٹی وغیرہ میں اساتذہ کلاسوں میں وقتاً فوقتاً لیکچر
دے کر اور بزموں میں تحریری و تقریری مقابلوں سے طلبہ میں 'تحفظِ ختم نبوت' اور 'ردِ مرزائیت' کا
شعور بیدار کر سکتے ہیں۔

غرض کہ ملت کا ہر ہر فرد وکیل، سیاست دان، تاجر، ڈاکٹر سے لے کر ملازم اور دُکان دار
تک؛ ہر کوئی اپنے اپنے محاذ پر مختلف انداز میں ختم نبوت کا کام کر کے یہ فریضہ بہتر طریقے سے
انجام دے سکتا ہے اور 'مجاہدِ ختم نبوت' کے معزز لقب کا حق دار ٹھہر سکتا ہے۔

اور یہ یاد رکھیں کہ کسی شخص کے لیے ختم نبوت کا کام صحیح معنوں میں تبھی ممکن ہے، جب اُس
نے دِل جمعی کے ساتھ پختہ بنیادوں پر مطالعہ کیا ہوگا، وگرنہ مطالعہ کی کمی اُسے حقیقت سے بہت
دور کر دے گی۔ تو اِس سلسلے کو جاری رکھنے کے لیے آپ روزانہ زیادہ نہیں، صرف آدھا گھنٹہ مخصوص
کریں۔ اُس میں آپ 20 منٹ اچھی تحقیقی کتب کا مطالعہ کریں یا علما کی تقاریر سماعت کریں اور
باقی 10 منٹ غور و فکر کریں، جس میں آپ اپنے مشن کے لیے لائحۂ عمل بھی تیار کریں۔ یقیناً یہ عمل
آپ کو اُکتاہٹ سے بچائے رکھے گا اور بہت کم وقت میں آپ کے پاس معلومات کا وسیع ذخیرہ
محفوظ ہو جائے گا۔

ایک اور بات بہت یاد رکھنے کی ہے۔ خاص طور پر اُس کا تعلق مبلغین اور مقررین سے
ہے۔ وہ یہ کہ تبلیغ اور تقریر کا سلسلہ بہ تدریج ہونا چاہیے۔ مثلاً اگر کسی جگہ خطبۂ جمعہ کی ذمہ داری یا
سلسلہ وار پروگرام کا انعقاد ہو، تو پہلی بار میں ''عقیدۂ ختم نبوت'' پر بیان فرمائیں۔ پھر آئندہ بار
''مرزائیت'' کا تعارف کروائیں۔ اس کے بعد ''مرزائیوں کے کفریہ عقائد'' بتائیں۔ پھر
''اِسلام اور مرزائیت کا تقابل'' پیش کریں...... اس طرح کر کے جب تمام قسم کے ضروری
موضوعات کا اِحاطہ ہو جائے، تو پھر یہ نہیں کہ دوبارہ نئے سرے سے اُنھی موضوعات کو شروع کر

ں، بلکہ اب لوگوں کو یہ بتائیں کہ اُنھیں کیا کرنا ہے۔ عوام میں سے ہر کوئی انفرادی طور پر کس
ں طرح کام کرسکتا ہے، جس سے 'عقیدۂ ختمِ نبوت' اور 'مرزائیت' کی حقیقت کو زیادہ سے زیادہ
ے جان سکیں۔

جو لوگ دِین کے احکام پر عمل تو کرتے ہیں، لیکن اُس کے دفاع کے لیے کچھ نہیں کرتے، یہ
اظ اُن لوگوں کے لیے نہایت فکر انگیز ہیں:

جس مسلمان نے تین دِن لگاتار اِسلام کے دِفاع میں اِسلام دُشمن طاقتوں کے خلاف
دی، تبلیغی یا بہ زورِ بازو جہاد نہیں کیا، وہ غور کرے کہ کہیں اپنی کسی بدبختی کی وجہ سے اس سعادتِ
ے محروم تو نہیں کر دیا گیا، کیا وہ اِس قابل بھی نہیں سمجھا گیا کہ اللہ اور اُس کے رسول کے
ن کی سربلندی میں اُس کا کچھ تھوڑا سا حصہ ہی شامل ہو جائے!!!!

حسن عرباض محمد

☆ قادیانیت ملت اسلامیہ کا سب سے بڑا فتنہ اور مصیبت ہے۔ یہ اقلیت سُور کا گوشت بیچتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ گائے کا گوشت ہے، مسلمانوں کو شراب پیش کر کے اُسے روح افزاء قرار دیتی ہے۔ اِس لیے اُمت مسلمہ کو اِس کے خطرناک دھوکے اور فراڈ سے بچانے کیلئے ایک صدی سے اُمت کے بہترین صلاحیتوں کے حامل اہل علم وقلم، علماء و مشائخ اِس کے خلاف نبرد آزما رہے۔ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے بعد اُمت مسلمہ نے سب سے بڑی اجتماعی قربانی اِسی فتنہ کے خلاف دی۔

☆ اِس باب میں اُن علماء و مشائخ کی علمی، قلمی اور عملی خدمات کا تذکرہ ہے۔ جنھوں نے ارتداد قادیانیت اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ، سربلندی اور علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت کی خاطر اپنی زندگی کے شب و روز صرف کیے۔

کیا گستاخِ رسول اِنسان ہے؟

میرا اِک دوست ہے، جس کے کچھ قریبی تعلق والے مرزائی ہو گئے تھے۔ میری اِک دن اُس سے ملاقات ہوئی، تو مَیں نے اُسے ''مرزائیت'' کے بارے میں بتایا اور اُس کو تلقین کی کہ مرزائیوں سے کسی قسم کا تعلق رکھنا حرام ہے۔ یہ بات اُس کو ہضم نہیں ہو رہی تھی، کیوں کہ وہ اپنے قریبی تعلق والوں کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ اُس نے مجھے فوراً جواب دیا:

مَیں اِنسانیت کے ناتے اُن سے تعلق قائم کیے ہوئے ہوں کیوں کہ اِسلام بھی اِنسانیت پر بہت زور دیتا ہے۔ وہ جو بھی ہیں، انسان تو ہیں اور ویسے بھی رسول اللہ ﷺ تو کافروں سے بھی اچھا سلوک کرتے تھے اور اِنسانیت کو ایک اعلیٰ درجہ دیتے تھے۔

یہ سن کر مَیں نے اُسے کہا:

جناب! امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: مرزائی مرتد ہیں۔ اُن سے ہر قسم کا تعلق رکھنا حرام ہے۔ جو اُن سے تعلق توڑنے کو ظلم کہتا ہے، وہ بھی کافر ہے۔

یہ سن کر وہ بولا:

یار! یہ تمہارے امام نے کہا ہے۔ مَیں اِس بات سے کوئی خاص مطمئن نہیں ہوا۔

مَیں نے یہ سوچا کہ پہلے اِس کو یہ بتانا چاہیے کہ انسانیت ہے کیا۔ اِنسانیت تو خود اِسلام کا ایک پہلو ہے۔

مَیں نے کہا:

سنو! دِین میں ہے کہ مرتد کو تین دن کی مہلت دو اگر مسلمان ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ اُس کی گردن اُڑا دو۔'' یہاں ایک غور طلب بات یہ ہے کہ یہ بات صرف مرتدوں کو ہی کیوں کہی گئی

ہے؟ یہ تو نہیں کہا گیا کہ کافروں، یہودیوں، عیسائیوں یا دوسرے مذاہب والوں کو تین دن کی مہلت دو، ورنہ اُن کی گردنیں اُڑا دو۔ کیا مرتد کو جینے کا کوئی حق نہیں ہے؟ کیا وہ دوسرے کافروں کی طرح انسان نہیں؟ کیا اُن پر کوئی اِنسانیت کا قانون لاگو نہیں ہوتا؟ کیا وہ خدا کی مخلوق نہیں ہیں؟ یہاں ایک بات جو سامنے آئی، وہ یہ ہے کہ کافر انسان ہو سکتا ہے، لیکن مرتد نہیں اور مرزا قادیانی دُنیا کا سب سے بڑا مرتد ہے۔ ایک مرتد کا واقعہ بھی سنو!

ابن اَخطل جو حضور ﷺ کی شان میں گستاخیاں کرتا تھا اور گستاخانہ شعر کہتا تھا نیز اپنی لونڈیوں کو بھی اس طرح کے اشعار کہنے کا کہا کرتا تھا۔ جب مکہ فتح ہوا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آج ہر وہ بندہ جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے لے یا خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے یا صرف اپنے گھر کا دروازہ ہی بند کر لے، اُس کو عام معافی ہے۔ تو کسی نے کہا: یا رسول اللہ! ابن اخطل کعبہ کے اندر کعبہ کے پردوں میں چھپا ہوا ہے، تو حضور رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا: اُس کو وہاں سے نکالو! مقامِ ابراہیم اور حجرِ اسود کے درمیان لا کر اُس کا سر تن سے جدا کر دو!

سوچنے والی بات یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جن کو عام معافی دی تھی، اُن میں ہندہ بھی تھی، جس نے رسول اللہ ﷺ کے پیارے چچا سید الشہداء حضرت سیدنا امیر حمزہ ؓ کا کلیجہ چبایا، ناک کان وغیرہ کاٹ کر اُن کا ہار بنا کے گلے میں ڈالا۔ حضور ﷺ کو اذیت دینے والے اور بھی موجود تھے، جنہوں نے ظلم کے پہاڑ ڈھائے تھے، اُن سب کے لیے معافی تھی، لیکن ابن اخطل کو کیوں قتل کیا گیا؟ کیا رسولِ اکرم ﷺ اُس کے لیے رحمت نہیں تھے؟ کیا ابن اخطل کعبہ میں داخل نہیں ہوا تھا؟ اگر ہوا تھا، تو پھر کیا وجہ ہے اتنے بڑے بڑے پاپیوں کو معافی مل گئی، لیکن اِبن اخطل کو معافی نہ ملی۔ اس لیے کہ وہ گستاخِ رسول تھا اور گستاخِ رسول پر انسانیت کا کوئی قانون لاگو نہیں ہوتا، نہ اِسلام میں گستاخِ رسول کو اِنسان کہلوانے کا کوئی حق ہے اور مرزا قادیانی سے بڑھ کر گستاخِ رسول کون ہو سکتا ہے؟

اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے والد ابوقحافہ نے جب رسول اللہ ﷺ کی شان میں کوئی گستاخی کی تھی، تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اپنے باپ کو ایسا تھپڑ رسید کیا کہ وہ دور جا گرے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے کہا: ابوبکر! وہ تیرا باپ تھا، تو نے تھپڑ ہی مار دیا۔ تو حضرت

ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا: یا رسول اللہ! تھپڑ تو اس لیے مارا ہے کہ میرے پاس تلوار نہیں تھی، ورنہ خدا کی قسم! اُس کا سر اُڑا دیتا۔ میں یہ برداشت ہی نہیں کر سکتا کہ کوئی آپ ﷺ کی شان میں معمولی سی گستاخی بھی کرے۔

سوچنے والی بات یہ ہے کہ باپ کا مرتبہ تو بہت بلند ہوتا ہے اور باپ انسان بھی ہوتا ہے، لیکن کیا انسانیت کے ناتے باپ کو معافی نہیں مل سکتی تھی؟ لیکن گستاخِ رسول انسان نہیں ہے (اور مرزا غلام احمد قادیانی کی گستاخیاں آپ جان ہی چکے ہو)۔

حضرت عمر بن خطاب ؓ کا مشہور واقعہ تم نے سنا ہی ہوگا۔ جب ایک یہودی اور منافق کسی جھگڑے کا رسول اللہ ﷺ سے فیصلہ کروانے آئے۔ جب آپ ﷺ نے فیصلہ یہودی کے حق میں دیا، تو منافق نے کہا: آؤ! ہم عمر (ؓ) کے پاس چلتے ہیں، وہ بڑے عادل ہیں۔ جب حضرت عمر ؓ سے مسئلہ بیان کیا گیا، تو یہودی نے کہا: اے عمر! فیصلہ کرنے سے پہلے سوچ لے! اس مسئلے کا فیصلہ پہلے تیرے نبی محمد (ﷺ) کر چکے ہیں۔ یہ سن کر عمر ؓ آگ بگولا ہو گئے اور تلوار لے کر اُس منافق کا سر قلم کر دیا۔

کیا ہر کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جس سے چاہے اپنے مسئلہ کا حل کروائے؟ لیکن حضرت عمر ؓ نے ایسا کیوں کیا؟ کیوں کہ وہ سمجھتے تھے یہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی ہے۔

اب بتاؤ! کیا وہ منافق انسان نہیں تھا؟ بلکہ وہ تو کلمہ بھی پڑھتا تھا، نمازیں بھی پڑھتا تھا اور اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتا تھا، مگر مسلمان تو دور کی بات، وہ انسان کی تعریف **(Definition)** کو بھی پورا نہ کر سکا، کیوں کہ ایک کافر جو گستاخی نہیں کرتا، وہ تو انسان ہے، لیکن گستاخِ رسول چاہے، وہ کتنا بڑا عالم فاضل، نیک اور بہت بڑا لیڈر ہی کیوں نہ ہو، وہ اِنسان ہرگز نہیں ہے۔

تو پھر انسانیت کہاں ہے؟

قارئین! آپ لوگ سوچ رہے ہوں گے، تو پھر انسانیت کہاں دکھانی چاہیے؟ کسی کو معاف کرنا، اچھا سلوک کرنا؛ یہ سب کہاں جائے گا؟

تو میرے بھائی! سنو! جب کوئی تمھاری ذات اور تمھارے گھر والوں، عزیز و اقارب پر حملہ

کرے، تو وہاں بڑے شوق سے اِنسانیت دکھایا کرو۔ مثلاً کسی نے تمھارے والد صاحب کو قتل کر
یا، تو قرآن پاک میں ہے: قتل کا بدلہ قتل ہے، مگر جو معاف کردے، وہ ثواب کا زیادہ حق دار
ہے۔ یہاں قرآن پاک فرما رہا ہے کہ تم معاف کردو! لیکن مرتدوں کے بارے میں اسلام یہ نہیں
کہتا کہ تم میں سے بہتر وہ ہے، جو اُن کو معاف کردے۔ حالاں کہ اُنھوں نے تمہارے باپ کو قتل تو
نہیں کیا۔ یہ کیا معاملہ ہے؟ جس نے باپ کو قتل کیا، اُس کو معاف کردو، لیکن جس نے بہ ظاہر میری
ذات کو کچھ نقصان نہیں پہنچایا، اُسے کسی قیمت پر معافی نہیں ہے۔ دراصل اُس نے اللہ اور اُس
کے رسول ﷺ کو ایذا پہنچائی ہے۔ اچھا! تو معلوم یہ ہوا اگر کوئی تمہارے باپ کو قتل کرے، تو تم
انسانیت کے ناتے اُسے معاف کر سکتے ہو، تو کردو اور ہو سکے، تو اُس سے اچھا سلوک کرو! ہو سکتا
ہے تمہارے اِس برتاؤ کی وجہ سے وہ ایک بہتر اِنسان بن جائے، لیکن ہم کیا کرتے ہیں: باپ
کے قاتل کے گھر والوں کا نام ونشان تک مٹا دیتے ہیں اور جب کوئی رسول اللہ ﷺ کی شان میں
گستاخی کرتا ہے، تو ہم اُس سے ملنے کے بہانے تلاش کرتے ہیں۔ یار! وہ انسان تو ہے ناں! یار!
محلے دار ہے۔ یار! اپنی برادری کا ہے۔ ارے! لعنت ہے تیری زندگی پر! تو نے خود ہی انسانیت کا
قاعدہ اُلٹ پلٹ کردیا ہے۔

سوچو! اگر رسول اللہ ﷺ کے خاکے شائع کرنے والا میرے پاس آکر بیٹھ جائے، تو مَیں یہ
سمجھوں کہ یار! انسان تو ہے ناں، تو مَیں کتنا بے غیرت ہوں، جس نے میرے آقا ﷺ کی
ذات مبارک پر حملہ کیا، مَیں اُس کو انسان کہہ رہا ہوں۔ کل وہ میری ماں بہن پر حملہ کرے، تو پھر
شاید مَیں اُس کو درندہ کہہ دوں۔ واہ! مَیں نے کیا معیار رکھا ہے انسانیت کا!!!!!

سنو! مقامِ اِنسانیت کا پرچار کرنے والو! اگر کوئی تمہیں گالیاں دے، تمہیں مارے،
تمہارے ساتھ ظلم وزیادتی کرے، تم سب کچھ معاف کردو، لیکن جب کوئی تمہارے پیارے آقا
ﷺ کی ذات پر حملہ کرے، تو اُس پر انسانیت کے سارے قانون توڑ دو!

مرزا قادیانی تمہاری پاک ماؤں (اُمہات المومنین) کے خلاف زہر اُگلتا ہے اور تم اُس
کے ماننے والوں کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے پیتے ہو اور گھومتے پھرتے ہو۔ اگر تمہاری اپنی ماں یا بہن کے
ساتھ کوئی شخص مشکوک ہو اور تم اُس کے ساتھ گھومو پھرو، قیام وطعام کرو، بول چال رکھو، تو لوگ

تمھیں کیا کہیں گے؟ بے غیرت ہی ناں......!!

تمہاری ماں بہن کوئی خاتونِ جنت نہیں ہیں اور وہ جو جنت کی شہزادیاں ہیں اور تمہاری
مائیں بھی ہیں، اگر اُن کے گستاخوں کے ساتھ میل جول رکھو گے، تو لوگوں کے ساتھ ساتھ فرشتے
بھی تم پر لعنت کریں گے۔

شاید تم جانتے نہیں! وہ اِسلام جو مساوات وامن کا سب سے بڑا علم بردار ہے، جو کہتا ہے:
سب سے اچھا سلوک کرو چاہے وہ تمہارا دشمن ہی کیوں ناں ہو، لیکن جب وہ اللہ اور اُس کے
پیارے رسول ﷺ کو ایذا دے، تو اُس کی سزا صرف موت ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو انبیاءِ کرام علیہم السلام کو گالی دے، اُسے قتل کرو اور جو میرے
اَصحاب کو گالی دے، اُسے کوڑے مارو۔

ایک مرزائی سے تعلق توڑنا تو شاید تم لوگوں کی قسمت میں نہیں ہے، لیکن ہمیں یہ کہنا تمہاری
قسمت میں ہے کہ تم لوگ ملک میں انتشار پھیلا رہے ہو۔ دُنیا جو کچھ بھی ہے ٹھیک ہے۔

ذرا سوچو! اگر کوئی تمہارے گھر میں آکر تمہارے اہل خانہ کو یرغمال بنا کر تم لوگوں پر
زبردست تشدد کرتا ہے، ہر قسم کی ظلم وزیادتی کرتا ہے، پھر کہتا ہے: یہ گھر بھی میرا ہے اور اگر تم
صرف اتنا کہہ دو کہ گھر تو ہمارا ہے، تو کیا تم لوگوں نے انتشار پھیلایا ہے۔

سن لو! جو لوگ ہمیں کہتے ہیں کہ ہم اِنتشار پھیلا رہے ہیں، دراصل وہ خود اِنتشار پھیلا رہے
ہیں کیوں کہ مرزائی اپنے کفریہ عقائد پھیلا کر کہتا ہے کہ وہ مسلمان ہے اور ہم کافر ہیں اور اگر کوئی
مرزائیوں کے سامنے خاموش بیٹھے گا، تو اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا آپ کو پتا ہے کہ اگر کسی کام کو
دیکھ کر خاموشی اِختیار کی جائے، تو اس کا مطلب اُس کام کے حق میں ہوتا ہے۔ ویسے بھی ہم یہ تو
کہہ نہیں سکتے کہ آپ گونگے ہو، کیوں کہ یہ زبان ختم نبوت کے مجاہدین کے خلاف تو قینچی کی طرح
چلتی ہے۔ خدا کے لیے! ختم نبوت کے مجاہد بن جاؤ! تمہاری دنیا وآخرت سنور جائے گی۔ جس
آقا ﷺ نے اپنی اُمت کے لیے غاروں میں آنسو بہائے، طائف میں پتھر کھائے، کیا تم اُس
کریم آقا کے لیے صرف مرزائیوں سے تعلق بھی نہیں توڑ سکتے۔

پیارے بھائی! دیکھو! جو سچا نبی ہوتا ہے، اُس کے عیب تو تلاش کرنے سے بھی نہیں ملتے،

لن مرزا قادیانی نے اِدھر کفر کا انبار لگایا ہوا۔ کہاں کہاں سے چھپائیں گے؟ جونہی ایسا ہو، اُس
ں اُمت بھی ایسی ہوگی!

شیزان کا بائی کاٹ

معزز قارئین!

جس طرح رسول اللہ ﷺ کی سچی نبوت پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی
رضی اللہ عنہ نے بے دریغ پیسے کا استعمال کیا، اسی طرح مرزا قادیانی کی جھوٹی نبوت کی تشہیر کے لیے
زان کمپنی اپنا سرمایہ بے دریغ خرچ کر رہی ہے۔

شیزان فتنہ قادیانیت کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔

شیزان پٹرول مہیا کرتا ہے اور مرزائی اپنی جھوٹی نبوت کی گاڑی کو اُسی تیل سے چلاتے اور
گوں کو مرتد و زندیق بناتے ہیں۔

پاکستان میں قادیانیوں کے سالانہ جلسہ پر پابندی لگنے پر یہ جلسہ ملعونہ لندن میں منعقد ہوا،
س پر زرِ کثیر خرچ ہوا۔ اس کا نصف شیزان نے ادا کیا۔

1988ء میں اپنی سالانہ آمدن کا دسواں حصہ ایک کروڑ ساڑھے اکاون ہزار روپے
(**1,00,51,500**) ربوہ فنڈ میں جمع کروائے۔

انہیں پیسوں سے مرزائی ہزاروں کی تعداد میں اپنے ملعون رسائل اور اشتہارات اور اسلام
ن لٹریچر چھاپتے ہیں، جس سے آئے دن کوئی نہ کوئی فیملی مرتد ہو جاتی ہے۔

شیزان کمپنی کے بانی چوہدری شاہنواز نے مرزائیوں کا "تحریف (تبدیل) شدہ" قرآن
ک کا ترجمہ متعدد زبانوں میں کروایا اور بہت سے لوگوں کو دین اسلام سے فارغ کرنے کا
شرف حاصل کیا۔

کیا آپ جانتے ہو! جب آپ شیزان کی کوئی چیز بھی خریدتے ہو، تو آپ کی رقم کا ایک
اص حصہ مرزائیوں کے فنڈ میں جاتا ہے، جو اُسے کہاں استعمال کرتے ہیں شاید نہیں.....؟

تو سنو! وہ پیسہ لوگوں کو مرزائی بنانے میں، رسول اللہ ﷺ کی گستاخیوں میں، اُمہات
المومنین اور صحابہ کرام، قرآن، احادیث اور دین اسلام؛ سب کو بُرے طریقے سے نقصان
پہنچانے میں استعمال کیا جاتا ہے۔

تمہارے اس پیسے سے وہ اپنے "گردوارے" کو سجاتے ہیں۔

مرزا قادیانی ملعون کی شخصیت کو چار چاند لگا کر پیش کرتے ہیں۔

ہائے افسوس کہ ہم مختلف بہانے بناتے ہیں اور کہتے ہیں:

یار! اگر شیزان مرزائیوں کی کمپنی ہے، تو پیپسی، کوکا کولا بھی تو غیر مسلموں کی کمپنیاں ہیں۔

ایک عاشق رسول کو ویسے تو جواب دینے کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ سوال کرنے کی، لیکن
پھر بھی سنو!

ایک غیر مسلم کیا کہتا ہے؟

یہودی کہتا ہے: مَیں یہودی ہوں، تم مسلمان ہو۔

کافر کہتا ہے: مَیں کافر ہوں، تم مسلمان۔

عیسائی کہتا ہے: مَیں عیسائی ہوں، تم مسلمان، لیکن مرزائی ایسا ملعون ہے، جو کہتا ہے: مَیں
مسلمان ہوں، تم کافر ہو اور پکے کافر ہو۔

اور ویسے بھی رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کافروں اور یہودیوں
سے کبھی پانی کا کنواں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر رہے ہیں، کبھی قحط کے دنوں میں غلہ اور
کبھی مسجد کے لیے پلاٹ، لیکن کبھی بھی کسی ایسے شخص سے کوئی چیز نہیں خریدی، جو گستاخ رسول
اور گستاخ بھی کیسا..... مرزا قادیانی سے ہزار درجے ہلکا بھی ہوتا، تو چیز خریدنا دور کی بات ہے،
اُس کو فوراً قتل کیا جاتا۔

اگر آج بھی مرزائی اپنے آپ کو کافر مان لیں، تو پھر اُن کی شیزان کے بارے میں سوچا
جا سکتا ہے، لیکن افسوس! آج ہمارے دکان دار چند ٹکوں کی خاطر محمد عربی ﷺ کے گستاخوں کی
تعداد بڑھا رہے ہیں اور نئے نئے بہانے تلاش کرتے ہیں۔ یار! یہ..... یار! وہ..... ! وغیرہ۔

آج ہمارے معاشرے میں ڈاکٹر شوگر کے مریض کو میٹھی اشیا استعمال کرنے سے روک کے، تو

وہ فوراً رک جاتا ہے۔

اگر بلڈ پریشر کے مریض کو نمک استعمال کرنے سے منع کرے، تو وہ فوراً منع ہو جاتا ہے۔

اگر کھانسی کے مریض کو کھٹی اشیا سے باز رہنے کی تلقین کرے، تو کھٹی اشیا کا بائی کاٹ کیا جاتا ہے۔

اگر دل کے مریض کو سخت کام کاج سے روکے، تو فوراً اُس کی نصیحت پر کان دھرے جاتے ہیں، لیکن اگر منبر ومحراب سے شیزان کے بائی کاٹ کی آوازیں گونجیں اور دینی رسائل و جرائد مسلمانوں کی غیرت کو جھنجھوڑتے ہوئے شیزان کے خلاف بائی کاٹ کی مہم چلائیں، تو کسی کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔

جان کی حفاظت کے لیے تو ڈاکٹر کی ہدایات کے مطابق سب کچھ چھوڑا جا سکتا ہے، لیکن کیا ایمان کی حفاظت کے لیے ''شیزان'' کو نہیں چھوڑا جا سکتا.....؟

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

اے مسلمان!

اگر روٹی جلی ہوئی ہو، تو تیری طبیعت پر گراں گزرتی ہے۔

اگر سالن بدذائقہ ہو، تو تیرے گلے سے نیچے نہیں اُترتا۔

اگر اشیائے خورونی پر مکھیاں بھنبھنا رہی ہوں، تو تجھے گھن آتی ہے، لیکن شیزان جیسا ارتدادی مشروب اپنے معدہ میں انڈیلتے ہوئے تجھے کوئی گھن نہیں آتی۔

اپنے جانی دشمن کے گھر کی چیز تو تو نہیں کھاتا، لیکن رسول اللہ ﷺ کے دشمن کے گھر کا مشروب غٹاغٹ پیتا ہے۔

جو تیری توہین کرے، اُس کے لیے تو تیرے گھر کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، لیکن شیزان کے لیے تیرے گھر کے دروازے کھلے اور پینے کے لیے تیرا منہ بھی کھلا! تو کتنے شوق سے اپنے فریج اور باورچی خانہ میں شیزان کی شیطانی بوتلوں کو سجاتا ہے۔

جو تجھے ضرر پہنچائے وہ تیری دعوت میں نہیں آ سکتا، لیکن دشمن اسلام ''شیزان'' کی تیری

دعوتوں میں اجارہ داری!

تیرے اسلاف نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں وطن چھوڑ دیے، ماں باپ چھوڑ دیے، بیٹے چھوڑ دیے، یارانے، دوستانے چھوڑ دیے اور ایک تو ہے کہ شیزان نہیں چھوڑ سکتا اور شاید حکیم الامت حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے تیرے جیسوں کے لیے ہی کہا تھا:

ع یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود!

کیا شیزان کے متبادل گولڈن، بینز وغیرہ تم نہیں پی سکتے! کچھ شرم کرو!

جب قبر میں فرشتے پوچھیں گے: سرکار مدینہ ﷺ کے بارے میں تیرا کیا عقیدہ تھا؟ تو پھر کیا جواب دو گے؟ یہی کہ روزانہ کے دس روپوں کی خاطر ان سے دشمنی لگائی تھی۔

اپنی دکانوں پر شیزان کی مصنوعات فروخت کرنے والو! خدا کے لیے! شیزان کا بائی کاٹ کر دو! اللہ بڑا بے نیاز ہے۔ اگر اللہ کے غضب کو جوش آیا، تو دیکھ لینا تمھاری دکانیں اس زمین سے مٹ جائیں گی، کیوں کہ تم نے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے دشمنی لگائی ہے۔

[illegible]

وہابیوں، دیوبندیوں کی

مرزائیت نوازی

مولانا عامر عثمانی صاحب (دیوبندی) نے ایک بار اپنے اکابر وعلماء کی ایسی عبارات پر نہایت غیر جانبداری ودیانت داری سے تبصرہ تحریر فرمایا:

"اگرچہ ہم حلقہ ءدیوبندی سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ہمیں اس اعتراف میں تامل نہیں کہ اپنے ہی بزرگوں کے بارے میں ہماری معلومات میں اس کتاب (زلزلہ از علامہ ارشد القادری) نے اضافہ کیا۔ اور ہم حیرت زدہ رہ گئے کہ دفاع کریں تو کیسے؟ دفاع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کوئی بڑے سے بڑا منطقی اور علامۃ الدہر بھی ان الزامات کو دفع نہیں کرسکتا جو اس کتاب کے مشتملات، بزرگان دیوبند پر عائد کرتے ہیں۔ ہم اگر عام روش کے مطابق اندھے مقلد اور فرقہ پرست ہوتے تو بس اتنا ہی کرسکتے تھے کہ اس کتاب کا ذکر ہی نہ کریں لیکن خدا بچائے اشخاص پرستی اور گروہ بندی کی باطل ذہنیت سے، ہم اپنا دیانتدارانہ فرض سمجھتے ہیں کہ حق کو حق کہیں اور حق یہی ہے کہ مقتدر علمائے دیوبند پر تضاد بیانی کا جو الزام اس کتاب میں دلیل وشہادت کے ساتھ عائد کیا گیا ہے وہ اٹل ہے اس کی توجیہہ آخر کیا کریں گے کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی یا حضرت مولانا اشرف علی تھانوی جیسے بزرگ جب فتوے کی زبان میں بات کرتے ہیں تو ان احوال و عقائد کو برملا شرک، کفر اور بدعت وگمراہی قرار دیتے ہیں...... لیکن جب طریقت و تصوف کی زبان میں کلام کرتے ہیں تو یہی چیزیں کمال ولایت اور علامت بزرگی بن جاتی ہیں۔ ہمارے نزدیک جان چھڑانے کی ایک ہی راہ ہے یہ کہ یا تو تقویۃ الایمان،

فتاویٰ رشیدیہ، فتاویٰ امدادیہ، بہشتی زیور اور حفظ الایمان جیسی کتابوں کو چوراہے پر رکھ کر آگ دے دی جائے اور صاف صاف اعلان کردیا جائے کہ ان کے مندرجات قرآن و سنت کے خلاف ہیں...... یا پھر ان موخر الذکر کتابوں کے بارے میں اعلان فرمایا جائے کہ یہ تو محض قصے کہانیوں کی کتابیں ہیں جو رطب ویابس سے بھری ہوئی ہیں۔"

(دعوت فکر، محمد منشا تابش قصوری، ص ۴۲)

قادیانیت کا فکری پس منظر ایک ایسا موضوع ہے جو برصغیر پاک وہند سے متعلق ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے جذبہ ءاطاعت انگریز، فتویٰ تنسیخ جہاد، دعویٰ امامت و نبوت اور نستعلیق مغلظات کے علاوہ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ مسیلمہ پنجاب کا والد مرزا غلام مرتضیٰ محض حکیمانہ مذہب رکھتا اور ایک حد تک اس کا جھکاؤ اہل تشیع کی طرف تھا۔ (مولوی محمد حسین بٹالوی کا بیان مطبوعہ "اشاعت السنہ" بحوالہ رئیس قادیان، مولف مولانا ابوالقاسم رفیق الاوری، ص ۱۲)

مرزا غلام احمد قادیانی کا ایک بیٹا بقلم خود لکھتا ہے:

"آپ کے استاد فضل الٰہی قادیان کے باشندہ حنفی تھے۔ دوسرے استاد فضل احمد، فیروز والہ ضلع گوجرانوالہ کے باشندہ اہلحدیث تھے۔ مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی (مرزائی) انہی کے بیٹے تھے۔ تیسرے استاد سید گل علی شاہ بٹالہ کے باشندہ اور شیعہ تھے۔" (سیرۃ المہدی، مرزا بشیر احمد، جلد اول، ص ۲۳۳)

قادیانی دجال نے چند روز وزیر آباد (گوجرانوالہ) میں بھی قیام کیا اس کی روداد پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے:

"میاں عزیز الدین احمد مرحوم نے بتایا کہ مرزا غلام احمد جموں جاتے ہوئے تین چار دن تک ہمارے محلہ شیخ لال کے قریب پیر حیدر شاہ کے مکان پر قیام فرما رہے جو باوجود اہلحدیث ہونے کے پیری مریدی کرتے تھے۔ مرزا غلام احمد ان دنوں اہلحدیث کی جماعت میں صوفی صفا کیش کی حیثیت سے یاد کئے جاتے تھے۔"

(عصائے موسیٰ، ص ۳۷۶)

جب مرزا غلام احمد قادیانی کے الہامات و دعاوی اور قلابازیاں حد سے بڑھنے لگیں تو بٹالوی صاحب بالآخر یہ اعلان کرنے پر مجبور ہو گئے:

''اہلحدیث جو قادیانی کو اہلحدیث سمجھ کر ان کے پنجے میں پھنسے ہوئے ہیں اس دعوائے تحریف کو ایمان وانصاف سے دیکھیں تو ان کو منکر صحت احادیث جان لیں۔''

(اشاعۃ السنہ، جلد ۱۳، ص ۲۲۹)

مولانا ابوالقاسم دلاوری اس اجمال کی قدرے تفصیل بیان کرتے ہیں:

''ان ایام میں اہلحدیث کی جماعت نے ہندوستان کے اندر نیا نیا جنم لیا تھا۔ یہ حضرات بعض اختلافی مسائل پر حنفیوں سے بالکل منقطع ہوگئے تھے اور اس جماعت میں نیا نیا جوش اور ولولہ تھا۔ ان دنوں مولوی محمد حسین نے جو پنجاب کے علمائے اہلحدیث میں اعلم العلماء مانے جاتے تھے اور ہندوستان بھر میں بمشکل کوئی ایسا پڑھا لکھا اہلحدیث ہو جو اس رسالہ کا خریدار نہ ہو، چونکہ مرزا غلام صاحب، مولوی محمد حسین ہی کے ساختہ پرداختہ تھے اس لئے مولوی صاحب نے تہیہ کرلیا تھا کہ قادیانی صاحب کو سمک سے سماک تک پہنچا کر دم لیں گے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے کثیر الاشاعت رسالہ ''اشاعت السنہ'' میں مرزا صاحب کے حق میں وہ بے پناہ پروپیگنڈہ کیا کہ تھوڑے ہی دنوں میں قادیانی صاحب کو زمین سے اٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا۔'' (رئیس قادیان، ص ۱۷۷-۱۷۸)

مرزائیوں کی اپنی روایت ہے:

''اس سے پیشتر سالہا سال سے مرزا صاحب کی عادت تھی کہ جب اور جہاں کہیں بٹالہ کی راہ سے جاتے مولوی محمد حسین صاحب کے پاس ایک آدھ دن ٹھہر کر منزل مقصود کا راستہ پوچھ لیتے۔ چنانچہ مرزا صاحب کے نسبتی بھائی یعنی مرزا محمود احمد صاحب کے ماموں ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب کا بیان ہے کہ مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب سے حضرت مسیح موعود کے بڑے گہرے تعلقات تھے۔ مجھے یاد ہے کہ قادیان سے انبالہ چھاؤنی جاتے ہوئے آپ مع اہل وعیال کے مولوی محمد حسین کے مکان پر بٹالہ میں ایک رات ٹھہرے تھے اور مولوی صاحب نے بڑے اہتمام سے حضرت (مرزا) صاحب کی دعوت کی تھی۔'' (سیرۃ المہدی، جلد ۲، ص ۹۴)

مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری (دیوبندی) مزید تحریر فرماتے ہیں:

''جن حضرات نے (مرزا کے) فتوائے تکفیر سے اختلاف کیا ان میں حضرت

مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب جو ان دنوں علمائے حنفیہ میں ممتاز مقام رکھتے تھے انہوں نے علمائے لدھیانہ کے فتوائے تکفیر کی مخالفت میں ایک مقالہ لکھ کر قادیانی صاحب کو ایک مرد صالح قرار دیا اور اس کو حضرات مکفرین کے پاس لدھیانہ روانہ کیا اور اس مضمون کی ایک نقل مولوی شاہ دین لدھیانوی اور مولوی عبدالقادر لدھیانوی کے پاس بھی روانہ فرمائی، جو مولانا ممدوح کے مرید تھے۔ مولوی شاہ دین نے یہ تحریر برسر بازار لوگوں کو سنا دی۔ اس سے وہ افراد جو مرزا صاحب کو مجدد مان چکے تھے اور ان سے حسن اعتقاد رکھتے تھے بہت خوش ہوئے۔'' (رئیس قادیان، جلد ۲، ص ۳، مجلس ختم نبوت تغلق روڈ ملتان)

اگر قادیانیت کے فکری پس منظر پر غور کیا جائے تو بادی النظر یہ تاثر ابھرتا ہے کہ اس خطۂ ارض پر ابتداً تحریک وہابیہ نے جنم لیا اس کے اثرات یوں پھیلے کہ متاثرہ افراد کے دلوں سے دانائے ختم الرسل مولائے کل سے والہانہ شیفتگی اور جذباتی تعلق اٹھ گیا۔ حسن عقیدت کی جلوہ باری اور بادۂ عشق کی کیفیت موجود نہ رہی۔ ہزار بار مشک وگلاب سے منہ دھو کر اپنے آقا ومولا کا نام لینے اور پھر بھی بے ادبی خیال کرنے کا رنگ ان کے سینوں سے نکل گیا۔

اس بات پر اتفاق کامل موجود نہیں ہے کہ تحریک احمدیہ، علمائے دیوبند کی صدائے بازگشت تھی یا دیوبندی مسلک، وہابیوں کے خمیر سے اٹھا اور جماعت اسلامی، نیچریت، چکڑالویت و دہریت انہی کا ثمر ہے۔ تاہم حقائق واقعی سے اتنا ضرور مترشح ہوتا ہے کہ ملت مرزائیہ نے حلقۂ بریلویت وشیعیت میں کوئی خاص فروغ نہیں پایا۔ اہل تشیع میں امام زماں کی غیوبت اور نظریۂ امامت درجۂ نبوت تک جا پہنچا لیکن وہ پھر بھی جماعت احمدیہ کے مکروفریب سے بڑی حد تک محفوظ رہے شاید ان کی عصبیت کام آئی۔ بریلوی عوام میں کم علمی کے باوجود قادیانیت کا مرض نہیں پھیلا غالباً اس کا سبب رسول پاک سے جذباتی واحساساتی رشتے کی شدت ٹھہری۔ یہ وبا سب سے زیادہ اہلحدیث مکتبۂ فکر میں پھوٹی۔ یہاں وابستگان دیوبند کا تذکرہ غیر ضروری ہے کہ ان کی صف سے نکلنے والے وہابیت اپناتے اور پھر ہر قسم کے شکاریوں کے پھندہ میں آجاتے ہیں۔

پیام شاہ جہان پوری نے کتاب میں صفحہ ۱۹۳ سے ۲۴۰ تک ایسا مواد دیا ہے جس سے کسی طرح بھی مرزا غلام احمد قادیانی کی جماعت کے لئے راہ ہموار ہوسکتی تھی۔ تاہم اس نے اپنا عقیدہ ظاہر کیا اور مقصد تالیف کا کوئی اشارہ دیئے بغیر لاشعوری طریق سے ایمانوں پر سرقہ ڈالا ہے۔ مرزا

محموداحمد، امام جماعت احمدیہ نے ۲۷ راکتوبر ۱۹۴۸ء میں ایک کتابچے میں وضاحتاً کہا "بعض دفعہ احمدی اپنے آپ کو اہل حدیث بھی کہہ دیتے ہیں۔" (احمدیت کا پیغام، حضرت خلیفۃ المسیح الثانی، اشاعت لٹریچر وتصنیف صدر انجمن احمدیہ ربوہ، ص ۱۵)

جماعت اسلامی چونکہ مزاجاً اہلحدیثوں سے اشتراک رکھتی ہے۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے بھی ہر خاص وعام کو تفسیر قرآن وتشریح حدیث کا منصب سونپ دیا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے ان کے ایک پمفلٹ "تکفیر بغیر اتمام حجت سے متعلق جماعت اسلامی نقطہ نظر صفحہ ۵۲" کے حوالے سے درج ذیل تبصرہ کیا:

"ایک یہ کہ یہ (قادیانی) مسئلہ کوئی آج کی پیداوار نہیں تھا بلکہ گذشتہ صدی کے اواخر ہی سے اس بارے میں مسلمانوں میں بے چینی کے آثار پیدا ہونے شروع ہو گئے تھے، لیکن اپنے تاسیس کے دن سے لے کر ۵۲ء تک پورے گیارہ بارہ سال جماعت اسلامی نے بحیثیت جماعت یا اس کے اکابرین نے، بحیثیت افراد اس پر کوئی عملی اقدام کرنا تو کجا زبان سے ایک حرف تک نہ نکالا بلکہ ایک اصولی اسلامی جماعت کی حیثیت سے اپنے دور اول میں اس نے ایسی باتیں کیں کہ جس سے قادیانیوں کی تکفیر کی براہ راست نہ سہی بالواسطہ ضرور ہمت شکنی ہوتی ہے...... قادیانیوں کا معاملہ صاف ہو تو بھی لاہوری احمدیوں کا معاملہ اس قدر صاف نہیں ہے چونکہ وہ مرزا غلام احمد کو صرف مجدد مانتے ہیں اور اس بناء پر ان کی تکفیر کس طرح صحیح نہیں ہے۔"

(تحریک جماعت اسلامی، اسرار احمد، ڈاکٹر، ص ۱۸۸-۱۹۰)

جماعت اہلحدیث کے امام العصر علامہ احسان الٰہی ظہیر نے:

"بریلویت...... تاریخ وعقائد" میں بریلویوں کے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کا ایک استاد، مرزا قادیانی کا سگا بھائی تھا۔ امام العصر اس رعایت سے یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ وہ مرزائیت کے لئے نرم گوشہ رکھتے تھے۔

از روئے تحقیق یہ روایت محض افسانہ ہے، جانے کس بنیاد پر ظہیر صاحب نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی دل سے قادیانیوں کے دشمن نہ تھے۔ نیتوں کا حال تو خدا جانتا ہے مگر حقائق یہی بتاتے ہیں کہ مولانا بریلوی ان ایام میں ڈنکے کی چوٹ پر قادیانی دجال کے کفر و

ارتداد کا فتویٰ صادر کر رہے تھے۔ جب دوسرے مکاتیب فکر کے علماء ومشائخ کو اس میں تامل تھا۔ بریلویوں کے اعلیٰ حضرت یہاں تک فرما گئے کہ جو مرزائیوں کو کافر نہیں جانتا وہ بھی سخت کافر و منافق ہے۔ (ملفوظات اعلیٰ حضرت، جلد ۱، ص ۱۳۵)

رد قادیانیت میں باقاعدہ کتب ورسائل بھی ان سے یادگار ہیں۔ بریلوی عوام کا مزاج بھی عجیب واقع ہوا۔ شاید احمد رضا خاں کے فکر وشخصیت کا اثر ہے کہ یہ کسی آدمی کو پیر فقیر تو مان سکتے ہیں اور وہ بھی اس صورت میں کہ وہ حقیقتاً یا ضرورتاً رسول پاک ﷺ سے وفاداری کا دم بھرتا ہو۔ ایک ظاہر باز یا خدا مست درویش کو آنکھوں پہ اٹھا اور دل میں بٹھا لیں گے مگر صرف اس وقت تک جب تک وہ سرکار مدینہ ﷺ سے نسبت غلامی کا اقرار کرتا رہے۔ نہیں تو امام کعبہ کو بھی وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ ان میں بھی حد درجہ عصبیت دکھائی دیتی ہے اور یوں قادیانی کذاب کی آبلہ فریبیوں سے یہ طبقہ بھی بچ نکلا۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مرزائی فتنہ کے قلع قمع کے لئے سب سے زیادہ کام علمائے دیوبند کر رہے ہیں مگر یہ بھی سچ ہے کہ شاید تشکیک بھی ان میں ہی زیادہ پائی جاتی ہے اور کئی اقدار مشترک ہونے کی وجہ سے مرزائیوں کو ان پر پرشب خون مارنے میں آسانی ہوا کرتی ہے۔ بانیءِ احمدیت اور وابستگان مرزائیت قرآن پاک میں تحریف وتغیر کے قائل تھے اور ہیں۔ ادھر اضطراب انگیز پہلو یہ ٹھہرا کہ یہی نظریہ دیوبندیوں کے امام مولوی انور شاہ کشمیری دیوبندی نے فیض الباری علی صحیح البخاری میں کتاب الشہادات کے تحت تحریر کیا ہے۔

براہین احمدیہ، مرزا قادیانی کے فتنے کی خشت اول تھی۔ مولوی محمد حسین بٹالوی نے اس پر تقریظ لکھی اور اسے ایک بے نظیر تحقیق قرار دیتے ہوئے اشاعۃ السنہ میں صفحوں کے صفحے بھر دیئے تھے۔ مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری نے ایک موقع پر یہ فتویٰ صادر فرمایا تھا۔

"میرا مذہب اور عمل ہے کہ ہر ایک کلمہ گو کے پیچھے اقتدا (نماز) جائز ہے چاہے وہ شیعہ ہو یا مرزائی۔" (اخبار اہلحدیث امرتسر، ص ۶، ۲ راپریل ۱۹۱۵ء)

حافظ محمد یوسف امرتسری لکھتے ہیں:

"مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی عبدالجبار غزنوی کے سبب سے میں بھی مرزا (غلام احمد قادیانی) کا معتقد ہو گیا اور میں نے مرزا صاحب کو مخالفین اسلام کے مقابلہ میں بڑی بڑی امداد کی کہ آج تک کسی نے ایسی امداد نہیں کی اور مولوی محمد حسین صاحب

نے بھی مرزا صاحب کی بہت امداد کی اور جس وقت مرزا صاحب امرتسر میں آیا کرتے تھے مولوی عبدالجبار صاحب بھی ان سے دعا کرانے جایا کرتے تھے۔ یہ باتیں سب کو معلوم اور مشہور ہیں۔'' (اہلحدیث امرتسر، ص۹، ۳۱ جنوری ۱۹۰۸ء)

''یہی حافظ محمد یوسف صاحب امرتسر میں سب سے پہلے عمل بالحدیث کے داعی اور ڈپٹی کلکٹر پنشنر تھے۔ مسیلمہ پنجاب کے موید وحامی بن کر حلقہ مرزائیت میں آ گئے۔''

(اشاعۃ السنہ، ص۱۱۴، جلد۲۱)

''اس جگہ حقیقت حال کا بیان کرنا بے جا نہ ہوگا کہ اولاً مرزا غلام احمد قادیانی اور حکیم نورالدین بھیروی بھی غیر مقلد المعروف اہلحدیث تھے۔ تاریخ احمدیت صفحہ ۶۹، ۷۰ پر اس کی مکمل تفصیلات موجود ہیں۔ نیز حافظ محمد یوسف امرتسری، مولوی محمد احسن امروہی اور سر ظفر اللہ خان کا پورا خاندان وہابی تھا اور پھر تمام نے قادیانیت قبول کی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بھیرہ میں پندرہ سو کے لگ بھگ مرزائی موجود ہیں۔ ان سب کے آباء پہلے اہلحدیث اور حکیم نورالدین بھیروی کے ہی زیر اثر تھے۔ بناء بریں سیالکوٹ اور امرتسر میں بھی یہی طبقہ ان کی بھینٹ چڑھا۔

علامہ عنایت اللہ گجراتی (اہلحدیث) دو مرزائیوں سے ملاقات کا حال بقلم خود تحریر کرتے ہوئے آخر میں تسلیم کرتے ہیں کہ انہوں نے باتوں باتوں میں یوں بھی فرمایا تھا کہ اکثر اہلحدیث احمدی ہوئے ہیں۔ میں نے کہا مرزا صاحب تو حنفی تھے فرمایا کہ نہیں وہ بھی اہلحدیث تھے۔ (العطر البلیغ، ص۱۵۶)

اس باب میں شیخ الاسلام مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی (اہلحدیث) نے لاہور میں کانفرنس منعقدہ ۱۹۴۹ء کے صدارتی خطبہ میں فرمایا:

''اس سے پیشتر اسی طرح اختلاط سے جماعت اہلحدیث کے کثیر التعداد لوگ قادیانی ہو گئے تھے جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ ابتداء میں مولانا ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی نے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی سے ان کو الہامی مان کر ان کی موافقت کی اور ان کی تائید میں اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ میں زوردار مضامین بھی لکھتے رہے جس سے جماعت اہلحدیث کے معزز افراد مرزا صاحب کی بیعت میں داخل ہو گئے۔''

(احتفال الجمہور، ص۲۳)

ہفت روزہ ''خدام الدین'' کے سابق مدیر سعید الرحمٰن علوی صاحب (دیوبندی) اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''دعویٰ اہلحدیث ہونے کا ہے لیکن حالت یہ ہے کہ نیچریت، انکار حدیث، قادیانیت سمیت اکثر وبیشتر فرقوں کے بانی غیر مقلدیت کے بطن سے پیدا ہوئے۔''

(تقدیم اہلحدیث اور انگریز، از سعید الرحمٰن علوی، ص۳)

مولوی رفیع الدین (منڈی رانجھا) مسلک اہلحدیث سے متعلق تھے اور پھر مرزائیت قبول کی اس سے پہلے کا چشم دید واقعہ لکھتے ہیں:

''میں دہلی سے قادیان گیا۔ وہاں مغرب کی نماز پڑھی۔ ہاتھ سب کے سینے پر بندھے ہوئے تھے اور امام کے پیچھے الحمد بھی پڑھتے تھے ض کو ضوا ہی پڑھا۔ والضالین کہتے ہیں مسجد گونج اٹھی۔ ہاں، رفع یدین بہت کم کرتے تھے مگر مجھ کو رفع یدین سے کسی نے نہیں روکا۔'' (اہلحدیث امرتسر، ص۱۰-۱۱، جولائی ۱۹۱۳ء)

مولانا ابوالکلام آزاد کی کتاب میں درج ہے:

''والد مرحوم کہا کرتے تھے کہ گمراہی کی موجودہ ترتیب یوں ہے کہ پہلے وہابیت پھر نیچریت، نیچریت کے بعد تیسری منزل جو الحاد قطعی ہے اس کا وہ ذکر نہیں کرتے تھے اس لئے کہ وہ نیچریت ہی کو الحاد قطعی سمجھتے تھے لیکن میں (ابوالکلام آزاد) اتنا اضافہ کرتا ہوں کہ تیسری منزل الحاد ہے۔'' (مولانا آزاد کی کہانی خود ان کی زبانی، مرتبہ عبدالرزاق ملیح آبادی، ص۳۸۱)

''مولانا اسماعیل غزنوی صاحب مرزا قادیان کے پہلے خلیفہ حکیم نورالدین کے داماد تھے۔'' (کاروان احرار، جلد۲، از مرزا غلام نبی جانباز)

میری معلومات کے مطابق مولانا اسماعیل غزنوی، حکیم صاحب کے داماد نہیں بلکہ نواسہ تھے۔ مرزا محمد حسین صاحب، مولفہ ''انکار ختم نبوت'' جو مرزائیوں کے خلیفہ ثانی مرزا بشیرالدین محمود کے خاندان کی تمام مستورات کے عرصہ تک اتالیق رہے اور بلحاظ عقیدہ اہلحدیث تھے، یہ خونی رشتہ بیان کرتے ہوئے صفحہ ۱۰۹ پر مزید بتاتے ہیں۔

"لیکن وہ (اسماعیل صاحب) ممتاز اہلحدیث تھے۔ مگر ان کو نانا سے جذباتی لگاؤ تھا۔ جب مرزا محمود نے حکیم مذکور کے بیٹوں کو جماعت سے نکال باہر کیا اور ان کے خلاف طوفانی پروپیگنڈہ کیا تو مولانا غزنوی نے بھی مرزا محمود سے نبرد آزمائی کی۔"

بنابریں مولوی عبدالواحد غزنوی خطیب چینیانوالی مسجد، لاہور، حکیم نورالدین بھیروی کے داماد، مولانا داؤد غزنوی صاحب کے سگے چچا اور مولانا اسماعیل غزنوی کے باپ، اسماعیل غزنوی صاحب کا اپنے نانا کی نسبت سے مرزا بشیر الدین محمود کے پاس بھی مدت سے آنا جانا رہا۔ ڈاکٹر محمد حسین بھٹی مرحوم (حافظ آبادی) نے ایک ملاقات میں بتایا کہ میں اور مولانا ثناء اللہ صاحب، امرتسر میں ہمسائے تھے۔ مولانا موصوف کی اہلیہ اور مرزا بشیر الدین محمود کی بیوی، رشتے میں دور و نزدیک کی بہنیں تھیں اور وہ کبھی کبھار ملنے کو ان کے گھر آیا کرتی تھی۔

جزوی فضیلت اور امکان نظر کے بارے میں قادیانی بھی محولہ بالا عقائد رکھتے ہیں۔

☆مرزا قادیانی اور اس کے شیطانی چیلوں نے جس دریدہ ذہنی اور زہر افشانی کا مظاہرہ کیا۔ اسے تحریر میں لاتے ہوئے قلم کانپتا ہے۔ بازو پر رعشہ طاری ہو جاتا ہے۔ آنکھیں خون کے آنسو روتی ہیں۔ اور روح تڑپتی ہے۔ لیکن دوسری طرف وقت پکار پکار کر کہتا ہے کہ آمنہ کے لال کے دیوانوں اور پروانوں کو بتادو کہ سرور کونین ﷺ کی عزت و ناموس پر قادیانی مرتد کس طرح حملہ آور ہو رہے ہیں۔ بغض و عناد کے زہر میں بجھے ہوئے اُن کے زہریلے قلم، کملی والے آقا کی شان میں کیا کیا گستاخیاں کر رہے ہیں اور اُن کے منہ میں بچھو نما زبانیں سرور دو عالم ﷺ کے لائے ہوئے دین حنیف کو کس طرح ڈنک مار رہی ہیں۔ لہٰذا ذہن و ضمیر پر بار گراں محسوس کرنے کے باوجود یہ دل آزار اور روح فرسا تحریریں نقل کی جاتی ہیں (نقل کفر، کفر نباشد)۔ جن کے ہر حرف سے کفر و الحاد کا ایک طوفان اٹھتا ہے۔

تحذیر الناس اہلحدیث کی نظر میں

مولوی قاسم نانوتوی کی کتاب "تحذیر الناس" ختم نبوت جیسے مقدس عقیدے کے خلاف گھناؤنی سازش تھی جس کی حمایت اس وقت بھی کسی نے نہیں کی۔ جیسا کہ مولوی اشرف علی تھانوی نے "افاضات الیومیہ ج 5، ص 296" پر لکھا ہے کہ "جب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے کتاب تحذیر الناس لکھی تو سب نے مولانا محمد قاسم صاحب کی مخالفت کی بجز مولانا عبدالحیٔ کے۔"

اور آج بھی مختلف مکاتب فکر کے لوگ اس کتاب کو عقیدۂ ختم نبوت کے خلاف سازش ہی سمجھتے ہیں۔ اہلحدیث مکتب فکر کے لوگوں نے بھی اس کا بھرپور رد کیا اور امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدے اور نظریے پر مہر تصدیق ثبت کر دی کل تک جو لوگ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی پر مسلمانوں کی تکفیر کا الزام لگاتے تھے آج اسی تکفیر کی تصدیق کر رہے ہیں۔ جو ثبوت ہے اس بات کا کہ مفکر اعلیٰ حضرت ہی اصل دین و ایمان ہے اور کیوں نہ ہو کہ بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ کے مقبول غلاموں میں امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ممتاز مقام کے حامل ہیں۔ واللہ الحمد

ذیل میں ہم دو وہابی علماء (جو چوٹی کے غیر مقلد مولوی ہیں) کی تحریرات کے عکس دے رہے ہیں جس میں انہوں نے تحذیر الناس کو صریح کفریہ عبارات پر مبنی قرار دے کر حسام الحرمین پر مہر تصدیق ثبت کر دی یہ ثبوت ایک طرف الفضل ما شہدت بہ الاعداء کا صحیح مصداق ہیں تو دوسری طرف دیوبندی مکتب فکر کے لیے لمحۂ فکریہ۔ کہ آخر کیوں ان کے چچازاد بھائی (غیر مقلدین) ان کا ساتھ چھوڑ گئے ہیں؟ یاد رہے مولوی ثناء اللہ امرتسری نے فتاویٰ ثنائیہ میں دونوں کو چچازاد بھائی قرار دیا ہے۔

علماءِ دیوبند کی پیشکش کا خیر مقدم

13 مئی 2010ء کو روزنامہ ''پاکستان'' میں ''علماءِ دیوبند پر اعتراضات اور ہماری گذارشات'' کے عنوان سے جناب عبدالرؤف فاروقی صاحب کا ایک کالم نظر سے گزرا پھر 2 جون کو انہیں صاحب کا ایک کالم ''علماءِ دیوبند پر اعتراضات یا الزامات'' بھی دیکھنے کو ملا۔ ان دونوں کالموں میں موصوف نے ''علماءِ دیوبند'' کا دفاع کرتے ہوئے علماءِ اہلسنت (بریلوی) کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا۔ چونکہ تاریخ بہرحال تاریخ ہے اس میں ہیر پھیر کسی بھی معاشرہ میں اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا اور جتنے بھی اندھیرے چھا جائیں حقائق کا پھر بھی حق تسلیم کیا گیا ہے کہ ان کا اظہار کیا جائے۔ اس لیے چند سطور نذر قارئین ہیں۔ کالم نگار نے ''اکابر علماءِ دیوبند'' کی کتب ''حفظ الایمان''، ''تحذیر الناس''، ''براہین قاطعہ'' اور ''فتاویٰ رشیدیہ'' کی کچھ عبارات پر ایسے حالات میں گفتگو کی دعوت دی ہے جب قوم پہلے ہی بہت سے مسائل میں الجھی ہوئی ہے۔ ہاں اس لحاظ سے یہ بحث ماحول سے متعلق ہے کہ آج کل گستاخانہ خاکوں کے خلاف تحفظ ناموس رسالت کی صدا بلند کی جا رہی ہے اور یہ موضوع بھی ناموس رسالت سے متعلق ہے۔ ان عبارات کے بارے میں کالم نگار نے ایک مناظرہ کا حوالہ دے کر علماءِ دیوبند کی ان سے گلوخلاصی کا سہارا تلاش کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''جب علامہ محمد اقبال (مرحوم) کی سربراہی میں محاکمہ کے لیے بادشاہی مسجد لاہور میں ایک عوامی عدالت لگانے کا فریقین میں طے ہو گیا تو علماءِ دیوبند کی طرف سے نمائندہ مولانا محمد منظور نعمانی لاہور تشریف لے آئے لیکن بریلوی مکتبہ فکر کے نامزد نمائندے مولانا حشمت علی تشریف نہ لائے۔ ان جملوں میں کالم نگار نے کئی جھوٹی باتوں کو قومی پریس کا حصہ بنانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ بادشاہی مسجد میں کوئی مناظرہ طے ہوا اور نہ ہی ان شخصیات کے درمیان مناظرہ تھا جن کا نام کالم نگار نے لیا۔ جس مناظرہ کا کالم نگار نے تذکرہ کیا

یہ مسجد وزیر خان میں ہونا قرار پایا تھا۔ اس پر فریقین کے دستاویزی ثبوت (جو بوقت ضرورت دکھائے جا سکتے ہیں) موجود ہیں اور اس وقت کا لٹریچر بھی گواہ ہے۔ انجمن حزب الاحناف کے ناظم اعلیٰ حضرت ابوالبرکات سید احمد صاحب اور دیوبندی تنظیم جمعیت الاحناف کے سیکرٹری سردار محمد کے درمیان متعدد زعماء کی موجودگی میں طے پایا، ۱۵ شوال ۱۳۵۲ھ مسجد وزیر خان میں فیصلہ کن مناظرہ ہو گا۔ اس میں اہلسنت حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا خان کو مناظرہ کے لیے لائیں گے اور علماءِ دیوبند اپنے چوٹی کے عالم اشرف علی تھانوی کو لائیں گے۔ مناظرہ کے اشتہارات کئی دن پہلے آویزاں کر دیئے گئے۔ لوگوں کو اس دن کا بڑا شدت سے انتظار تھا لیکن جب یہ دن آیا چشم فلک اور ہزاروں لوگ گواہ ہیں کہ حضرت مولانا محمد حامد رضا خان صاحب تو بریلی شریف سے لاہور پہنچ گئے مگر دیوبندی مناظر اشرف علی تھانوی نہیں پہنچے اور نہ اپنا کوئی وکیل بھیجا۔ یہ علماءِ دیوبند کی واضح شکست تھی۔ جب علماءِ دیوبند نے خفت مٹانے کے لیے درخواست کی کہ ہمارے مولانا منظور احمد نعمانی کو ہمارے تھانوی صاحب کا وکیل مان لیا جائے تو حضرت مولانا محمد حامد رضا خان صاحب نے کمال فراخدلی سے انہیں قبول کر لیا حالانکہ ان کے پاس تھانوی صاحب کی طرف سے کوئی وکالت نامہ نہیں تھا اور اپنی طرف سے حضرت مولانا حشمت علی خان صاحب جو سٹیج پر موجود تھے انہیں نعمانی صاحب کے ساتھ مناظرہ کا حکم فرمایا۔ نعمانی صاحب نے جتنی شرائط پیش کیں وہ حضرت مولانا حشمت علی خان نے منظور کر لیں مگر نعمانی صاحب نے مولانا حشمت علی خان صاحب کی یہ معمولی شرط کہ ''چار مسائل میں سے دو آخری تقریر میری ہو گی اور دو میں آپ کی ہو گی'' ماننے میں ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا اور یوں مناظرہ سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ ۱۹۳۳ء میں تو نعمانی صاحب بچ نکلے، مگر ۲۵ اپریل ۱۹۳۵ء کو بریلی شریف میں جہاں وہ رہائش پذیر تھے اہلسنت کے نمائندے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سردار احمد صاحب کے سامنے چار دن کے مناظرہ میں ان عبارات کے داغ نہ دھو سکے بالآخر انہیں بریلی شریف سے نکلنا پڑا اور اپنا ماہنامہ ''الفرقان'' بریلی سے بند کر کے لکھنؤ سے نکالنا پڑا۔ کالم نگار نے یہ بھی لکھا ''آئین پاکستان میں تحفظ ناموس رسالت کے طور پر دفعہ ۲۹۵ سی موجود ہے۔ اگر بریلوی مکتب فکر کے موجودہ راہنما علماءِ دیوبند کی ان تحریروں کو توہین رسالت پر مشتمل سمجھتے ہیں تو انہیں ان تحریروں کو عدالت عالیہ میں لے جانے سے کس نے روکا ہے''؟ اس پر

صرف اتنا کہوں گا کہ جن علماءِ دیوبند کی یہ عبارتیں ہیں وہ تمام تو دنیا سے جا چکے ہیں، اب ان پر اس ۲۹۵سی کے تحت مقدمہ کے لیے عدالت جانے کا کیا فائدہ ہے؟ ہم ان عبارات کو گستاخانہ سمجھتے ہیں تو ہمارا ضمیر یہ گوارا نہیں کرتا کہ ہم زندوں میں سے کسی پر ۲۹۵سی کے تحت ایف آئی آر درج کروانے کے لیے اسے یہ گستاخانہ لفظ بولنے کی ترغیب دیں۔ جہاں تک کالم نگار کا یہ کہنا ہے کہ "محترم مجیب الرحمٰن شامی کی سربراہی میں غیر جانبدار افراد پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جائے اور اس کے سامنے دیوبندی، بریلوی دونوں فریق اپنا اپنا موقف پیش کریں اور اس کمیٹی کا فیصلہ امت کو فرقہ واریت کی آگ سے بچانے کا باعث ہوگا۔ بندہ اس تجویز سے متفق ہے از سرِ نو یہ دفتر کھلنا چاہیے چونکہ کالم نگار کا شخصی اور علمی محل وقوع ہمیں معلوم نہیں ہے۔ اگر جسٹس (ر) محمد تقی عثمانی جیسی کوئی شخصیت اپنے اکابر کی عبارات کی ذمہ داری قبول کرے تو ہم فرقہ واریت کی آگ بجھانے کے لیے اصول مناظرہ کی روشنی میں ان شاء اللہ تعالیٰ ایسی علمی نشست کے انعقاد کا خیر مقدم کریں گے۔ بندہ علماء اہلسنت کی طرف سے اپنے آپ کو پیش کرتا ہے اور میری تجویز ہے کہ فیصلہ کے لیے ڈاکٹر محمد عبدالقدیر خان، جسٹس محمد افتخار چوہدری اور محترم مجید نظامی پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جائے۔ کالم نگار نے تحریک پاکستان میں علماءِ اہلسنت کے روشن کردار کو بھی بے جان تنقید کا نشانہ بنا کر اپنی "خانہ ساز تاریخ" کو قومی تاریخ بنانا چاہا ہے۔ یہ ساری دنیا جانتی ہے کہ پاکستان کی اساس دو قومی نظریہ ہے۔ برصغیر میں دو قومی نظریہ کی ترویج حضرت مجدد الف ثانی، حضرت امام فضل حق خیرآبادی اور حضرت امام احمد رضا خان بریلوی ایسے اکابر اور ان کے خلفاء و تلامذہ نے کی ہے۔ علماء دیوبند نہ صرف یک قومی نظریہ کے قائل بلکہ پُرزور مبلغ بھی تھے۔ "ملت از وطن است" کا نظریہ ان (علماء دیوبند) کے دل و دماغ میں چھایا ہوا تھا کہ اس نظریے کی بنیادیں قرآن و سنت سے معاذ اللہ ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ آبِ کوثر سے پھسل کر یوں برلبِ گنگا پہنچے کہ "اکھنڈ ہندوستان کانفرنس" ایسے اجتماعات میں کانگریسی سوچ کے کھیت کو پانی دیتے رہے۔ جب علماء و مشائخ اہلسنت قائداعظم کے ہمراہ پاکستان کی خاطر آبلہ پائی کر رہے تھے تو یہ "حضرات" گاندھی کو منبروں پہ بٹھا کے "رسول السلام" کے نعرے لگا رہے تھے۔ ان کی وحدت ہند اور متحدہ قومیت کی بولی سے مصورِ پاکستان علامہ محمد اقبال اتنے بیزار ہوئے کہ ایک نظم میں ان کے اس کردار کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

مرا اے کاش کہ مادر نہ زادے

اے کاش کہ مجھے ماں جنم نہ دیتی

جب ان لوگوں نے مسجد و منبر کو متحدہ قومیت کا اکھاڑا بنا دیا تو علامہ اقبال نے شیخ حسین احمد مدنی اور ان کے ہمنواؤں کی شان میں قصیدہ لکھ دیا جس کا پہلا شعر ہے:

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ

ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است

کالم نگار کو عبارات اکابر کے بارے میں علامہ اقبال مرحوم کا فیصلہ صادر نہ ہو سکنے پر حسرت ہے مگر یہ فیصلہ جو "کلیات اقبال" میں چھپا ہوا اس سے تو اپنی حسرت مٹا لینی چاہیے۔ کالم نگار نے تحریک پاکستان، مسلم لیگ اور قائداعظم کے حوالے سے علماءِ اہلسنت کے خلاف بڑا زہر اگلا ہے۔ اگر وہ اپنے مولانا ظفر علی خاں کی "چمنستان" سے عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب کے یہ الفاظ پڑھ لیں کہ "جو مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے وہ سؤر کھانے والے ہیں۔" "رپورٹ تحقیقاتی عدالت" سے مولوی مظہر علی اظہر احراری کا یہ قول پڑھ لیں کہ "یہ قائداعظم ہے کہ کافرِ اعظم"۔ "خطباتِ احرار" سے پڑھ لیں "ہم پاکستان کو پلیدستان سمجھتے ہیں۔" رپورٹ "تحقیقاتی عدالت" سے اپنے شاہ صاحب کے الفاظ پڑھ لیں کہ "پاکستان ایک بازاری عورت ہے۔" تو ان کی آنکھوں سے سارے پردے ہٹ جائیں۔ یہ کائنات کا واضح سچ ہے۔ جب طبقہ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا کہ پاکستان کی "پ" بھی نہیں بننے دیں گے اس وقت ہزاروں علماء و مشائخ اہلسنت آل انڈیا بنارس سنی کانفرنس (اپریل ۱۹۴۶ء) میں برملا اعلان کر رہے تھے ہم پاکستان کی "ن" بھی بنا کے چھوڑیں گے۔ علماء اہلسنت نے بحیثیت جماعت تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا اور صرف چند حضرات پیچھے رہ گئے مگر علماء دیوبند نے جماعتی طور پر پُرزور مخالفت کی اور اگر کسی نے کچھ کیا تو انفرادی طور پر کیا۔ تحریک پاکستان کے محرمِ راز "تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء" کے مصنف چوہدری حبیب احمد سے اگر فیصلہ کروا لیا جائے تو اچھا رہے گا۔ وہ کہتے ہیں کہ علماء دیوبند نے تقریباً ستانوے فیصدی (97%) قیام پاکستان کی مخالفت کی۔ میں کہتا ہوں علماء اہلسنت نے ساڑھے ننانوے فیصد (99.5%) قیام پاکستان کی حمایت کی ہے۔ بھارت میں اہلسنت کا مرکز بریلی شریف آج بھی غیرتِ ملی کا مظہر ہے مگر دارالعلوم دیوبند سے آج بھی یہ فتویٰ ہے کہ "گائے کی قربانی ناجائز ہے

کیونکہ ہندوؤں کی دل آزاری ہوتی ہے۔" ہمارے اکابر انڈیا سے ہمارے جلسوں میں آتے رہتے ہیں مگر ہمیں آج تک ایسی صورت حال کا سامنا نہیں کرنا پڑا جیسی صورت حال کشمیر کے تذکرہ کی بدولت پشاور کی دیوبند کانفرنس میں پیش ہوئی تھی۔ کالم نگار نے ملک میں ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کو جلا دینے والی دہشت گردی کی آگ کو صلیبی جنگوں کے خلاف مزاحمتی تحریک کہا اور اس میں مصروف لوگوں کو مجاہدین کہا۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ تمام تحریک خودکش دھماکوں پر بنی ہے جنہیں علماء دیوبند اور مفتیان سعودی عرب بھی اعلانیہ حرام کہہ چکے ہیں۔ اگر علماء دیوبند کا اس سلسلہ میں کوئی خفیہ فتویٰ ہے تو کالم نگار کو چاہئے کہ اسے منظر عام پہ لائیں وگرنہ زبان فتویٰ اور زبان صحافت میں اتنا فرق کیوں ہے؟ پاکستان میں مسجدوں میں نمازیوں کو، سکولوں میں بچوں کو ہسپتالوں میں مریضوں کو، حالت افطار میں روزہ داروں کو، گذرگاہوں میں مسافروں کو اور ٹریننگ سنٹروں میں سپاہیوں کو جلا کے راکھ کرنے والے واقعی "داستان حریت" رقم کر رہے ہیں تو علماء دیوبند کو یہ سہرا کھل کر اپنے سر لینا چاہئے تا کہ قوم کی آنکھیں مزید کھل جائیں۔ امریکہ مسلمانوں کا ازلی دشمن ہے جیسے آج اسے دشمن نہ سمجھنا غلطی ہے ایسے ہی کل اسے دوست سمجھنا بھی غلطی تھی جس کا خمیازہ آج بھگتنا پڑ رہا ہے۔ ہماری تو یہ واضح رائے ہے کہ پاکستان کی بقا اسی میں ہے کہ اسے امریکا اور اس کے حواریوں سے بچایا جائے مگر جدوجہد کا طریقہ ایسا ہو کہ کہیں عینک کے حصول کی خاطر آنکھ ہی نہ نکل جائے۔

(ڈاکٹر مفتی محمد اشرف آصف جلالی)
بانی
ادارہ صراط مستقیم لاہور پاکستان

نواز شریف اور قادیانیت

مسلم لیگ (ن) کے قائد میاں نواز شریف نے اپنے ایک اخباری بیان میں منکرین ختم نبوت قادیانیوں کو ملک کا سرمایہ اور اثاثہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ وہ ہمارے بہن بھائی ہیں۔ (روزنامہ جنگ لاہور 6 جون 2010ء)

میاں نواز شریف کا یہ بیان اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت اور دوری کا نتیجہ ہے۔ قادیانیوں کو ان کے کفریہ عقائد کی بنا پر ملک کی منتخب پارلیمنٹ نے متفقہ طور پر 7 ستمبر 1974ء کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ اپریل 1984ء میں ایک آرڈیننس کے ذریعے انہیں شعائر اسلام استعمال کرنے سے روک دیا گیا۔ قادیانیوں نے آج تک اس ترمیم اور قانون کو تسلیم نہیں کیا۔ بلکہ ہمیشہ اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس کا تمسخر اڑایا ہے۔ مفکر پاکستان حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے پنڈت جواہر لال نہرو کے نام ایک خط میں کہا تھا 'قادیانی اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں' اندازہ کیجئے کہ جس گروہ کو علامہ اقبال غدار کہہ رہے ہیں، جناب نواز شریف انہیں اپنا بھائی قرار دے رہے ہیں۔ اقتدار کی ہوس اور بے قراری کی وجہ سے نواز شریف نے قادیانیوں کو بھائی کہہ کر کروڑوں مسلمانوں کی دل آزاری کی ہے۔ انہوں نے یہ بیان ایسے موقع پر دیا جب توہین آمیز خاکوں پر مسلمان پہلے ہی سراپا احتجاج ہیں۔

سیاست اگر دوغلے پن کا نام ہے تو میاں نواز شریف ایک کامیاب سیاست دان ہیں۔ سیدھی راہوں کے اس ٹیڑھے مسافر نے پاکستان میں پیسے کی سیاست کو متعارف کروایا اور کامیاب رہا۔ زراندوزی ان کی سیاست کا کلیدی منشور رہا ہے، وہ خود کو قائداعظم ثانی کہلواتے اور خوش ہوتے ہیں۔ خوشامدی کالم نگاروں اور مالشیے کارکنان نے ان کی تاریخ پیدائش 16 دسمبر کی بجائے 25 دسمبر مقرر کی تاکہ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے یوم پیدائش کے ساتھ ہی نواز شریف کی سالگرہ منائی جائے اور ملک بھر

میں تقریبات منعقد ہوں۔ یہ تاریخ کا المیہ تو اور کیا ہے کہ نواز شریف کا نام قائداعظم ایسی عظیم شخصیت کے ساتھ لیا جانے لگا۔

ظالموں نے یہ بھی نہ سوچا کہ کہاں قائداعظم اور کہاں میاں نواز شریف؟؟

نواز شریف آئی جے آئی کے نام سے بننے والے اتحاد کے صدر بھی رہے۔ جس کا منشور تھا کہ برسراقتدار آنے کے بعد ملک میں مکمل اسلامی نظام نافذ کیا جائے گا۔ دینی سیاسی جماعتوں کے کندھوں پر بیٹھ کر وہ برسراقتدار آئے تو مغربی محبوب کی طرح اپنے تمام وعدے بھول گئے۔ میاں نواز شریف اینڈ کمپنی نے اسلام اور پاکستان کو درپردہ جتنا نقصان پہنچایا، اس کی تلافی شاید مستقبل بعید میں بھی نہ ہو سکے۔ ذیل میں ایسے ہی چند ایک حقائق مختصراً پیش کیے جا رہے ہیں۔ ان کا مطالعہ یہ بتائے گا کہ میاں نواز شریف اور ان کی پارٹی کو اسلام اور پاکستان سے کتنی محبت ہے؟

معتبر ذرائع کے مطابق میاں نواز شریف اپنے دور حکومت میں پارلیمنٹ کی طرف سے متفقہ طور پر منظور کی جانے والی قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے متعلق 1974ء کی ترمیم کو ختم کرنے والے تھے اور اگر خدانخواستہ اقتدار کے نشے میں بدمست حکمران ایسا کر دیتے تو ملک ایک بدترین بحران میں مبتلا ہو جاتا۔ اپریل 1999ء کی بات ہے کہ میاں نواز شریف نے کابینہ کا ہنگامی اجلاس بلایا جس میں انہوں نے اپنے قابل اعتماد اراکین اسمبلی کو بھی شمولیت کی دعوت دی۔ اجلاس میں انہوں نے ملک کی تباہ کن اقتصادی صورتحال کا تفصیلی تجزیہ پیش کیا اور کابینہ کے ارکان سے کہا کہ 'میں آئین میں ایک معمولی ترمیم کرنے والا ہوں جس کے نتیجہ میں مغربی ممالک بالخصوص آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک سے حاصل کردہ پاکستان کے تمام قرضے معاف ہو جائیں گے۔ آپ لوگ اس ترمیم کے سلسلہ میں میرا بھرپور ساتھ دیں۔ اس ترمیم کی وقتی طور پر مخالفت ہو گی جس کی ہمیں پرواہ نہیں کرنا چاہئے اور اگر کوئی تحریک بھی چلائے گا تو ہم اسے سختی سے کچل

کر رکھ دیں گے'۔ کابینہ کے ارکان خوشی سے پھولے نہیں سمائے انہوں نے حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبات سے سرشار ہو کر پوچھا کہ 'آئین کی کونسی ایسی دفعہ ہے جس کے حذف کر دینے سے ہمارے تمام بیرونی قرضے معاف ہو جائیں گے اور پاکستان خوشحال و ترقی کی نئی شاہراہ پر گامزن ہو جائے گا؟

میاں نواز شریف نے کہا کہ 'آئین میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے والی دفعہ' اس پر اجلاس میں سناٹا چھا گیا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد سابق وفاقی وزیر راجہ ظفر الحق ہمت کر کے کھڑے ہوئے اور میاں نواز شریف کو مخاطب کر کے کہا 'میاں صاحب! یاد رکھیے ہم نے ہمیشہ آپ کا جائز و ناجائز ساتھ دیا اور آپ کے ہر حکم کی تعمیل کی۔ مگر ختم نبوت کا مسئلہ ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ قادیانی ختم نبوت کے منکر ہیں۔ وہ نبی کریم ﷺ کے مقابل جھوٹے مدعی نبوت مرزا قادیانی کو پیش کرتے ہیں (نعوذ باللہ) قادیانی مذہب سامراج کا خود کاشتہ پودا ہے، جس کا مقصد اسلام کو نقصان پہنچانا ہے۔ خود علامہ اقبال نے کہا تھا کہ قادیانی اسلام اور وطن دونوں کے غدار ہیں۔ قادیانیوں نے حضرت قائداعظم کا جنازہ بھی اس لیے نہیں پڑھا تھا کہ وہ مرزا قادیانی کو نبی نہیں مانتے تھے۔ مسلمانوں نے بے پناہ قربانیوں کے نتیجے میں انہیں کیفر کردار تک پہنچایا۔ 7 ستمبر 1974ء کو ملک کی منتخب پارلیمنٹ نے متفقہ طور پر قادیانیوں کو ان کے کفریہ عقائد کی بنا پر آئین میں ایک ترمیم کے ذریعے غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ اب اگر آپ یہ ترمیم واپس لے کر قادیانیوں کو مسلمانوں کا درجہ دینا چاہتے ہیں تو یاد رکھیں کہ امت مسلمہ آپ کو اور ہمیں معاف نہیں کرے گی۔ مسلمان ہر چیز برداشت کر سکتا ہے مگر حضور نبی کریم ﷺ کی عزت و ناموس پر حملہ آوروں کو کسی صورت میں معاف نہیں کر سکتا'۔

اس موقع پر راجہ ظفر الحق جذباتی ہو گئے اور میاں نواز شریف کو مخاطب کر کے کہا 'میاں صاحب! آپ شوق سے یہ ترمیم کریں لیکن سب سے پہلے میرا استعفیٰ قبول کریں۔ میں

آپ کے ساتھ مزید کام کرنے کے لیے تیار نہیں' راجہ ظفر الحق کی جرأت کام آ گئی۔ ان کے دیکھا دیکھی باقی ارکان کو بھی ہمت ہوئی۔ ایک دو کو چھوڑ کر اکثریت نے نواز شریف کے اس فیصلے کی مخالفت کی اور کہا کہ اس ترمیم کے بعد ہم مسلمانوں کا سامنا نہیں کر سکتے۔ جب میاں نواز شریف نے دیکھا کہ پوری کابینہ اس مسئلہ پر متفق ہے اور اپنی ناراضگی کا اظہار کر رہی ہے تو انہوں نے کھسیانے ہو کر اپنی شرمندگی چھپاتے ہوئے کہا 'نہیں نہیں، میرا مقصد اس ترمیم کو ختم کرنا نہیں تھا بلکہ میں نے تو آپ کے سامنے ایک تجویز رکھی تھی۔ اگر آپ حضرات کو یہ تجویز منظور نہیں تو میں آپ کے ساتھ ہوں'۔

معزول وزیر اعظم میاں نواز شریف نے پاکستان پیپلز پارٹی کے مرکزی راہنما چوہدری اعتزاز احسن کو سپریم کورٹ میں نئے آرڈیننس کے خلاف پٹیشن اور ہیلی کاپٹر کیس میں پیروی کے لیے اپنی طرف سے وکیل مقرر کیا۔ یہ وہی اعتزاز احسن ہیں جنہوں نے 12 مئی 1990ء کو پارلیمنٹ میں شریعت بل پر تقریر کرتے ہوئے اسلام اور شریعت کے بارے میں ایسے توہین آمیز الفاظ استعمال کیے جن سے حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کا تاثر ملتا ہے۔

نامور صحافی چوہدری غلام حسین نے اپنے پرچہ 'سیاسی لوگ' میں چوہدری اعتزاز احسن پر الزام لگایا تھا کہ ان کا خاندان قادیانی ہے۔ ان کی بیگم بشریٰ قرآن وسنت کے قوانین کے نفاذ کے خلاف جلوسوں میں پیش پیش رہتی ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ خود میاں نواز شریف نے 1989ء میں جب چوہدری اعتزاز احسن وزیر داخلہ تھے، الزام عائد کیا تھا کو انہوں نے مشرقی پنجاب کے علیحدگی پسند سکھوں کی فہرستیں بھارتی حکومت کے حوالے کر دی ہیں اور مسلم لیگ نے آج تک اس الزام کو واپس نہیں لیا۔

1987ء میں جب رفیق تارڑ لاہور ہائی کورٹ میں جسٹس کے عہدہ پر فائز تھے، 28 جون کو ان کے پاس شعائر اسلامی کی توہین کے سلسلہ میں ایک کیس ملک جہانگیر

جوئیہ بنام سرکار سماعت کے لیے منظور ہوا۔ اس کیس میں قادیانی وکیل شیخ مجیب الرحمٰن (جو قادیانی جماعت کے موجودہ سربراہ مرزا مسرور کا دست راست ہے) نے بھری عدالت میں اقرار کیا کہ 'مدعی نبوت مرزا قادیانی (نعوذ باللہ) محمد رسول اللہ کا درجہ رکھتا ہے اور ہر قادیانی کا یہی عقیدہ ہے'۔ اس سلسلہ میں اس نے مرزا قادیانی کے بیٹے مرزا بشیر احمد ایم اے کی کتاب 'کلمۃ الفصل' کا مندرجہ ذیل اقتباس پڑھا کہ 'پس مسیح موعود (مرزا قادیانی) خود محمد رسول اللہ ہے جو اشاعت اسلام کے لئے دوبارہ دنیا میں تشریف لائے اس لیے ہم کو کسی نئے کلمہ کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر محمد رسول اللہ کی جگہ کوئی اور آتا تو پھر ضرورت پیش آتی' (کلمۃ الفصل، ص 158)

مجھے یاد ہے کہ مجیب الرحمٰن ایڈووکیٹ کی اس بات پر تارڑ صاحب بہت پریشان ہوئے اور مجیب الرحمٰن کے اپنے عقیدہ پر اصرار کرنے اور مرزا قادیانی کو بار بار 'محمد رسول اللہ' کہنے پر خوب سوال و جواب اور تکرار ہوئی۔ اس کا تفصیلی ذکر انہوں نے اپنے فیصلے میں بھی کیا (دیکھئے پی ایل ڈی 458 لاہور 1987ء) اس کیس میں حکومت کی طرف سے جناب خلیل الرحمٰن رمدے بطور ایڈووکیٹ جنرل پنجاب پیش ہوئے تھے، جو آج کل سپریم کورٹ میں جسٹس کی حیثیت سے اپنے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ انہوں نے بھی مجیب الرحمٰن قادیانی ایڈووکیٹ کے گستاخانہ عقیدہ اور توہین عدالت پر مبنی رویہ کی نہ صرف مذمت کی بلکہ ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے بار بار عدالت کی توجہ اس طرف مبذول کروائی۔

تماشہ یہ ہے کہ یہی مجیب الرحمٰن قادیانی ایڈووکیٹ نواز شریف دور میں صدر تارڑ کی منظوری سے بھاری بھر کم تنخواہ مراعات کے عوض احتساب سیل میں حکومت کی طرف سے نامزد وکیل تھا۔ پھر معزول وزیر اعظم میاں نواز شریف نے اپنے والد میاں شریف کے مشورہ سے ہیلی کاپٹر کیس میں پیروی کے لیے راولپنڈی سے اسی قادیانی وکیل

مجیب الرحمٰن ایڈووکیٹ کو اپنا وکالت نامہ دستخط کر کے بھجوایا اور وہ اس کیس میں میاں نواز شریف کی طرف سے اٹک قلعہ میں پیش ہوا۔

کراچی سے کثیر الاشاعت ہفت روزہ 'وجود' کی رپورٹ کے مطابق 'میاں نواز شریف نے سپریم کورٹ میں اعتزاز احسن اور احتساب عدالت میں مجیب الرحمٰن کو اپنا وکیل بنایا ہے۔ اس کے علاوہ قادیانیوں سے نواز شریف نے مختلف ذرائع سے مزید رابطے بھی کیے ہیں اور اپنی جان بچانے کی درخواست کی ہے، جس کے ثبوت جلد ہی منظر عام پر آ جائیں گے' (ہفت روزہ وجود کراچی، 20 جون 2000ء)۔

طیارہ سازش کیس میں میاں نواز شریف کی طرف سے پیش ہونے والے تیسرے وکیل خواجہ سلطان احمد مکمل بے دین اور اسلام دشمن نظریات کے حامل ہیں۔ سلامت مسیح نامی توہین رسالت کیس میں انہوں نے 23 فروری 1995ء کو لاہور ہائی کورٹ میں توہین رسالت کے ملزمان کی وکالت اور قادیانیوں کا دفاع کرتے ہوئے عجیب استدلال اختیار کیا کہ (بایں الفاظ) ایک دوسرے کو کافر قرار دینے کی روایت سی پڑ گئی ہے۔ بعض لوگوں کو دوسرے فرقے کے لوگ کافر قرار دے دیتے ہیں اور تو اور بعض افراد کو اس لیے بھی کافر قرار دے دیا جاتا ہے کہ وہ حضرت محمد ﷺ کے آخری نبی ہونے پر یقین نہیں رکھتے۔

طیارہ سازش کیس میں میاں نواز شریف کے چوتھے وکیل اعجاز حسین بٹالوی تھے جو اپنے سیکولر اور بے دین ہونے کے حوالے سے وکلاء میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ 29 مئی 1974ء کو سانحہ ربوہ پیش آیا۔ قادیانی جماعت نے اپنے غنڈوں کی قیادت میں نشتر میڈیکل کالج کے مسلمان طلباء پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے۔ اس پر پورا ملک سراپا احتجاج بن گیا۔ پنجاب حکومت نے اس واقعہ کی عدالتی تحقیقات کا حکم دیا۔ اعجاز حسین بٹالوی پوری ملت اسلامیہ کی مخالفت کے باوجود قادیانیوں کی طرف سے پیش ہوئے اور

انہوں نے قادیانی جماعت کے عقائد و عزائم کا نہ صرف بھرپور تحفظ کیا بلکہ مسلمانوں کی بھی دل آزاری کی۔

صدر رفیق تارڑ نے بے نظیر کے دور حکومت میں روزنامہ 'نوائے وقت' 22 دسمبر 1996ء کی اشاعت میں اپنے ایک مضمون 'اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین اور غیر مسلم جج صاحبان' میں لکھا 'قادیانیوں کے گرو گھنٹال ڈاکٹر عبدالسلام نے مرزائیوں کو غیر مسلم قرار دینے والی آئینی ترمیم منظور ہونے پر اپنے بیان میں کہا تھا کہ 'میں اس لعنتی ملک (مملکت خداداد پاکستان) کی زمین پر اپنا قدم نہیں رکھنا چاہتا اور المیہ یہ کہ حکومت نے گورنمنٹ کالج لاہور کی لائبریری کو اس شخص سے منسوب کر دیا ہے'۔

پھر اس کے بعد وہ اپنے مضمون میں قادیانیوں کے اسلام کے خلاف روح فرسا اور دل شکن عقائد و نظریات تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ لطیفہ یہ کہ جناب نواز شریف اور تارڑ صاحب کی باہمی رضا مندی سے محکمہ ڈاک نے غدار پاکستان ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کا یادگاری ڈاک ٹکٹ جاری کیا۔

شانِ رسالت میں گستاخان رسول کے مسلسل حملوں کے بعد پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار 1986ء میں قومی اسمبلی نے قانون توہین رسالت منظور کیا البتہ جنت مکانی آپا نثار فاطمہ (ن لیگ کے رہنما احسن اقبال کی والدہ) کی طرف سے پیش کیے گئے اس بل میں یہ ترمیم کر دی گئی کہ شاتم رسول کی سزا 'سزائے موت' یا 'عمر قید' ہوگی۔ اس طرح تعزیرات پاکستان میں 295c کا اضافہ کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی معروف قانون دان جناب محمد اسماعیل قریشی نے وفاقی شرعی عدالت میں یہ پٹیشن دائر کی کہ توہین رسالت کی سزا بطور حد صرف اور صرف سزائے موت مقرر ہے۔ اور حد کی سزا میں حکومت ہی نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ کو بھی سوئی کی نوک کے برابر کمی یا اضافہ کرنے کا اختیار نہیں اور یہ ناقابل معافی جرم ہے اس مقدمہ کی سماعت یکم اپریل 1987ء کو شروع ہوئی۔ وفاقی

شرعی عدالت نے متفقہ طور پر اس پٹیشن کو منظور کرتے ہوئے توہین رسالت کی متبادل سزا عمر قید کو غیر اسلامی اور قرآن وسنت کے خلاف قرار دیا۔ اس یادگار اور تاریخ ساز فیصلہ کے خلاف حکومت نے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کردی۔

☆9 اپریل 1998ء کو وزیر اعظم نواز شریف نے یوم اقبال کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد کی اس تجویز (کہ شریعت بل اتفاق رائے سے منظور کرلیا جائے) پر کہا کہ 'سینٹ میں کچھ ایسے لوگ بیٹھے ہیں جو سرے سے شریعت کے حق میں نہیں ایک رکن نے مجھ سے کہا۔ میں اس فقرہ من وعن آپ کے سامنے دہراتا ہوں کہ' آپ شریعت نافذ کرنا چاہتے ہیں لیکن محمد ﷺ سب سے بڑے ڈکٹیٹر تھے'
(نعوذ باللہ)

اس موقع پر لوگوں نے شور مچایا اور ممبر کا نام پوچھا۔ نواز شریف نے کہا کہ مجید نظامی بھی اس کا نام جانتے ہیں۔ اس موقع پر حاضرین نے اصرار کیا کہ نام بتایا جائے اور اس ممبر کو پھانسی دی جائے۔ نواز شریف نے کہا میرے مینڈیٹ کا تقاضا ہے کہ میں ضروری آئینی تبدیلیاں لاؤں کیونکہ مجھے اللہ نے مینڈیٹ دیا ہے۔ انہوں نے کہا اس رکن اسمبلی نے کہا' اللہ کون ہوتا ہے مینڈیٹ دینے والا۔ یہ مینڈیٹ تو حالات واقعات نے دیا ہے' وزیر اعظم نے ڈاکٹر اسرار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ یہ لوگ اتفاق رائے پیدا کریں گے؟ کیا ان لوگوں کے خیالات قابل معافی ہیں؟ این این آئی کے مطابق میاں نواز شریف نے کہا کی اس بزرگ لیڈر نے مجھے کہا کہ آپ کو خدا نے نہیں، میں نے مینڈیٹ دیا ہے۔ ہال میں موجود خواتین وحضرات نے وزیر اعظم سے مطالبہ کیا کہ شاتم رسول رکن قومی اسمبلی کا نام بتائیں تاکہ اس کو سنگسار کیا جائے لیکن نواز شریف نے نام بتانے سے گریز کیا۔

معروف نام نہاد وسماجی کارکن اور اورنگی پائلٹ پراجیکٹ کراچی کے سابق

ڈائریکٹر اختر حمید خاں کی دریدہ دہنی کس سے پوشیدہ ہوگی؟ 1989ء میں اس نے بچوں کے لیے خوبصورت رنگین کتاب 'شیر اور احمق' شائع کی جسے آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے کراچی میں ہی چھاپا۔ اس منظوم کتاب کو کسی مسلمان کے لیے پڑھنا اور برداشت کرنا ممکن نہیں ہے۔ حیرت اس بات پر کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں مسلمانوں کا سا نام رکھنے والا ایک شخص کھلم کھلا حضور نبی کریم ﷺ اور آپ کے جلیل القدر خلیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی توہین وتحقیر کرتا ہے۔ مسلمانوں کی غیرت کا مذاق اڑاتا ہے عام مسلمانوں کے علم میں اس گستاخی کو لانے کے لیے اللہ سے پناہ مانگتے ہوئے میں یہاں کتاب کے تین اشعار نقل کرنا چاہتا تھا مگر میری ہمت جواب دے گئی ہے۔ کیونکہ اس اشعار میں گستاخی اور دریدہ دہنی کی انتہا کی گئی ہے۔

ڈاکٹر اختر حمید خان کے خلاف آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمات اور مضامین کی اشاعت پر ضلع ملتان میں مقامی وکیل کی رپورٹ پر پولیس نے پرچہ درج کر کے مقدمہ عدالت میں پیش کر دیا تھا جس میں فاضل عدالت نے احکامات کے باوجود پیش نہ ہونے پر اختر حمید کو اشتہاری ملزم قرار دے کر اس کے ناقابل ضمانت وارنٹ گرفتاری جاری کردیئے تھے۔ سندھ ہائی کورٹ نے اختر حمید خان کی عارضی درخواست ضمانت قبل از گرفتاری کی بھی توثیق نہ کرتے ہوئے اسے متعلقہ عدالت سے رجوع کرنے کی ہدایت کی تھی مگر وہ پیش نہ ہوئے۔ جس پر تھانہ گلبہار کے ایک اے ایس آئی بروہی نے ضابطہ فوجداری اور تعزیرات پاکستان میں دیئے گئے اختیارات استعمال کرتے ہوئے اس کی رہائش گاہ واقع حسن سینٹر اقبال سے گرفتار کرلیا۔ 13 جنوری 1992ء کو حکومت سندھ نے اس متنازع کتاب کو اس اعتراف کے ساتھ ضبط کیا کہ اس میں اہانت رسول ﷺ اور مسلمانوں کی دل آزاری کا مواد جان بوجھ کر شامل کیا گیا۔ دریں اثناء ملزم کے خلاف توہین رسالت کے تحت مقدمہ درج ہوا۔

امریکی محکمہ کے ڈائریکٹر انسانی حقوق نے مارچ 1993ء میں امریکہ میں تعینات پاکستان کی سفیر بیگم عابدہ حسین کے ذریعے وزیراعظم میاں نواز شریف کو پیغام پہنچایا کہ اختر حمید خاں کے خلاف توہین رسالت کا مقدمہ واپس لیا جائے۔ چنانچہ میاں نواز شریف کی خصوصی ہدایت پر اختر حمید پر قائم مقدمہ واپس لے لیا گیا بلکہ اسے گرفتار کرنے والے اے ایس آئی بروہی کو بھی معطل کر دیا گیا اور یوں گستاخانِ رسول کو حوصلہ افزائی ہوئی۔

پندرہ روزہ 'پاکیشیا' کراچی اپنی 15 مارچ 1993ء کی اشاعت میں 'سلمان رشدی سے نواز شریف کی خفیہ ملاقات' کے عنوان سے لکھتا ہے کہ '18 فروری کو بی بی سی نے ایک ممتاز بھارتی اخبار 'قومی آواز' کے حوالے سے اپنے ایک نشریے میں بتایا کہ پاکستانی وزیراعظم میاں نواز شریف نے بی بی سی کی عالمی سروس کے ذریعے براہ راست انٹرویو کو عین وقت پر منسوخ کر کے ان تمام لوگوں کو حیرت زدہ کر دیا جو اس پروگرام کا شدت سے انتظار کر رہے تھے۔ اس سے قبل بھارتی وزیراعظم نرسیما راؤ اس پروگرام میں شرکت کر چکے تھے جس کے فوری بعد بی بی سی نے پاکستانی وزیراعظم سے انٹرویو کا پروگرام طے کیا تھا۔ بھارتی اخبار کی اس رپورٹ کے مطابق ان لوگوں کے لیے جو پاکستان کی سیاست پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ وزیراعظم نواز شریف کی جانب سے اس پروگرام کی آخری لمحات میں منسوخی کوئی حیرت کی بات نہیں ہے، کیونکہ نواز شریف نے اس سے پہلے کبھی عالمی پریس کا سامنا نہیں کیا ہے۔ بلکہ صرف ملک کے اندر ہی بیان دیتے رہتے اور پریس کو خوف زدہ کرتے رہتے ہیں۔ رپورٹ میں بعض سفارتی ذرائع کے حوالے سے کہا گیا کہ بی بی سی ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی طرف سے شروع کیا گیا یہ ایک ایسا پروگرام ہے۔ جس کا سامنا کرنے کے لیے کوئی پاکستانی لیڈر تیار نہیں ہے۔ یہ بھی کہا جا رہا کہ وزیراعظم نواز شریف چند ہفتے قبل شاتم رسول سلمان رشدی سے ملاقات کر

چکے ہیں۔ اس لیے انہیں پریشانی تھی کہ اگر کسی نے بی بی سی کے اس کھلے پروگرام میں اس خفیہ ملاقات کے بارے میں سوال کر لیا تو وہ کوئی جواب نہیں دے پائیں گے۔

اخبار کے مطابق مغربی ملکوں میں رہنے والے پاکستانی اس 'خفیہ ملاقات' کے بارے میں جانتے ہیں۔ اور وہ اس بارے میں وزیراعظم سے سوال کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ نہ صرف نواز شریف کو بے نقاب کر دیں گے بلکہ ملک میں ان کے خلاف غم و غصے کی لہر پیدا کر دیں گے * 26 مارچ 1994ء کو نئی دہلی سے شائع ہونے والے انگریزی اخبارات 'نیشنل ہیرالڈ' اور 'دی ایشین ایج' نے سٹاک ہوم سے خبر رساں ایجنسی یو این آئی کے حوالے سے ایک رپورٹ میں کہا کہ پاکستان کے چیف جسٹس اور نواز شریف کے قریبی ساتھی جناب ڈاکٹر نسیم حسن شاہ نے کہا کہ ان کے ملک (پاکستان) میں قادیانی فرقہ کے لوگوں کے ساتھ غیر منصفانہ برتاؤ کیا جا رہا ہے۔ اور انہیں ان کے حقوق سے محروم کیا جا رہا ہے۔ رپورٹ کے مطابق چیف جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ نے جو مقبوضہ کشمیر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے بارے میں اظہار خیال کرنے کے لیے مغربی ملکوں کے دارالحکومتوں کا دورہ کر رہے تھے، انہوں نے یو این آئی سے گفتگو کرتے ہوئے اس بات کا اعتراف کیا کہ پاکستان میں قادیانیوں کے ساتھ زیادتی کی جا رہی ہے۔ انہیں ان کے جائز حقوق نہیں دیے جا رہے ہے۔ رپورٹ کے مطابق چیف جسٹس آف پاکستان نے کہا کہ وہ یقینی طور پر اس غلطی کی اصلاح کے لیے اپنی انتہائی کوشش کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ انہیں سویڈن میں بھی قادیانیوں کے بعض ارکان کی جانب سے پیغامات موصول ہوئے ہیں۔ جنہیں وہ صدر پاکستان تک پہنچائیں گے۔

☆ دسمبر 1992ء میں (سپریم کورٹ میں) جسٹس نسیم حسن شاہ نے ناصر احمد بنام سرکار کیس میں مسلمانوں کی طرف سے اس استدعا کے جواب میں کہ قادیانیوں کو

شعائر اسلام کی بے حرمتی سے روکا جائے، کہا تھا کہ آپ قادیانیوں پر اتنی پابندیاں نہ لگائیں کہ کل کو اگر پاکستان میں قادیانیوں کی حکومت آگئی تو پھر مسلمانوں کا کیا بنے گا؟ اس کے جواب میں سینئر ایڈووکیٹ چوہدری محمد اسماعیل نے کہا کہ جناب! آپ کیسی بات کر رہے ہیں؟ ان شاء اللہ پاکستان میں قادیانیوں کی حکومت کبھی نہیں آسکتی۔ یہ ملک صرف اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے۔ ان شاء اللہ اس کی برکت سے تمام دنیا پر اسلام کی حکومت ہوگئی۔ اس پر عدالت میں موجود تمام مسلمانوں نے بیک زبان ہو کر بلند آواز سے کہا۔ ان شاء اللہ۔ پوری دنیا پر اسلام ہی کی حکومت قائم ہوگئی۔ اس پر عدالت میں جناب نسیم حسن کی حالت دیدنی تھی۔

☆ اس طرح جسٹس جاوید اقبال جو میاں نواز شریف کے قریبی ساتھیوں میں شمار ہوتے ہیں ان کی ہرزہ سرائیوں اور گستاخیوں سے کون ناواقف ہے؟ وہ ہمیشہ قرآن و سنت کی تعلیمات کا مذاق اڑاتے ہیں۔ حدود کی سزاؤں کو وحشیانہ قرار دیتے ہیں۔ وفاقی شرعی عدالت کو زہر قاتل قرار دیتے ہیں۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینا ظلم قرار دیتے ہیں۔ تحریک ختم نبوت 1953ء کو سیاسی قرار دیتے ہیں۔ خلفاء راشدین کے سنہرے دور کو لڑائی جھگڑے کا دور قرار دیتے ہیں۔ پردہ کو دقیانوسی سوچ قرار دیتے ہیں۔ قانون توہین رسالت ﷺ کو (نعوذ باللہ) غیر ضروری قرار دیتے ہیں۔

☆ نواز شریف دور میں اقربا پروری کی انتہا کر دی گئی۔ ایک طرف نوکریوں پر پابندی لگا کر اہل افراد کا حق مارا گیا تو دوسری طرف وزیراعظم کے سفارشی خطوط پر وزارت دفاع جیسے حساس ادارے میں قادیانیوں کو اعلیٰ عہدوں پر بھرتی کیا جاتا رہا۔ سفارشی خطوط کی آڑ میں سول ایوی ایشن کے افسروں نے بھی بہتی گنگا میں ہاتھ دھوئے ہوئے من پسند افراد کو نوکریاں دے ڈالیں۔ وزیراعظم کے حکم پر ان کے پرنسپل سیکرٹری سعید مہدی نے وزیراعظم آفس اسلام آباد لیٹر نمبر

ATT 17/9/99 U.O.No.5617/PSPM/99 جاری کیا جس میں حکم دیا کہ 2A ریس ویو لاہور کے رہائشی ذوالقرنین خان اور مکان نمبر 290 گلی نمبر 56 آئی ایٹ تھری اسلام آباد کے رہائشی قاسم حسین ملک ولد حسین احمد ملک کو سول ایوی ایشن میں تعینات کیا جائے، دونوں کو اسلام آباد اور لاہور ایئر پورٹ پر اسسٹنٹ منیجر کمرشل کی پرکشش سیٹوں پر دو سال کے لیے کنٹریکٹ پر بھاری تنخواہ پر بھرتی کر لیا گیا۔ یہ احکامات 24 ستمبر کو ریفرنس لیٹر /HQCAA/2452/276/EMPT- 645 اور 644 - HQCAA/2452-276/EMPT کے تحت ڈائریکٹر ایڈمنسٹریشن سہیل ہمایوں کے دستخطوں سے جاری ہوئے۔ دونوں افراد قادیانی ہیں۔

☆ نواز شریف کے قریبی دوست اور ساتھی وفاقی وزیر پٹرولیم چوہدری نثار علی خاں نے جولائی 1996ء میں لندن میں قادیانیوں کے سالانہ جلسہ میں شرکت کی اور قادیانیوں کو اپنی طرف سے ہر قسم کا تعاون کا یقین دلایا۔

☆ 23 مئی 1991ء کو لاہور میں غیر مسلم ماہرین قانون کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے میاں نواز شریف نے کہا کہ پاکستان میں سیاسی طور پر اقلیت یا اکثریت کا کوئی تصور نہیں۔ خدا نے پہلے انسان کو بنایا بعد میں کوئی ہندو، کوئی مسلمان اور کوئی عیسائی بنا۔

☆ بھارتی چینل زی ٹی وی کے سابق برنس ڈائریکٹر یوسف بیگ مرزا کو میاں نواز شریف نے پی ٹی وی کا ایم ڈی مقرر کیا۔ ان کے متعلق مشہور ہے کہ وہ قادیانی ہیں۔ اسٹیبلشمنٹ نے میاں نواز شریف کے اس فیصلہ کی مخالفت کی تھی۔ یوسف بیگ مرزا پر یہ بھی الزام ہے کہ انہوں نے عہدہ سنبھالتے ہی زی ٹی وی بھارتی چینل کے مفادات کے لیے کام کیا۔ یاد رہے یوسف بیگ مرزا کے چھوٹے بھائی آصف بیگ مرزا کی شادی کلثوم نواز شریف کی چھوٹی ہمشیرہ سے ہوئی ہے۔

☆ ہومن رائٹس کمیشن پاکستان کی چیئر پرسن عاصمہ جہانگیر نے 17 جون 2010ء کو میاں نواز شریف کے گھر (واقع رائے ونڈ) میں ان سے ملاقات کی اور ان سے سپریم کورٹ بار میں آئندہ ہونے والے انتخابات میں بطور صدارتی امیدوار اپنی حمایت کی درخواست کی۔ اس موقع پر میاں نواز شریف نے عاصمہ جہانگیر کے کردار کو سراہا۔ یاد رہے کہ یہ وہی عاصمہ جہانگیر ہیں جس نے اپنے اخباری بیان میں اعتراف کیا ہے کہ اس کا خاوند جہانگیر قادیانی ہے (روزنامہ جنگ لاہور 26 جون 1986ء)

قانون توہین رسالت، امتناع قادیانیت آرڈیننس، آئین میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے والی متفقہ طور پر منظور ہونے والی آئینی ترمیم اور آئین سے اسلامی شقیں ختم کروانے کے لیے عاصمہ جہانگیر کی مذموم کوشش کسی سے پوشیدہ نہیں۔ میاں نواز شریف کی طرف سے سپریم کورٹ کے آئندہ انتخابات میں ایسی خاتون کی بطور صدر حمایت کا اعلان اسلامی قوتوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔

قارئین کرام! یہ ہیں نواز شریف کے وہ سنہری کارنامے جن پر انہیں فخر ہے، یاد رکھیے! ذاتی مفادات کی خاطر گستاخان رسول کو تحفظ دینے والے ہمیشہ رسوا ہوتے ہیں۔

بشکریہ ماہنامہ سنی ترجمان کراچی، دسمبر 2010

****

حضرت علی کرم اللہ وجہہ رسول اللہ ﷺ کے شمائل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "آپ کے دونوں شانوں کے درمیان "مہر نبوت" ہے اور آپ انبیاء کے ختم کرنے والے ہیں۔" (رواہ الترمذی، فی الشمائل، ص 2)

مرزائیوں کے نظریات

مرزا کے جھوٹے الہام	وحی
مرزا کی باتیں	اَحادیث
مرزا کی بیوی (نصرت جہاں)	اُمّ المومنین
مرزا کے گھر والے	اہل بیت
مرزا کے کنبے کے پانچ افراد	پنج تن
مرزا کا بیٹا (بشیر احمد)	قمر الانبیا
مرزا کی بیٹی	سیّدۃ النسا، سارے انبیا کی بیٹی
مرزا کی خلافت	خلافتِ راشدہ
مرزا کے خلیفے	خلفاء راشدین
پہلا خلیفہ (حکیم نورُالدین)	ابوبکر صدیق
دوسرا خلیفہ (مرزا البشیر الدین)	عمر فاروق
تیسرا خلیفہ (مرزا ناصر احمد)	عثمانِ غنی
چوتھا خلیفہ (مرزا طاہر احمد)	علی مرتضیٰ
پانچواں خلیفہ (مرزا مسرور احمد)	امامِ حسن
مرزا کو سب سے پہلے 313 ماننے والے	اَصحاب بدر
مرزا کو دیکھ کر ماننے والے	صحابہ
اُن کو دیکھنے والے	تابعین
مرزا کا قادیان	مدینۃ المسیح
مرزا کی عبادت گاہ	بیتِ اقصیٰ
مرزا کا قبرستان	بہشتی مقبرہ

داستان عطیۂ رب ذوالجلال ورسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم بزبانِ

"حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا سپاہی" اور "رفقا"

ملک پاکستان رب ذوالجلال اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا عطیہ ہے لیکن پاکستان کے وجود میں آنے اور اس کی نصف صدی کی اللہ تعالیٰ سبحانہ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے غداری کی وجہ سے ہم نے جو ذلت کی زندگی گزاری، اس عاجز نے اس سب کہانی کو مورخہ 19 فروری 1996ء کو قوم کو ایک آدھ صفحہ کے کھلے خط کے ذریعے سے باور کرا دیا تھا، جس کی ایک کاپی یہاں چسپاں کر رہا ہوں۔

ب- "مورخہ 19 فروری 1996ء معزز قارئین! السلام علیکم۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے میری بیسویں کتاب "اسلامی نظام حکومت" شائع ہوگئی ہے کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام کا نفاذ کیسے ہو۔ ایک لحاظ سے یہ کتاب میری اُنیس کتابوں اور ہزاروں مضامین کا اختصار بھی ہے کہ پچھلے 48 سال ہم نے اللہ تعالیٰ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے غداری کی وجہ سے ذلت کی زندگی گزاری اور اب گزارش ہے کہ توبہ اور ندامت کریں اور میری کتابوں میں بیان شدہ صراط مستقیم پر چلیں کہ اسلام میں نہ فرقہ بندی کی اجازت ہے، نہ اسلام میں فقہی گروہ بندی یا سیاسی گروہ بندی کی اجازت ہے۔ مسلمان اللہ تعالیٰ کی فوج ہیں۔

- پس منظر یہ ہے کہ لنگڑا لولا پاکستان اینگلو امریکن بلاک کی بھی ضرورت تھا کہ انیسویں صدی سے وہ لوگ سر سید اور غلام کذاب کو ایک جیسی ہدایات دے کر یہاں پر ابن الوقت اور بے دین لوگوں یا قادیانیوں اور چھپے قادیانیوں کی ایک "کھیپ" تیار کرتے رہے۔ جس کو وہ ہم پر "مسلط" کر گئے اور آج تک "مسلط" ہے۔ کبھی مسلم لیگ کی شکل میں، کبھی پیپلز پارٹی کے روپ میں اور کبھی مارشل لاء کے ڈنڈے کے طور پر، کہ یہاں رسول

عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام کی بجائے کمال ترکی برانڈ بے دین طریقے رائج کیے جائیں اور ہم غیروں کے پروردہ رہیں۔

ج- علاوہ ازیں مولوی اور دینی و سیاسی جماعتیں کنویں کی "مینڈکیاں" ہیں۔ اسلامی فلسفہ حیات سے نابلد اور نظریہ جہاد سے "بے خبر" یہ لوگ نہ آزادی کے وقت، نہ آزادی کے بعد قوم کی رہنمائی کر سکے۔ پاکستان ہم نے کافرانہ سیاسی نظام کے ذریعے سے حاصل کیا۔ تو ستر ہزار عورتیں کفار کے پاس چھوڑ آئے اور قادیان کے ارد گرد سو میل تک مسلمانوں کا نام مٹ گیا۔

د- ان کافرانہ نظاموں کے ساتھ چمٹے رہنے کی وجہ سے قائداعظم کی وفات کے چار دن بعد ربوہ میں جھوٹے نبی کا مرکز بنوایا اور 1971ء میں نوے ہزار فوجیوں سے ہتھیار ڈلوائے۔ اگر جہاد کو طرزِ زندگی کے طور اپنا لیتے تو کشمیر بھی مل جاتا اور بھارت بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وفا کے بدلے ہمیں لوح و قلم بخشے جانے والے تھے، لیکن اپنے دامان کو تنگ کر کے اپنی منزل کو روٹی، کپڑا اور مکان تک محدود کر دیا اور ملک کی تمام اخباروں خاص کر نوائے وقت نے ہمارا رخ خانہ کعبہ کی طرف نہ ہونے دیا۔

ر- کافرانہ جمہوری نظام نہ کنٹرول ہو سکتا ہے اور نہ ایوب اس کو کنٹرول کر سکا، نہ یہ اسلامی ہے اور نہ ضیاء اس کو اسلامی بنا سکا۔ اسلام اللہ کی آمریت ہے اور مشورہ سے اس کا جاری کیا جاتا ہے۔ لیکن ہم نے علامہ اقبال اور قائداعظم کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں "شرکت" دے دی ہے اور ان صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ مردود سر سید کو دو قومی نظریہ کا بانی بنا دیا۔

س- اُٹھو اور میری کتابوں میں نشانِ راہ تلاش کرو اور ان تحقیقات کو آگے بڑھاؤ جو حرف آخر ہرگز نہیں۔

ص- جنرل سید رفاقت کے مطابق علامہ اقبال نے بھی میجر امیر افضل کے مضمون "داستان" پر یہ کچھ کہا تھا:

انداز بیان اگرچہ بہت شوخ نہیں
شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات
یا وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل

یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہب مردان خود آگاہ و خدا مست
یہ مذہب ملا و جمادات و نباتات

لیاقت کشمیر بھارت کو دے گیا۔ لوگوں کو اللہ کا شریک بنایا، وطن کی پوجا سکھلائی۔ ایوب ہمیں امریکہ کی گود میں بٹھا گیا۔ یحییٰ اور بھٹو نے ملک دولخت کر دیا اور ضیاء نے گیارہ سال اسلام کے ساتھ فراڈ کیا۔ بے نظیر اور نواز شریف بھی امریکہ کے پروردے ہیں۔ آؤ ہم ندامت کر کے اللہ تعالیٰ کی فوج بن جائیں۔‘‘

2- اس خط کا ایک ایک لفظ اسی طرح تر و تازہ ہے۔ جس طرح آج سے نو دس سال پہلے تھا۔ اور وہی پیغام دہرا رہا ہے‘‘ کہ آؤ قوم کے طور پر توبہ و ندامت کر کے اللہ تعالیٰ کی فوج بن جائیں۔‘‘

3- موجودہ زلزلے سے ہم جس تباہی سے دوچار ہوئے ہیں تو اس خط کے کچھ الفاظ کے زمانے کے تناظر میں نہ صرف وضاحت ضروری ہو گئی ہے۔ بلکہ کئی عوامل اور پس مناظر کو بھی قوم کے سامنے پیش کرنا ہوگا کہ اس خط کے ایک ایک لفظ یا ایک ایک فقرہ میں کئی کتابوں کے مضامین ’’پنہاں‘‘ ہیں۔

4- مثال کے طور پر خط کے دوسرے پیرا میں جو سرسید اور غلام کذاب قادیانی کے بین ’’مماثلت‘‘ کا ذکر ہے تو یہ عاجز 1993ء میں سپریم کورٹ میں نہ صرف اس سلسلہ میں متعدد ثبوت پیش کر چکا ہے، بلکہ یہ بھی ثابت کر چکا ہے کہ سرسید نے غلام کذاب سے بڑھ کر اسلام کا نقصان کیا کہ وہ ’’نیچریہ‘‘ عقیدہ کا پیروکار تھا۔ حیات بعد ممات کا قائل نہ تھا۔ جنت اور دوزخ کو ’’استعارے‘‘ کہتا تھا لیکن ہم نے اس کو دوقومی نظریہ کا بانی بنا کر حضور پاک ﷺ کی نبوت میں ’’شرکت‘‘ دے دی اور اپنا ’’رہنما‘‘ بنا کر اس کے نام پر تعلیمی ادارے بنا رہے ہیں۔ اور حق اور باطل کو ایک دوسرے میں گڈمڈ کر کے فکری طور پر اسلام کو پاش پاش کر رہے ہیں۔

5- قادیانی یا چھپے قادیانی ہمیشہ حکومت کے کرتا دھرتا رہے۔ 1947ء میں سیالکوٹ کا ڈپٹی کمشنر غلام کذاب کا پوتا ایم ایم احمد تھا۔ اُس کی بات اتنی چلتی تھی کہ پنجاب کے انگریز گورنر

سر مودی کے ساتھ مل کر اس نے پنجاب کے مجاہدین کو جموں محاذ نہ کھولنے دیا اور مہاراجہ کشمیر ہری سنگھ سری نگر سے فرار ہو کر جموں پہنچ گیا۔ جہاں اس کے لیے ’’حفاظت‘‘ تھی کہ بھارت کے ساتھ الحاق پر دستخط کر دیئے۔ پھر ظفر اللہ قادیانی ہمارا وزیر خارجہ بن گیا اور لیاقت علی، ناظم الدین اور محمد علی بوگرہ تینوں کے زمانے میں ہمارے غیر ملکی سفارت خانوں کو قادیانیوں کے ساتھ بھر دیا گیا اور آج تک یہ سفارت خانے قادیانیوں کے ’’گڑھ‘‘ ہیں۔ لیاقت علی کے زمانے سے ہی لاہوری قادیانی، عزیز احمد اور جی احمد ’’برادران‘‘ پاکستان کے ’’بادشاہ گر‘‘ (King Makers) بن گئے اور ذوالفقار بھٹو کے زمانے تک عزیز احمد اُس کا اہم وزیر تھا۔ ضیاء الحق نے بھٹو کو تو پھانسی چڑھا لیا، لیکن عزیز احمد کی طرف اُس کو میلی آنکھ سے دیکھنے کی ’’اجازت‘‘ نہ تھی۔

6- بھٹو کے زمانے میں جو قادیانیوں کو ’’اقلیت‘‘ قرار دیا گیا، یہ غلط سہرا بھٹو کو باندھا جاتا ہے۔ یہ بھی ایک ’’قادیانی ضرورت‘‘ تھی کہ ہم ان کو ایک ’’گروہ‘‘ تسلیم کر لیں، کہ وہ بین الاقوامی دنیا میں ’’حفاظت‘‘ کے حق دار ہو جائیں۔ غلام کذاب ہماری غلامی کے زمانے کے ایک تاریخی حادثہ کی ’’پیداوار‘‘ ہے۔ آج اگر کوئی ایسا آدمی سامنے آئے، تو ہم اس کو مرتد قرار دے کر پھانسی چڑھا دیں گے۔ چنانچہ غلام کذاب کے ہر ’’پیروکار‘‘ کے لئے توبہ ہے، یا دیس نکالا، یا مرتد کی سزا۔ یہ عاجز 1993ء میں سپریم کورٹ کے سامنے یہ ڈیمانڈ بھی پیش کر چکا ہے اور دوم کہ سلطنتِ خداداد پاکستان میں جھوٹے نبی کا ’’مرکز‘‘ نہیں ہو سکتا، اور ربوہ کو دریا برد ہونا چاہیے۔

7- لیکن صورتِ حال یہ ہے کہ اسلام کا لبادہ اوڑھنے والے ضیاء الحق کے بارے میں بھی کہا جاتا تھا کہ وہ چھپا قادیانی تھا اور ضیاء کو وضاحت کرنا پڑی۔ اُس کے مشیرانِ خاص میں جنرل اختر عبدالرحمٰن اور جنرل کے ایم عارف کے چھپے قادیانی ہونے کے بارے میں کئی ثبوت پیش کئے جا سکتے ہیں اور یہ عاجز مارچ 1988ء کی اپنی مدینہ منورہ کی روحانی واردات، کہ ضیاء ’’حق‘‘ نہیں ’’باطل‘‘ ہے اور ’’عبرتناک‘‘ انجام سے دوچار ہوگا، کئی لوگوں کو بتا چکا ہے کہ مارشل لاء لگانے سے پہلے وہ میرا ’’چھوٹا بھائی‘‘ بنا ہوا تھا۔ بعد میں اس صف میں نماز بھی نہ پڑھتا تھا، جس میں یہ عاجز ہوتا۔

- غلام اسحٰق اور ایم ایم احمد ''گہرے دوست'' تھے۔ غلام اسحٰق کو وزیر اعظم کے لیے معین قریشی کا نام بھی غلام کذاب کا پوتا ایم ایم احمد دے گیا تھا اور آج بھی شوکت عزیز اور طارق عزیز کے ''قادیانی رابطے'' ہر خاص و عام کی زبان پر ہیں۔

9- ہم کتنے ''بے خبر'' لوگ ہیں کہ خلافتِ اسلامیہ کو ختم کرنے والے یہودی کمال کو اپنا ہیرو سمجھتے رہے اور اس کو ''غازی مصطفٰے کمال پاشا'' کا خطاب دیئے ہوئے ہیں۔ غلام کذاب، سرسید، کمال ترکی، جمال عبدالناصر، یاسر عرفات، صدام حسین یا عرب نیشنلزم کے دعویدار یا بعث پارٹی والے سب اسلام دشمن طاقتوں کی ''پیداوار'' ہیں اور ہمارے اس زمانے کے کئی علماء اگر سازش کی کڑی نہ بھی ہوں تو دشمن کی سازش کے ان پر ضرور اثرات ہیں۔

10- اقوامِ اسلام تیرھویں صدی عیسوی کے منگولوں کے حملے اور سقوطِ بغداد یا صلیبیوں کی یلغار جیسے المیوں کو تو ''برداشت'' کر گئیں لیکن اٹھارویں صدی عیسوی میں جو سازش شروع ہوئی ہے کہ:

''وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو''

اور

''تعلیم اس کو چاہیے ترک جہاد کی
دنیا کو جس کے پنجہ خونیں سے ہو خطر''

اس کے سامنے مغلوب ہو گئے ہیں۔ چنانچہ میرے 19 فروری 1996ء کے خط کے یر31 میں جو ''مولویوں'' کے اسلامی فلسفہ حیات سے نابلد اور نظریہ جہاد سے بے خبر ہونے کا ذکر ہے، اس وسیع مضمون کو قارئین کے سامنے کئی تناظر اور واسطوں سے پیش کر کے تمام سازشوں کے انے بانے ملانے ہوں گے۔

1- مثال کے طور پر اگر لارڈ ہمفرے نے اٹھارویں صدی عیسوی میں محمد بن الوہاب کو ''برین واش'' کیا تو اس برصغیر میں وہی کام اسمٰعیل دہلوی سے کتاب ''تقویۃ الایمان'' لکھوا کر کیا گیا کہ اس کو بمبئی کی بجائے کلکتہ والے راستے ایک ''لنگری جہاز'' کے ذریعے نہ صرف

حج کرایا گیا، بلکہ حجاز میں ابن وہاب کے پیروکاروں کے ساتھ رابطہ بھی ''بندھوایا'' گیا۔ غیروں کی گیم کھیلنے والے ان ''مہروں'' کی ایک اور ''مشترکہ قدر'' یہ ہے کہ انیسویں صدی کے اختتام پر جو سرسید اور غلام کذاب سے نظریہ جہاد کو منسوخ کرایا گیا اور ملکہ وکٹوریہ کو مسلمانوں کی خیر خواہ قرار دیا گیا۔ اس کی بنیاد بھی انیسویں صدی کے شروع سے اسمٰعیل دہلوی سے بندھوائی گئی کہ انگریزوں کے خلاف جہاد حرام ہے۔

12- اسمٰعیل دہلوی کے سکھوں کے خلاف تک جہاد کو ''محدود'' کرنا، راجپوتانہ، سندھ، کوئٹہ، قندھار اور کابل کے راستے ضلع ہزارہ تک سفر اور وہاں مسلمانوں میں خانہ جنگیاں، کیا اس سب میں سکھوں کو آگے ''پھیلنے'' کی شہ دینا مقصود نہ تھی کہ گلاب سنگھ ڈوگرہ سکھ لشکر کو اٹک سے پشاور کی طرف اور فتح خان ٹوانہ ماڑی انڈس سے بنوں کی طرف پیش قدمی کرا رہے تھے اور یہ دونوں انگریزوں کے ایجنٹ تھے، کہ 1848ء میں انگریز چلیانوالہ کے مقام پر شکست کھانے کے باوجود سکھوں پر کوہستان نمک کے اعوان قبائل کے ''شب خون'' کی وجہ سے گجرات کے مقام پر سنبھل گئے اور موجودہ پاکستان میں سکھ حکومت ''تسبیح کے دانوں'' کی طرح بکھر گئی۔ کون کس کی گیم کھیلتا رہا، اس کا مطالعہ، واقعات کے اثرات اور اثرات کے نتائج کی مدد سے کرنا چاہئے۔ علمی لحاظ سے انیسویں صدی اسلام کی بدترین صدی ہے کہ ہم نے اپنے اندر سے روحِ محمد ﷺ کو نکالنے اور جہاد کے بے جان کرنے کے فکری پہلوؤں کو ''ہذا بہتان عظیم'' کے الفاظ سے رد کیوں نہ کر دیا یا زمین میں گاڑ کیوں نہ دیا۔

13- انیسویں صدی میں عالم اسلام میں سید جمال الدین افغانی کے بغیر ایک دانشور بھی نظر نہیں آتا۔ اس برصغیر میں کسی علمی ادارے کا نام سننے میں نہیں آتا سوائے صدی کے آخر میں ''سرکاری مولویوں'' کے دو اداروں کے جن کو ہم اب دیوبند اور ندوہ کے نام سے جانتے ہیں۔ انیسویں صدی کے اختتام کے دنوں میں اس برصغیر کے عظیم عالم اور صوفی پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے جب علم حاصل کرنا چاہا، تو اپنے گاؤں گولڑہ سے سو میل دور وادی سون سیکسر کے ایک گاؤں میں ایک ''فرد'' مل سکا۔ اسلامی ادارے تو وہاں بھی ''سوکھ'' چکے تھے۔ محمود غزنوی نے جوان علاقوں سے آگے اسلامی علوم کو پھیلانے کے

لیے عرب النسل علوی اعوان قاریوں کو آباد کیا تھا، اورنگ زیب بادشاہ کے زمانے کے شروع ایام تک اورنگ زیب جب موجودہ تلہ گنگ کے جنوب ایک گاؤں ''کھچیاں'' سے گزرا تھا، تو پانی بھرنے والی عورتوں کی قرآن پاک کی تلاوت اس کے کانوں تک پہنچی اور دہلی میں قرآن پاک سننے کے لیے اسی گاؤں کے ایک حافظ قرآن کو ساتھ لے گیا تھا۔

1- لیکن انیسویں صدی میں عالم اسلام میں اسلام کے چشمے خشک ہو گئے۔ ہم مومن کی فراست سے عاری ہو گئے۔ اور اس عاجز نے اپنے علاقہ سون سیکسر میں بچپن میں جو تھوڑی سی روایتی اسلام کی جھلک دیکھی، اس کو بھی بعد میں ''مفقود'' ہوتا دیکھا۔ تب ہی ہمارا مولوی تحریک پاکستان کو نہ سمجھ سکا۔ دیوبند والوں کی مخالفت تو ''خود غرضی'' اور ''ابن الوقتی'' کی وجہ سے تھی کہ ان کی ''سلطنت'' کا بڑا حصہ ان کے کنٹرول سے ''نکل'' رہا تھا اور انہوں نے برہمن کی حکومت کے ''چرنوں'' میں رہنا تھا۔ صرف چند سجادہ نشینوں نے خانقاہی نظام کی روایتوں کی وجہ سے تحریک پاکستان میں حصہ لیا اور باقی دیوبندیوں، احراروں، خاکساروں، خان عبدالغفار، صمد اچکزئی، جی ایم سید، مولا بخش سومرو اور خضر حیات ٹوانہ وغیرہ نے اپنی کم علمی یا خود غرضی یا ابن الوقتی کی وجہ سے پاکستان کی مخالفت کی۔ خاص کر کانگریسی مولوی مادر پدر آزاد اور انگریزوں کے ٹوڈی خضر حیات کے ''غیر فطری اتحاد'' نے ہمارا بڑا نقصان کیا کہ ہم لنگڑا لولا پاکستان حاصل کر سکے۔ اگر ہم متحد ہوتے تو آدھا ہندوستان ہمارا تھا۔

15- چنانچہ انیسویں صدی کی اسلام کے بارے میں ہماری ''کم علمی'' اور ہماری ''بے علمی'' ہمیں لے ڈوبی کہ ہم غیروں کی اسلام کے خلاف اس سازش کو اب بھی نہیں سمجھ رہے اور اپنے اندر سے ان ''مہروں'' کو تلاش نہیں کرتے۔ جن کی تحریروں میں اتنی زیادہ ''بددیانتیاں'' ہیں کہ ہمیں ان کو منہ نہ لگانا چاہیے۔ لیکن وہ لوگ ہمارے ''رہنما'' بنے بیٹھے ہیں۔ یا کچھ لوگ حق و باطل کو گڈمڈ کر کے بقول حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام کو پاش پاش کر رہے ہیں۔ اس مضمون کو یہ عاجز عملی طور پر آگے چل کر کئی تناظر سے اور وساطتوں سے زیر بحث لائے گا۔ فی الحال مثال کے طور پر ایک ایسے ''مہرے'' کی بات ہوگی، جس کی سب تحریروں میں بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ روح محمد ﷺ ہمارے بدنوں سے نکل جائے

یا ہم جہاد کے نظریہ کے ساتھ نفرت کرنا شروع کر دیں۔

16- میری حیرانگی کی کوئی حد نہ رہی کہ مودودی نے ایک طرف مسلم قومیت کا ''پرچار'' کیا اور دوسری طرف تحریک پاکستان کی مخالفت کی۔ پھر پاکستان کے بن جانے کے بعد کشمیر کے جہاد کے سلسلہ میں ہم مسلمانوں کو تین گروہوں میں بانٹ دیا اور سورۃ الانعام کی آیت مبارکہ 159 کی خلاف ورزی کی۔ اس کے بعد سورۃ النساء کی آیت مبارکہ 75 کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ہم اہل پاکستان کے لیے کشمیر کے جہاد میں شمولیت کو حرام قرار دے دیا تھا وغیرہ۔ پھر 1953ء میں قادیانیوں کے خلاف کچھ لکھا ضرور لیکن خود عملی طور پر تحریک سے الگ رہا اور دوسروں کو ''قربانی کا بکرا'' بنوایا۔ مودودی پھانسی دینے کے اعلان کا ''ڈرامہ'' بھی کیا گیا، لیکن اس سب ''ڈرامے'' یا تحریک میں اصلی مقصد چھپے قادیانی جسٹس منیر سے مودودی کو ''مفکر اسلام'' بنوانا تھا کہ اپنی گستاخیوں اور بے ادبیوں اور تحریری بددیانتیوں سے وہ مسلمان قوم کو گمراہ کرتا رہے۔

17- یہ عاجز حیران تھا کہ نیاز فتح پوری، جو سر سید کی طرح نیچریہ عقیدہ رکھتا تھا، اس کا شاگرد کم علم مودودی ''مفکرِ اسلام'' کیسے ہو سکتا ہے۔ اور کوئی اسلام کا عالم اس کو ''لگام'' کیوں نہیں دیتا کہ مودودی کے عقیدوں کی تو کئی صاحبان نے مخالفت کی، لیکن کسی نے اس کی ''علمیت'' کو چیلنج نہ کیا۔ اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ مودودی ''اندھوں میں کانا'' سردار ہے۔ اور قوم کو میرے 19 فروری 1996ء کے خط کے پیرا 3 کے الفاظ کے حق ہونے کا بہت بڑا ثبوت میسر ہو گیا، کہ ہمارے ''علماء'' کتنے نابلد ہیں۔

18- اب معلوم نہیں کہ کرنل شیخ عبدالرؤف کو کہیں سے اشارہ ہوا یا جو کچھ ہوا، وہ مجھے کہنے لگے کہ ''روز قیامت ہمارے آقا محمد مصطفےٰ ﷺ اگر تم سے پوچھ لیں کہ تم مودودی کی ''کم علمیوں''، ''بددیانتیوں'' اور ''گستاخانہ اور متکبرانہ تحریروں'' سے آگاہ تھے تو قوم کو اس پہلو سے آگاہ کیوں نہ کیا؟'' تو مجھ پر رقت طاری ہو گئی۔ تو میں نے اس سلسلے میں چھوٹی سی کتاب لکھ دی ہے اور اب میری طرف خطوط کا تانتا بندھا ہوا ہے۔ کئی دانشور نادم ہوئے کہ آسان زبان اور مودودی کے طرز بیان سے متاثر ہو کر وہ تفہیم کے اکثر مضامین کے نفوس کے اوپر تلے سے گزر گئے اور وہ اس سازش کو نہ سمجھ سکے، جس کو مصنف نے اب

طشت از بام کیا ہے۔ کچھ نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مودودی کا ''بت'' اب پاش پاش ہو گیا ہے اوروں نے یہ کہا کہ خود ساختہ مفکرِ اسلام مودودی کی علمیت اور فکر کا بھانڈا چوراہے میں پھوڑ دیا گیا ہے وغیرہ۔

19- ہمارے ہاں علماء اور دانشوروں کے لبادہ اوڑھنے والوں، غیروں کی سازش میں مودودی جیسے ''مہروں'' کی شرکت، بدنیتی اور کم علمی والی تحریروں کے قلع قمع کرنے کے سلسلہ میں جو کچھ اس عاجز اور اس کے رفقاء نے کیا یا کر رہے ہیں وہ کئی کتابوں کا مضمون ہے اور یہاں صرف ایک جھلکی دی جا رہی ہے کہ 19 نومبر 2004ء سے 19 مارچ 2005ء تک اس عاجز نے قوم کا نام لے کر خاص کر اور جماعت اسلامی کے رہنماؤں اور دیوبندیوں، بریلوی مسلک کے رہنماؤں کے نام لے کر پانچ بہت لمبے چوڑے خطوط لکھے کہ مودودی یا اسمٰعیل دہلوی جیسے لوگ اپنی کم علمیوں کی وجہ سے ہمیں ان گروہوں میں بانٹ گئے ہیں۔ میں نے ان کی تحریروں کی ان غلط بیانیوں کے لفظ لفظ کا حوالہ دیا، اور گزارش کی کہ آؤ اس فرقہ بندی کے ذمہ داروں سے ''نجات'' حاصل کریں۔ اگر میں غلط ہوں تو میری تصحیح کی جائے۔ خطوط کی کاپیاں نوائے وقت کے مجید نظامی کو بھی دیں کہ وہ یہ کلمۂ حق شائع کریں، لیکن نہ کسی پر کچھ اثر ہوا، نہ کوئی مجھے غلط کہنے کی ہمت کر سکا اور نہ مجید نظامی یہ کلمۂ حق شائع کر سکا۔

20- اس عاجز نے کھل کر مودودی کی ''تحریری بددیانتیوں'' پر تبصرے کئے۔ سورۃ الانفال کی آیت مبارکہ 41 میں رب سبحانہ نے جنگِ بدر کو ''یوم الفرقان'' کا نام دیا۔ اور آیت نمبر 7 کے مطابق اس جنگ کو اپنی ضرورت قرار دیا کہ رب سبحانہ ایسے ہی چاہتے تھے لیکن مودودی اس جنگ کو ''بھڑوں کے چھتے میں پتھر مارنے'' کے مترادف قرار دیتا ہے اور یہ نہ سوچا کہ حضور پاک ﷺ سپہ سالار تھے اور عظیم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل لشکر۔ تو مودودی اللہ تعالیٰ سبحانہ، ہمارے آقا ﷺ اور صحابہ کرام کو نعوذ باللہ ''نادانوں'' کے زمرہ میں ڈال دیتا ہے کہ انہوں نے ''نادانوں'' کی طرح قریش کفار کو ''چھیڑا'' دیا اور یہ جنگ و جدل شروع ہو گئی، ورنہ...... ''توبہ [illegible] اللہ، مودودی کی اس گستاخی کی وجہ سے ہم پر پتھر برس سکتے تھے۔''

21- سورۃ آل عمران کی آیاتِ مبارکہ 125 تا 128 میں رب سبحانہ مسلمانوں کو جنگِ اُحد کے لیے پانچ ہزار فرشتوں کی مدد کی خوشخبری دینے کے علاوہ اس جنگ میں فتح کی خوشخبری اور دشمن کے ایک حصہ کو کاٹ دینے کا مژدہ بھی سناتے ہیں اور پھر ایسے ہی ہوا کہ ابوسفیان میدانِ جنگ سے فرار اختیار کر گیا اور دوسرے دن مسلمانوں نے حمرالاسد کے مقام تک کفار کا تعاقب کیا، لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے شہید ہو جانے کی وجہ سے مودودی اس جنگ کو مسلمانوں کی شکست قرار دیتا ہے اور ایک طرح سے تاثر دیتا ہے کہ قرآن پاک میں یہ فرشتوں کی امداد والی باتیں ''گپ شپ'' ہیں، یا ایسی امداد کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اور جنگ اور جہاد کے لیے ایسی ہی نفرت پیدا کرتا ہے جیسی 1948ء میں جہاد کشمیر کے لیے کی۔ تو اللہ تعالیٰ کے فرمانوں کو ایسا غلط رنگ دے کر مودودی عذابِ الٰہی کو دعوت دے رہا ہوتا ہے اور میں نے جماعت اسلامی والوں کو گزارش کی کہ آؤ اس ''تفرقہ باز'' سے چھٹکارا حاصل کریں۔

22- یہ عاجز قوم کو توبہ و ندامت کی گزارش تو کرتا رہتا ہے، لیکن ''عذاب کے آنے کے'' الفاظ کا نہیں لکھتا کہ میری یہ تحریر عذابِ الٰہی ہونے کے لیے ''حجت'' نہ بن جائے کہ تین مختلف اوقات میں غیر ارادی طور پر جو اس عاجز کے منہ سے تین الگ الگ ملک کے حکمرانوں کے لیے ''عبرتناک انجام'' کے الفاظ نکلے، تو وہ ایسے ہی ہو گیا جس کا مجھے افسوس ہے۔ چنانچہ مودودی کی ان منفی تحریروں کا قلع قمع کرنے کے لیے اس عاجز نے 14 اگست 1997ء کو قوم کے نام ایک کھلا خط لکھ کر قوم کو آنے والی تباہی سے ڈرانے کی کوشش کی اور تمہید اس طرح باندھی:

''معزز قارئین!...... السلام علیکم و رحمۃ اللہ

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ جاؤ فلاں بستی کو تہ و بالا کر دو۔ فرشتوں نے عرض کی کہ وہاں تو ایک عابد و زاہد بھی رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں، اسی وجہ سے کہ اس نے بھی لوگوں کو میری نافرمانی سے نہ روکا۔''

''یہ عاجز پچاس سالوں سے قوم کو اللہ تعالیٰ اور رسول پاک ﷺ کی نافرمانی سے روک رہا ہے اور صراطِ مستقیم کی نشاندہی کر رہا ہے۔ 1965ء کے بعد جب ہمارے سب ''بڑوں''

کے ریت کی بنیاد پر اپنی شخصیتوں کے گرد قلعے مسمار ہو گئے تو میں نے ملک کے سربراہوں سمیت سب بڑوں کو برملا اور خطوط سے باور کرایا کہ ہم ان کافرانہ سیاسی، عسکری، معاشی اور عادلانہ نظاموں سے توبہ کر کے رسول عربی ﷺ کے اسلام کا نفاذ کریں۔"

اس خط میں اس عاجز نے بہت کچھ لکھا کہ ہمیں قوم کے طور پر رہنمائی میسر نہیں ہو رہی اور ایسے لوگ ہمارے رہنما بنے پھرتے ہیں جو خود اسلامی فلسفہ حیات سے نابلد ہیں یا ان کی تحریروں میں بدنیتی کا عمل کارفرما ہے اور وہ کسی سازش کی کڑی ہیں یا غیروں کی گیم کھیل رہے ہیں اور میں نے مودودی کی کافی تحریروں کو مثال کے طور پر پیش کیا۔ جن میں سے کچھ اقتباسات یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

"مودودی نے قرآن پاک کی تفہیم کی آڑ میں آیات مبارکہ کی اصل روح سے ہٹ کر دراصل اپنے عقیدے کا پرچار کیا ہے۔ مثلاً سورۃ واقعہ کی آیت مبارکہ 91 میں جہاں ارشاد ربانی ہے "اے میرے حبیب ﷺ دائیں والوں سے آپ پر سلام ہو" وہاں مودودی عربی کے لفظ "لک" یعنی "آپ" کا ترجمہ کرتا ہی نہیں، اور کہتا کہ دائیں والوں سے دائیں والوں کو سلام۔ یہ آیت مبارکہ حضور پاک ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کا قرآنی ثبوت ہے۔ چونکہ مودودی، حضور پاک ﷺ کو حاضر و ناظر نہیں مانتا، اس لیے یہ بددیانتی کی۔

سورۃ آل عمران کی آیت مبارکہ 81 میں سب پیغمبروں سے ہمارے آقا ﷺ کی مدد کے میثاق کا ذکر ہے۔ سورۃ نساء کی آیت مبارکہ 41 میں حضور پاک ﷺ کو سب گواہوں پر گواہ قرار دیا گیا۔ سورۃ اعراف کی آیت مبارکہ 158 میں حضور پاک ﷺ کو تمام مخلوق (اگلی اور پچھلی) کے لیے پیغمبر فرمایا گیا۔ سورۃ قصص کی آیات مبارکہ 44 تا 46 میں آپ ﷺ کی کوہ طور کے مغربی کنارے پر موجودگی کا ذکر ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا کی جارہی تھی وغیرہ۔ ان تمام آیات مبارکہ سے حضور پاک ﷺ کے زمان و مکان پر حاوی ہونے کے واضح قرآنی ثبوت اخذ کئے جا سکتے ہیں۔ جو آپ کے حاضر و ناظر ہونے کا ہی ایک طرز بیان ہے۔ یہ کچھ چونکہ مودودی کے عقیدہ کی مخالفت میں جاتا ہے تو مودودی نے ان تمام آیاتِ مبارکہ کے ایسے ادھورے اور مہمل

معنی کئے ہیں جن کو پڑھ کر رونا آتا ہے لیکن مودودی اپنا مقصد حاصل کر لیتا ہے کہ ان آیاتِ مبارکہ کے مہمل معنوں کی مدد سے آگے اپنی وضاحتوں میں حضور پاک ﷺ کی شان کو نعوذ باللہ اسی دنیا کے لیے ایک بشر کے طور پر محدود کر دیتا ہے۔ یا صرف مسلمانوں کا پیغمبر مانتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جو سورہ بنی اسرائیل کی آیت مبارکہ 60 میں سب لوگوں کو محیط میں لینے کا ذکر کرتے ہیں، مودودی اس کو قریش کے کفار تک محدود کر دیتا ہے۔ ایسی بددیانتیوں پر سر ہی پیٹنا پڑتا ہے لیکن قارئین کتاب میں مودودی کی ایسی بے شمار ادبیاں پڑھیں گے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے جو الفاظ استعمال کرتا ہے یا اپنے الفاظ کو اللہ تعالیٰ کا بیان بنا دیتا ہے وہ پڑھ کر حیرانگی ہوتی ہے کہ مودودی کس "قماش" کا آدمی تھا اور ہمارے علماء نے یہ سب کیسے برداشت کیا۔"

23- اب یہ عاجز قارئین کو دوبارہ اپنے پیرا 16 اور 17 میں لکھے گئے تبصروں کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ ہماری کم علمی کی ایک بدترین مثال ہے کہ نہ مودودی کی زندگی میں ہم اس کو "لگام" دے سکے، نہ اس کے مرجانے کے بعد اس سے "نجات" حاصل کر سکے اور اس کی تحریروں کو سر آنکھوں پر لے رہے ہیں۔ اور اس کی "نافرمانیوں" اور "بدنیتوں" کی طرف دھیان تک نہیں دیتے۔ اور کہتے ہیں کہ وہ کچھ اچھی باتیں لکھ گیا ہے۔ ان سے استفادہ کیا جائے۔ میں کہتا ہوں کہ ابلیس "توحید" کا بہت بڑا عالم ہے، تو کیا "توحید کا علم" ابلیس یا شیطان سے سیکھیں گے۔ چنانچہ ہماری ان کوتاہیوں کی وجہ سے ہم جس عذاب کی زد میں آ سکتے تھے، اس سے ڈرانے کے لیے اس عاجز نے اپنے اس کھلے خط کا اختتام ان الفاظ سے کیا:

"قارئین! اپنی ذمہ داری یاد کریں، روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے۔ اس لیے اگر اور کچھ نہیں کر سکتے تو حسب توفیق اس مسودہ کی چند فوٹو کاپیاں ہی بنوا کر لوگوں میں بانٹ دیں تاکہ دردناک عذاب کی گھنگور گھٹائیں جو ہماری فضا میں چھائی ہوئی ہیں وہ "کچھ دیر" کے لیے رکی رہیں۔"

24- چنانچہ پاکستان کے وجود میں آ جانے کے بعد ہم جو لگاتار ذلت کی زندگیوں سے دوچار ہیں، ایک آزمائش کے بعد دوسری آزمائش ہو جاتی ہے، اس میں قصور ہمارا اپنا ہے۔ اور

اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کے علاوہ ہماری ''کم علمیوں'' اور ''بے خبریوں'' نے ہمیں مردہ قوم بنا دیا۔ جس کا اشارہ رب سبحانہ نے سورۃ البقرہ کی آیت مبارکہ 243 میں بھی فرما دیا اور جو لوگ موت سے ڈر کر بھاگ رہے تھے، ان کے لیے فرمایا ''مرجاؤ'' جس کے سلسلہ میں مزید وضاحت آگے آ رہی ہے۔

25- بہر حال اس عاجز کے اس 18 فروری 1996ء کے چند الفاظ کے خط میں بے حساب الفاظ پنہاں ہیں اور تمہیدی فقرہ میں لکھا کہ اسلام میں سورۃ الانعام کی آیت مبارکہ 159 کے مطابق کوئی فرقہ بندی نہیں۔ اب مودودی اور اسمٰعیل دہلوی کی تحریری بددیانتیوں یا گستاخیوں کو اگر سمجھ لیں اور ان دونوں سے اگر ''نجات'' حاصل کر لیں، تو بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث کی گرہ بندی ختم ہو جاتی ہے۔ اب جو شیعہ سنی گروہ بندی ہے۔ اس کی تفصیل پیرا 58 میں آ رہی ہے۔ رہ گئی ''فقہی گروہ بندی'' تو آخری امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے سو سال بعد ایسے گروہوں کے نام سننے میں نہ آئے تھے۔ امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے چند دن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی کی اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ، امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی بھی شاگردی کی، جو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بھی شاگرد تھے۔ فقہ اسلام کی دوسری صدی ہجری میں منصور عباسی کے زمانے میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مدون کیا، جو دونوں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ اور اپنے استاد کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے فقہ کا نام امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت حنیف پر ''فقہ حنفیہ'' رکھ دیا۔ عباسی خلفاء کی تقریباً دو سو سال حکومت کے دوران یہی فقہ چلتا رہا۔ لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ''عجمی'' تھے۔ تو بعد میں کسی عرب تعصب کی وجہ سے ''مالکی''، ''شافعی'' اور ''حنبلی'' فقہوں کو آگے کیا کہ تینوں صاحبان عرب تھے۔ لیکن ایک استاد کا شاگرد، اپنے استاد کے گروہ کے مقابلے میں دوسرا گروہ کیسے بنائے گا اور فقہ جعفریہ کا نام تو بیسویں صدی میں سننے میں آیا۔ تو فقہی گروہ بندی کی کوئی بنیاد نہیں۔

26- اب اگر اسلام میں فرقہ بندی یا فقہی گروہ بندی کی اجازت نہیں تو سیاسی گروہ بندی کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے کہ لفظ ''سیاست'' نہ قرآن پاک میں ہے اور نہ احادیث مبارکہ میں ہے اور شیطان بھی کہتا ہے:

''جمہور کے ابلیس ہیں ارباب سیاست
باقی نہیں اب میری ضرورت تہہ افلاک''

78- مجھے اللہ تعالیٰ نے توفیق دی کہ 1967ء سے ہی میں نے عسکری ہفتہ وار اخبار ہلال کا رخ مکمل طور پر نظریہ جہاد اور اسلامی فلسفہ حیات کی طرف موڑ دیا اور 1969ء کے ربیع الاول میں ایک عظیم سیرت یا عید میلاد النبی ﷺ ہلال کا اجرا شروع کیا کہ حضور پاک ﷺ کے جلال اور جمال کے چشموں سے افواج کو خاص کر اور سب قارئین کو سیراب کیا کہ لوگ اس نمبر کو ہاتھوں ہاتھ لے لیتے تھے اور بعض دفعہ دوسرا اور تیسرا ایڈیشن بھی شائع کرنا پڑا۔ بہر حال فوجی اخبار ہلال نے تیزی سے ترقی کی اور اس میں لکھنے والوں کا ایک انبوہ بامقصد مضامین لکھ کر ہلال کے صفحات کو حضور پاک ﷺ کی شان کے سبق آموز بیانات اور نظریہ جہاد کے پہلوؤں سے منور کر رہا تھا۔ خوش قسمتی سے اس اخبار کی ادارت کے لیے عزیزم محمد ممتاز اقبال پہنچ گیا کہ آج سے چند سال پہلے صورت حال یہ ہوگئی کہ ہلال کے مضامین کے بیانات ملک کی اخباروں کی ''سرخیاں'' بنتے جاتے تھے۔ سنتے ہیں کہ بھارت والوں کو بھی بڑی پریشانی ہوئی اور جب واجپائی نواز شریف کو ملنے آیا تو اس کا ایک مطالبہ یہ تھا کہ ہلال اخبار میں ان جہادی مضامین کو ختم کیا جائے۔ یا شاید ایڈیٹر کو تبدیل کرنے کی بات کی کہ اس ''ملاقات'' کے چند ماہ بعد محمد ممتاز اقبال کو بغیر وجہ کے ہلال کے ایڈیٹر کی اہم جگہ سے ہٹا دیا گیا۔ اور ''خنجر ہلال'' پھر ''فوجی گزٹ'' بنا دیا گیا۔ ہمارے ملک میں ایسے ''واقعات'' ہوتے رہتے ہیں کہ شیطانی طاقتوں کو کہیں سے کوئی ''سہارا'' مل جاتا ہے کہ یہاں زوردار اسلام نہ نافذ ہو جائے۔

بشکریہ: پاکستان عطیہ رب ذوالجلال ورسول باکمال ﷺ
ناشر: میجر (ریٹائرڈ) امیر افضل خان صاحب راولپنڈی

❖❖❖

صدائے غیرت

درِیتیم محمد کریم ﷺ کے امتیو! دجال قادیان مرزا قادیانی کوئی معمولی نوعیت کا مجرم نہیں۔ یہ پورے عالم اسلام اور اسلام کا مجرم ہے۔ اس کی فردِ جرم شیطان کی آنت سے بھی طویل ہے۔

خدائی کا دعویٰ کرنے کے جرم میں یہ فرعون، نمرود اور شداد ہے۔ نبوت کا دعویٰ کرنے کے جرم میں یہ اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب ہے۔ توہین رسالت کرنے کے جرم میں یہ ابوجہل، ابولہب اور ولید بن مغیرہ ہے۔ قرآن مجید میں تحریف کرنے کے جرم میں یہ یہودی و نصرانی ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی توہین کرنے کے جرم میں یہ ابن سبا ہے۔ دین اسلام سے پھر جانے کے جُرم میں یہ مرتد ہے۔ تعلیمات اسلامیہ کو مسخ کرنے کے جُرم میں یہ زندیق ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی توہین کرنے کے جُرم میں یہ خارجی ہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کی شان میں بکواس کرنے کے جُرم میں یہ شمر ہے۔ اسلام کو گالیاں دینے کے جُرم میں یہ راج پال اور سلمان رُشدی ہے۔

ظاہراً مسلمان اور باطناً کافر ہونے یعنی منافق ہونے کے جُرم میں یہ عبداللہ بن اُبی ہے۔ خود کو انسان کا بچہ نہیں بلکہ کرم خاکی کہنے کے جُرم میں یہ ڈارون کی اولاد ہے۔ جھوٹے خدا شداد نے بہشت بنائی اور جھوٹے نبی مرزا قادیانی نے بہشتی مقبرہ بنایا۔ اس کفریہ نقالی کے جرم میں یہ مشن شداد کا علمبردار ہے۔

اے مسلمان! بہت سو چکا...... اب بیدار ہو جا...... بہت لٹ چکا...... اب ہوشیار ہو جا......
اور نبی ﷺ کے دشمنوں سے برسرِ پیکار ہو جا...... اپنے اسلاف کی تابندہ روایات کو پھر زندہ کر...... جہاد کا علم لہرا کر اٹھ...... شہادت کا جذبہ لے کر اٹھ...... طوفان کی صورت چل...... سیلاب کی صورت چل...... قادیانیت کے شجر خبیثہ کو بہا لے جا اور اپنی گرج دار آواز میں یہ اعلان کرتا جا......

لکھتا ہوں خون دل سے یہ الفاظ احمریں
بعد از رسول ﷺ ہاشمی کوئی نبی نہیں

عطیہ تبرکات: الحاج محمد حسین گوہر

کاش!

تیرے ﷺ ہوتے، جنم لیا ہوتا
کوئی مجھ سا نہ دوسرا ہوتا

ہجرتوں میں پڑاؤ ہوتا میں
اور تو ﷺ کچھ دیر کو رکا ہوتا

تیرے ﷺ حجرے کے آس پاس کہیں
میں کوئی کچا راستہ ہوتا

کسی غزوہ میں زخمی ہو کر میں
تیرے ﷺ قدموں پہ جا گرا ہوتا

کاش! اُحد میں شریک ہو سکتا
اور باقی نہ پھر بچا ہوتا

میں کوئی جنگجو عرب ہوتا
اور ترے ﷺ سامنے جھکا ہوتا

پانی ہوتا اداس چشموں کا
تیرے ﷺ قدموں پہ بہہ گیا ہوتا

بچہ ہوتا غریب بیوہ کا
سر تیری ﷺ گود میں چھپا ہوتا

رستہ ہوتا تیرے ﷺ گزرنے کا
اور تیرا ﷺ رستہ دیکھتا ہوتا

مجھ کو خالق بناتا غار حسن
اور میرا نام بھی حرا ہوتا

تمہیں محمد ﷺ کا عشق اب بھی پکارتا ہے

نو محمد ﷺ کا نام نامی زبان اپنی پہ لانے والو
ی کے صدقے سے ملنے والی کتاب ہستی سجانے والو
ے حرا میں رلانے والو
ے محبت جتانے والو
گر محمد ﷺ کے دشمنوں سے محبتوں کو بڑھانے والو
ہارے اندر نبی ﷺ کی الفت کی اک رمق بھی نہیں رہی ہے
ہارے چہرے پہ اس کی یادوں کی ایک جھلک بھی نہیں رہی ہے
ی ﷺ سے عشق و وفا نبھانے کے دعویدارو
را محمد ﷺ کے پیار کا اپنے واسطے تم مقام دیکھو
گریباں اپنے بھی جھانک دیکھو
س نبی ﷺ کی محبتوں کا مقام دیکھو
کہ جس نے امت سے پیار کرنے پر چمن طائف میں زخم کھائے
ہی محمد ﷺ کہ جس نے اپنے
قام آنسو خدا کے آگے تمہاری خاطر ہی ہیں بہائے
شہید دندان بھی کرائے شدید صدمات بھی اٹھائے
وہی محمد ﷺ کہ جس نے تم کو ہیں درس انسانیت سکھائے
وہی محمد ﷺ کہ جس نے تمہارے پیار کی خاطر ہی اپنا آبائی شہر چھوڑا
وہی محمد ﷺ کہ جس نے فاقے تو کر لیے پر نہ تم سے عہد وفا کو توڑا
وہی محمد ﷺ کہ جس کے ہونٹوں سے پتھروں کے عوض دعاؤں کے پھول برسے

وہی محمد ﷺ کہ جس کی چند مسکراہٹوں پر خدا تمہارے گناہ بخشے
اسی کی روح عظیم تمہاری الفتوں کو تلاش کرنے میں سرگرم ہے
مگر تمہارے محبتوں کے خزانے خالی پڑے ہیں لوگو!
تمہارے آقا ﷺ تمہاری غیرت کو دیکھ کر چپ کھڑے ہیں لوگو
نبی ﷺ کے دشمن بڑے ہیں لوگو، کفر کے پہرے کڑے ہیں لوگو
مگر ہم اپنی محبتوں پر
رسول ﷺ سے بے وفائیوں کے لبادے اوڑھے کھڑے ہیں لوگو!
ہمارے آقا ﷺ ہماری چاہت کو دیکھ کر چپ کھڑے ہیں لوگو!
سنو! محمد ﷺ کا نام سنتے ہی آنسوؤں کو بہانے والو!
سنو! محمد ﷺ کے منہ سے نکلے حروف کو بیچ کھانے والو!
سنو! نبی ﷺ کے نقوش پا کی تلاش میں نکلے راستوں کو مٹانے والو!
سنو! محمد ﷺ کے دشمنوں سے محبتوں کو بڑھانے والو!
تمہیں ذرا بھی خبر نہیں ہے
کہ قادیانی تمہارے آقا ﷺ کی عصمتوں کو
طویل مدت سے ماند کرنے میں سرگرم ہیں
وہ کب سے تمہاری بے بسی اور بے حسی پر
خوشی کے نعرے لگا رہے ہیں
نبی ﷺ کے دیں کو مٹا رہے ہیں
بنائے اسلام ڈھا رہے ہیں
تمہیں تمہارے عظیم آباء سے ملنے والی
میراث عشق محمدی ﷺ کو مٹا رہے ہیں
سنو! محمد ﷺ کا دیں بچانے فلک سے کوئی نہیں آئے گا
تفرقہ بازی کے بت گرانے فلک سے کوئی نہیں آئے گا
نجاست قادیاں مٹانے فلک سے کوئی نہیں آئے گا

نبی ﷺ سے عہدِ وفا نبھانے فلک سے کوئی نہیں آئے گا
سنو! محمد ﷺ کے بے وفاؤ
تمہیں کو اپنے نبی ﷺ سے وعدے نبھانے ہوں گے
تمہیں کو امت کو ایک رستے پہ لانا ہوگا
تمہیں کو ہی دشمنانِ امت دبانے ہوں گے
تمہیں کو فتنۂ قادیاں کو مٹانا ہوگا
نبی ﷺ سے عشق و وفا نبھانے کے دعویدارو!
تمہیں محمد ﷺ کا عشق اب بھی پکارتا ہے
خدا بھی بھٹکے ہوؤں کے رستے سنوارتا ہے
چلو خدارا
منافقت کے قبیح لبادے اتار ڈالیں
نبی ﷺ کے دشمن اجاڑ ڈالیں
خدا کی رحمت پکار ڈالیں
چلو کہ فتنۂ قادیاں کو
جڑوں سے اس کی اکھاڑ ڈالیں
چلو کہ اپنے لہو کو عشقِ محمد ﷺ پر نثار ڈالیں

سید منظور الحسن شاہ

۔نامور محقق پروفیسر ایوب قادری کے مطابق

"علمائے بریلی اور بدایوں نے مولانا محمد احسن نانوتوی کی بڑی شد و مد سے مخالفت کی۔ بریلی میں اس محاذ کی قیادت مولوی نقی علی خان کر رہے تھے اور بدایوں میں مولوی عبد القدیر بدایونی بن مولانا فضل رسول بدایونی سرخیل جماعت تھے۔ یہیں سے بریلی اور دیوبند کی مخالفت کا نقطۂ آغاز ہوا جو بعد میں ایک بڑی وسیع خلیج کی شکل اختیار کر گیا۔"

(مولانا محمد احسن نانوتوی۔ ص 94 مکتبہ عثمانیہ کراچی)

ہمیں ہے جان سے پیارا نشان ختم نبوت کا

ہمیں ہے جان سے پیارا نشان ختم نبوت کا
اٹھو گھر گھر میں پہنچا دو بیاں ختم نبوت کا

ملائک کی جماعت روز و شب واں پہ اترتی ہیں
ذکر جاری ہمیشہ ہے جہاں ختم نبوت کا

تھے جتنے بھی نبی دیگر نبوت ان کی وقتی تھی
مگر ہے حشر تک سارا زماں ختم نبوت کا

یہ نعرہ ہے امیر المومنین صدیق اکبر کا
کرو اپنے لہو سے بھی دھیاں ختم نبوت کا

مٹا دو زور بازو سے کفر ہر قادیانی کا
یمامہ سے اٹھا لو ہر سناں ختم نبوت کا

دیا ختم نبوت پہ رضا کے علم نے پہرہ
بنا جس کا قلم بھی ترجماں ختم نبوت کا

بنا کلک رضا ہر اس کمینے کے لیے خنجر
ہے جس نے بھی کیا کوئی زیاں ختم نبوت کا

انوکھی شان اس فن میں کیا مہر علی کی ہے
کیا جس نے عقیدے سے بیاں ختم نبوت کا

الٰہی شاہ نورانی کی قبر پہ رحمتیں برسیں
بنایا جس نے پورا کارواں ختم نبوت کا

سنو جتنے بھی یاں ختم نبوت کے فدائی ہو
رہے یہ قافلہ ہر دم رواں ختم نبوت کا

دبانے کو زمانے میں گلا ہر قادیانی کا
لگائے نعرہ ہر پیر و جواں ختم نبوت کا

خداوندا مدینے کے چمکتے چاند کا صدقہ
بنا دے اپنے آصف کو حساں ختم نبوت کا

علامہ ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی

❁❁❁

عقیدہ ختم نبوت قرآن مجید کی روشنی میں

قرآن مجید کی سورہ احزاب میں اللہ ﷻ ارشاد فرماتا ہے۔
"مَا كَانَ مُحَمَّدٌ" اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۔ (سورہ احزاب۔40)

"محمد ﷺ تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں۔ بلکہ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں اور اللہ کو ہر چیز کا علم ہے۔" اس آیت کریمہ میں اللہ ﷻ نے حضور اکرم ﷺ کو "خاتم النبیین" کہہ کر یہ اعلان فرمادیا ہے کہ آپ آخری نبی ہیں۔ چنانچہ آپ کی اس جہاں میں تشریف آوری کے ساتھ سلسلہ نبوت و رسالت ختم ہو چکا ہے۔ اب قیامت تک کسی کو نہ تو منصب نبوت پر فائز کیا جائے گا اور نہ ہی منصب رسالت پر۔

نبوت کا جھوٹا دعویدار

بڑا عیار اور جھوٹا ہے مرزا قادیانی
کہ اک شیطان کا چیلا ہے مرزا قادیانی

خدا کا بے ادب ہے اور پیمبر کا ہے گستاخ
بنا دوزخ کو یوں کتا ہے مرزا قادیانی

جناب عیسیٰ و مریم کے بارے میں اے بد بخت!
عقیدہ ہی ترا گندہ ہے مرزا قادیانی

خدا کے انبیاء کی شان میں بیہودہ گوئی
یہ تجھ جیسے کا ہی شیوہ ہے مرزا قادیانی

تری رہ پر چلا جو بھی وہی گمراہ ٹھہرا
ذلالت ہی ترا رستہ ہے مرزا قادیانی

نبی جس نے بھی ہے مانا تجھے مرتد ہوا وہ
کہ بے شک تو نبی جھوٹا ہے مرزا قادیانی

حبیب رب نبی ﷺ ہیں آخری پھر بھی اے جاہل
نبوت کا ترا دعویٰ ہے مرزا قادیانی

غلام احمد رکھا ماں باپ نے تو نام اس کا
خلاف احمد کے ہی بکتا ہے مرزا قادیانی

جو پیرو کار ہیں مرزا کے وہ سارے ہی سن لیں
بڑا انگریز کا چمچہ ہے مرزا قادیانی

رسول پاک ﷺ کی حرمت پہ حملہ کر کے تو نے
مسلمانوں کو للکارا ہے مرزا قادیانی

بیت الخلا میں جا کے تو مردود ایسے
کیا ہے رب نے تجھے رسوا ہے مرزا قادیانی

ترے ہی ساتھ دوزخ میں جلے گا وہ ہمیشہ
ہوا تیرا جو گرویدہ ہے مرزا قادیانی

جہاں بھر کے مسلمانوں کو عاجز یہ بتا دو
کہ امت میں بڑا فتنہ ہے مرزا قادیانی

حضرت علامہ محمد ابراہیم عاجز قادری (امیر تبلیغ اسلامی)

❖❖❖

علمائے اہلسنت کا قادیانیت کے رد میں علمی شاہکار

رد قادیانیت کے سلسلے میں علمائے اہلسنت و جماعت کا کردار روز روشن کی طرح عیاں ہے مگر اغیار نے ذرائع ابلاغ پر قابض ہونے کی وجہ سے اس میدان میں بھی اہلسنت و جماعت کو تہی دست قرار دینے کی سعی مذموم کی۔ یہ نا قابل تردید حقیقت ہے کہ علمائے اہلسنت و جماعت کا کام اس سلسلے میں اس قدر ہے جس کا احاطہ کرنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے ذیل میں رد قادیانیت کے حوالے سے علمائے اہلسنت و جماعت کثرہم اللہ تعالیٰ کی تحریرات کی ایک اجمالی فہرست پیش خدمت ہے جس سے ہمارے قارئین اندازہ کر سکیں گے کہ اس میدان میں بھی اہلسنت و جماعت کی مساعی آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

نام تصنیف	نام مصنف	سن اشاعت
۱۔تحقیقات دستگیریہ (۱)	حضرت علامہ مفتی غلام دستگیر قصوری	1883ء/۱۳۰۱ھ
۲۔رجم الشیاطین	حضرت علامہ مفتی غلام دستگیر قصوری	1886ء/۱۳۰۳ھ
۳۔فتح رحمانی	حضرت علامہ مفتی غلام دستگیر قصوری	1896ء/۱۳۱۴ھ
۴۔شمس الہدایہ فی اثبات حیاۃ المسیح	حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ گیلانی گولڑوی	1899ء/۱۳۱۷ھ
۵۔سیف چشتیائی	حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ گیلانی گولڑوی	1902ء/۱۳۱۹ھ
۶۔ہدیۃ الرسول ﷺ	حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ گیلانی گولڑوی	1899ء/۱۳۱۷ھ
۷۔حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین (۷)	اعلیٰ حضرت مولانا امام احمد رضا خاں بریلوی	1906ء/۱۳۲۴ھ
۸۔المعتمد المستند حاشیہ المعتقد المنتقد	اعلیٰ حضرت مولانا امام احمد رضا خاں بریلوی	

۹-المقال المسفرہ عن احکام البدعۃ المکفرۃ	اعلیٰ حضرت مولانا امام احمد رضا خاں بریلوی	1884ء/۱۳۰۱ھ
۱۰-جزاء اللہ عدوہ باباہ ختم النبوۃ	اعلیٰ حضرت مولانا امام احمد رضا خاں بریلوی	
۱۱-السوء والعقاب علی المسیح الکذاب	اعلیٰ حضرت مولانا امام احمد رضا خاں بریلوی	
۱۲-قہر الدیان علی مرتد بقادیان	اعلیٰ حضرت مولانا امام احمد رضا خاں بریلوی	
۱۳-المبین ختم النبیین	اعلیٰ حضرت مولانا امام احمد رضا خاں بریلوی	
۱۴-الجبل الثانوی علی کلیۃ التھانوی	اعلیٰ حضرت مولانا امام احمد رضا خاں بریلوی	
۱۵-الجراز الدیانی علی المرتد بقادیانی	اعلیٰ حضرت مولانا امام احمد رضا خاں بریلوی	
۱۶- الصارم الربانی علی اسراف القادیانی	حضور حجۃ الاسلام حامد رضا خاں بریلوی	1898ء/۱۳۱۵ھ
۱۷-کلمہ فضل رحمانی بجواب اوھام غلام قادیانی	مولانا مفتی قاضی فضل احمد لدھیانوی	1896ء/۱۳۱۴ھ
۱۸-الالہام الصحیح فی اثبات حیاۃ المسیح		1893ء/۱۳۱۱ھ
۱۹-فوائد فریدیہ	خواجہ غلام فرید سائیں چاچڑاں شریف	1900ء/۱۳۱۹ھ سے قبل
۲۰- بشارت محمدی فی ابطال رسالت قادیانی	مولانا بابو پیر بخش	مطبوعہ انجمن تائید الاسلام لاہور
۲۱-تحقیق صحیح فی تردید قبر مسیح	مولانا بابو پیر بخش	مطبوعہ انجمن تائید الاسلام لاہور
۲۲-تردید امامت کاذبہ	مولانا بابو پیر بخش	مطبوعہ انجمن تائید الاسلام لاہور
۲۳-تردید نبوت قادیانی	مولانا بابو پیر بخش	مطبوعہ انجمن تائید الاسلام لاہور
۲۴-تردید معیار صداقت قادیانی	مولانا بابو پیر بخش	مطبوعہ انجمن تائید الاسلام لاہور
۲۵-حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ آنا	مولانا بابو پیر بخش	مطبوعہ انجمن تائید الاسلام لاہور
۲۶-فتویٰ در تردید عاوی مرزا قادیانی	علامہ ارشاد حسین مجددی رامپوری	1896ء/۱۳۱۳ھ
۲۷-قصیدہ عربیہ فی تردید قصیدہ اعجازیہ	مولانا اصغر علی روحی	مطبوعہ پیسہ اخبار لاہور

۲۸-اتمام الحجۃ عمن اعرض عن الحجۃ	مولانا اصغر علی روحی	(غیر مطبوعہ)
۲۹-الاستدلال الصحیح فی حیات المسیح	مولانا بابو پیر بخش	1924ء
۳۰-افادۃ الافہام	مولانا انوار اللہ خاں حیدر آبادی	
۳۱-اکرام الہی بجواب انعام الہی	مولانا مفتی عزیز احمد بدایونی	
۳۲-ختم نبوت	مولانا ابو النور محمد بشیر کوٹلوی	
۳۳-رسالہ ختم النبیین	مولانا غلام مہر علی	
۳۴-سیف رحمانی علی راس القادیانی	مولانا مفتی غلام جان ہزاروی رضوی	(غیر مطبوعہ)
۳۵-تازیانہ عبرت	مولانا کرم الدین دبیر	
۳۶-فیض جاری ملقب بہ ہدیۃ البخاری	مولانا محمد اکرام الدین بخاری	
۳۷-تردید فتویٰ ابو الکلام آزاد و مولوی محمد مرزائی	علامہ قاضی فضل احمد لدھیانوی	۱۳۳۲ھ
۳۸-جمعیت خاطر	علامہ قاضی فضل احمد لدھیانوی	۱۳۳۳ھ
۳۹-حیات عیسیٰ علیہ السلام	مولانا مہر الدین جماعتی	
۴۰-السیوف الکلامیہ لقطع الدعاوی الغلامیہ	مولانا مفتی عبد الحفیظ قادری بریلوی	
۴۱-ظہور صداقت رد مرزائیت	حضرت پیر ظہور احمد شاہ جلالپوری	
۴۲-قہر یزدانی بر سر دجال قادیانی	حضرت پیر ظہور احمد شاہ جلالپوری	
۴۳-قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ	پروفیسر علامہ الیاس برنی	
۴۴-تتمہ قادیانی مذہب	پروفیسر علامہ الیاس برنی	
۴۵-قادیانی قول و فعل	پروفیسر علامہ الیاس برنی	
۴۶-عقب آسمانی بر مرزائے قادیانی	مولانا نور الحسن سیالکوٹی	
۴۷-القول الفصیح فی قبر المسیح	علامہ محمد فیض احمد اویسی رضوی	
۴۸-قہر یزدانی بر قلعہ قادیانی	مولانا مفتی نظام الدین ملتانی	
۴۹-مرزائی حقیقت کا اظہار	علامہ شاہ عبد العلیم میرٹھی صدیقی	

۵۰-مراۃ (عربی/انگریزی)	علامہ شاہ عبدالعلیم میرٹھی صدیقی	
۵۱-مقدمہ قادیانی مذہب	پروفیسر محمد الیاس برنی	
۵۲-مقیاس النبوۃ	حضرت مولانا محمد عمر اچھروی	
۵۳-الصوارم الہندیہ	مولانا مفتی حشمت علی خان لکھنوی	
۵۴-الکاویہ علی الغاویہ (ج-۲)	علامہ محمد عالم آسی امرتسری	
۵۵-الظفر الرحمانی	مفتی قاضی غلام مرتضیٰ	
۵۶-معیار المسیح	مولانا خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی	۱۳۲۹ھ
۵۷-مرزائی نامہ	مولانا مرتضیٰ احمد میکش	

حوالہ جات

۱- مولوی اللہ وسایا دیوبندی نے احتساب قادیانیت ج ۱۰ میں دبے الفاظ میں اس بات کا اقرار کیا ہے کہ حضرت علامہ غلام دستگیر قصوری رحمۃ اللہ علیہ نے رد قادیانیت کے کام کا آغاز کیا۔

۲- اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا رد مرزائیت پر کام آپ کی اس فتنہ سے نفرت پر دال ہے صرف یہی تصانیف نہیں بلکہ فتاویٰ رضویہ میں کثیر فتاویٰ رد قادیانیت ہیں ان کے علاوہ ہمیں اس کے باوجود البریلویہ کے مصنف اور اس کی اتباع میں آج کل کے نام نہاد محققین اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کو قادیانی نواز ثابت کرنے کی مذموم سعی کر رہے ہیں حالانکہ آپ نے ان تمام ناقدین کے بڑوں سے بھی قبل مرزا پر فتویٰ کفر جاری فرمایا۔ ان الزامات کے رد کے لئے البریلویہ کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ مصنفہ علامہ عبدالحکیم شرف قادری ملاحظہ فرمائیں۔

۳- اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی زندگی کی آخری تصنیف ہے جو رد قادیانیت پر لاجواب تحریر ہے۔ (۱۲ منہ)

❖ ❖ ❖

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل دُکھتا ہے

عالمی مجلس ختم نبوۃ (جو کہ ایک دیوبندی تنظیم ہے) کی جانب سے بے شمار اسٹیکر اور پوسٹر شائع کئے جاتے ہیں جن پر اس قسم کی عبارت لکھی ہوتی ہے کہ

"اگر کوئی مرزائیوں سے ملتا ہے تو گنبد خضریٰ میں نبی کریم ﷺ کا دل دکھتا ہے"۔

کیا صرف قادیانیوں سے لین دین کرنا، ان سے ملنا جلنا، ان کے ساتھ کاروباری معاملات سے آقائے دو جہاں حضور نبی کریم ﷺ کو اذیت ہوتی ہے اور جن نام نہاد مسلمانوں نے اللہ عزوجل کی ذات بے عیب اور حضور ﷺ کی وراء الوراء شان میں بڑی بڑی گستاخیاں کی ہیں ان کی بے ہودہ جسارت پر کیا نبی پاک صاحب لولاک ﷺ کو اذیت نہیں ہوتی ہوگی۔

ان لوگوں کی ان عبارات کا کیا ہوگا جنہوں نے یہ کچھ لکھا:

عقیدہ 1: خدا تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے۔ (معاذ اللہ) (فتاویٰ رشیدیہ مصنفہ رشید احمد گنگوہی)

عقیدہ 2: اللہ تعالیٰ ظلم کر سکتا ہے۔ (معاذ اللہ) (کنز الحقائق صفحہ ۶ مصنفہ وحید الزماں غیر مقلد وہابی)

عقیدہ 3: اللہ تعالیٰ کو بندوں کے کاموں کی پہلے سے خبر نہیں ہوتی۔ جب بندے اچھے یا برے کام کر لیتے ہیں تب اس کو معلوم ہوتا ہے۔ (معاذ اللہ) (تقویۃ الایمان مصنفہ اسمٰعیل دہلوی ص ۳۰)

عقیدہ 4: حضور صلعم کا مزار گرا دینے کے لائق ہے۔ اگر میں اس کے گرا دینے پر قادر ہو گیا تو گرا دوں گا (معاذ اللہ) (بانی وہابی مذہب محمد بن عبدالوہاب نجدی (اوضح البراہین)

عقیدہ 5: میری لاٹھی محمد ﷺ سے بہتر ہے کیونکہ اس سے سانپ مارنے کا کام لیا جا سکتا ہے اور محمد ﷺ مر گئے انہیں کوئی نفع باقی نہ رہا (معاذ اللہ) (اوضح البراہین صفحہ ۱۰)

عقیدہ 6: محمد بن عبدالوہاب کا عقیدہ تھا کہ جملہ اہل عالم و تمام مسلمانان یار مشرک و کافر ہیں اور ان سے قتل و قتال کرنا اُنکے اموال کو ان سے چھین لینا حلال اور جائز بلکہ واجب ہے (معاذ اللہ) ماخوذ حسین احمد مدنی (الشہاب الثاقب ص ۴۲)

عقیدہ 7: غیب کی باتوں کا جیسا علم رسول ﷺ کو ہے ایسا علم زید و عمر بچوں اور پاگلوں کو، بلکہ تمام جانوروں کو حاصل ہے، رسول کی تخصیص نہیں (معاذ اللہ) (حفظ الایمان صفحہ ۸، مصنفہ مولوی اشرف علی تھانوی)

عقیدہ 8: حضور نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی نبی پیدا ہو جائے تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ (معاذ اللہ) (تحذیر الناس ۲۵)

عقیدہ 9: شیطان وملک الموت کو تمام روئے زمین کا علم ہے اور حضور ﷺ کے علم سے زیادہ ہے (معاذ اللہ) (براہین قاطعہ ۵۵ مصنفہ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی)

عقیدہ 10: نماز میں حضور علیہ السلام کا خیال گدھے اور بیل کے خیال میں ڈوبنے سے برا ہے۔ معاذ اللہ (صراط مستقیم ۹۷ مصنفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی)

عقیدہ 11: ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے (معاذ اللہ) (تقویۃ الایمان ۱۳ مصنفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی)

عقیدہ 12: حضور علیہ السلام کی تعظیم بڑے بھائی کی سی کیجئے (معاذ اللہ) (تقویۃ الایمان ۵۶)

عقیدہ 13: حضور علیہ السلام کا یوم میلاد منانا کنھیا کے جنم دن منانے کی طرح ہے (معاذ اللہ) (براہین قاطعہ ۵۲) (خلیل احمد دیوبندی)

عقیدہ 14: رسول ﷺ کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ (معاذ اللہ) (تقویۃ الایمان ۵۹)

عقیدہ 15: امام حسین باغی تھے۔ (معاذ اللہ) اور یزید امیر المومنین تھا۔ (ڈاکٹر اسرار اور ڈاکٹر ذاکر نائیک)

کیا آج بھی مندرجہ بالا گستاخیوں کو نظر انداز کر کے قرآن وحدیث سے صحیح ثابت نہیں کیا جا رہا۔ اگر مگر کی تاویلیں کر کے اپنا نامہ اعمال کو سیاہ نہیں کر رہے ہیں کیا ان لوگوں کو بڑے بڑے القابات سے نوازا نہیں جا رہا ہے۔ ان کی تحریروں کو صحیفہ آسمانی نہیں سمجھا جا رہا ہے۔ سیدھے سادھے مسلمانوں کو کافرو مشرک کہہ کر ان کی دل آزاری نہیں کی جا رہی ہے۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ کا فرمانِ عالی شان ہے کہ مجھے میری امت سے شرک کا خوف نہیں مگر یہ دنیاداری میں الجھ جائیں گے۔

کیا ان لوگوں سے ملنا ان کے پیچھے نماز پڑھنا ان کے اجتماع میں جانا ان کی ریلیوں میں شرکت کرنا۔۔۔۔۔۔ ان سے میل جول رکھنے سے نبی کریم خاتم النبیین رحمۃ العالمین ﷺ کو گنبد خضریٰ میں اذیت نہیں پہنچتی۔۔۔۔۔۔ خدارا ذرا سوچئے

ایسے عقائد رکھنے والوں اور ان کی حمایت کرنے والوں سے مکمل سوشل بائیکاٹ کر کے اللہ عزوجل اور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں سُرخرو ہو جائیں۔